میمونہ خورشید علی

کسی راستے کی تلاش میں

"دیکھو بھی کوئی مجھے ڈسٹرب نہ کرے۔ میں دن بھر کی تھکی ہوئی ہوں آرام کرنا چاہتی ہوں۔"

"آے رام۔ ارے بھئی خوب کہی۔ دلہن دروازے پہ پہنچنے والی ہے اور تم آرام کرنے جا رہی ہو۔" شائستہ بیگم نے بھاوج کو ٹوکا۔

"ماما۔ میں بھی سونے جا رہی ہوں اور پلیز مجھے صبح جلدی کوئی نہ جگائے۔" دل نشین نے جمائی لیتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ کیا۔ سب ہی گھر والے سو جائیں گے تو دلہن کا استقبال کون کرے گا اور یہ دل آویز کہاں ہے؟" شائستہ بیگم کو حیرانی ہو رہی تھی۔

"دل آویز کی طبیعت پہلے ہی خراب ہو رہی تھی۔ میرج ہال سے بھی جلدی لوٹ آئی تھی۔ شاید وہ تو سو بھی چکی ہو۔ میں نے تو اپنی بچی کو بھی نہیں دیکھا۔ پہلے اسے دیکھوں گی پھر کہیں جا کر نیند آئے گی۔"

"ماما پلیز۔ آپی کو سونے دیں۔ وہ پہلے ہی بہت ٹینس رہتی ہیں۔ شاید انہوں نے نیند کی ٹیبلٹ لے رکھی ہو۔ صبح ہی مل لیجیے گا۔"

"بیگم صاحبہ! یہ مزید سامان آیا ہے کہاں رکھوں؟"

"میرے سر پہ رکھو۔ اتنا بڑا گھر ہے۔ کہیں بھی رکھ دو۔"

"مگر بیگم صاحبہ! یہ قیمتی سامان ہے۔ میرا مطلب

ناولٹ

www.pkdigest.com

ہے زیورات ہیں اس میں۔"

"یہ زیورات ضرور ہیں مگر قیمتی نہیں ہیں۔ اس کے کمرے میں جاکر ڈال آؤ۔ مجھے کیا لینا دینا اس کی چیزوں سے۔"

"آج کل لوگ جہیز پہلے اٹھوا دیتے ہیں۔ مگر انہیں تو گویا ضد سی ہو گئی تھی کہ جس روز بارات آئے گی اسی روز جہیز دیں گے۔ اگر پہلے سے یہ کاٹھ کباڑ آجاتا تو اتنی وقت تو نہ ہوتی۔ بس باراتیوں نے جہیز دیکھ لیا۔ بڑی واہ واہ ہو گئی۔"

"اوہ ماما! بات تو دراصل کچھ اور تھی... درحقیقت انہیں اعتبار نہیں تھا ہم لوگوں پہ۔ سمجھ رہے تھے پہلے سے جہیز پہنچا دیا تو ہم کچھ چوری کرلیں گے۔" دل نشین نے پھر خیال آرائی کی۔

"ہم تو لعنت بھی نہ بھیجیں اس سامان پہ۔ میری بچی کا جہیز آٹھ دن پہلے اٹھا تھا۔ کسی چیز کو ڈھنگ طریقے سے نہ سجایا چیزیں چوری کیں علیحدہ' ہم تو اپنی بچی کا صدقہ جان کر صبر کیے بیٹھے ہیں۔"

"صبر ہی کیا جاسکتا ہے اور صبر کے علاوہ چارہ ہی کیا ہے؟" شائستہ نے بھاوج کے دکھ پہ افسوس کرتے ہوئے تحمل سے کہا۔

"بیگم صاحب! یہ عمرے کا ٹکٹ ہے۔ صاحب نے کہا ہے انہیں سنبھال کر رکھ لیں۔"

"عمرے کا ٹکٹ۔" پہلے تو دلشاد بیگم کو جھٹکا لگا پھر طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔ "نام وری کے لیے لوگ جانے کہاں کہاں سے قرضے لیتے ہیں۔ سلامی میں داماد کو عمرے کے ٹکٹ دیے ہیں۔"

آج سے تین سال قبل جب انہوں نے اپنی دل آویز کی شادی کی تھی تو کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ دل آویز کے مقابلے میں بہت ہی معمولی جہیز آیا تھا۔ مگر آنے والی کی قسمت دل آویز سے زیادہ اچھی تھی اور یہ بات دلشاد کو انگاروں پہ لوٹا رہی تھی۔

حور العین کیونکر اس گھر میں راج کر سکتی تھی۔ نہ تو وہ دلشاد بیگم کی پسند سے اس گھر میں آرہی تھی اور نہ ہی ان کی بیٹیوں کی۔

طارق' دلشاد بیگم کا چہیتا اور فرماں بردار بیٹا۔ دلشاد بیگم کیسے گوارا کر سکتی تھیں کہ ان کی غریب نند کی بیٹی اس گھر میں آئے جبکہ انہوں نے تو اپنی بھتیجی لانے کے خواب دیکھے تھے۔ مگر وہ خواب ان کی آنکھوں میں ہی کرچی کرچی ہو گئے۔ جب ابراہیم نے بیوی کے سامنے بڑے مجبور اور دھیمے لہجے میں یہ کہا۔

"یہ رشتہ اماں نے کیا تھا۔ حور العین طارق کی بچپن کی مانگ ہے۔ میں انکار نہیں کر سکتا۔ نور کو میرے انکار سے رنج ہوگا۔ میں نے زندگی میں کبھی ماں کو دکھ نہیں دیا۔ مرنے کے بعد میں تکلیف نہیں پہنچا سکتا۔"

طارق تمام صورت حال سے واقف تھا۔

اس کی سوچ دو حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ باپ جو چاہتا تھا درحقیقت اس کی چاہت بھی وہی تھی' لیکن جب ماں، بہنوں کی طرف دیکھتا تو متذبذب ہو جاتا۔

"بابا... میں شادی ہی نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے تنگ آکر فیصلہ سنا دیا۔

"دماغ پھر گیا ہے تمہارا۔ تم ماں بہنوں کی باتوں میں آکر انکار کر رہے ہو۔ میں نے اپنی ماں سے وعدہ کیا تھا' یہ شادی ضرور ہوگی۔" ابراہیم صاحب بیٹے پہ بگڑے۔

"میں ماں بہنوں کی باتوں میں آکر انکار نہیں کر رہا۔ ان مسائل کو دیکھ رہا ہوں جو شادی کے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔" طارق کی سنجیدگی بدستور قائم تھی۔

"فضول سوچ ہے تمہاری۔" انہوں نے بیٹے کے مفروضے کو رد کر دیا۔

"دل آویز آپی کی شادی کا بھی اتنا ہی جوش تھا ناں آپ کو۔ کون سی خوشی حاصل ہوئی آپ کو ان کی شادی کر کے۔"

"فضول باتیں کر رہے ہو تم۔ جو کچھ دل آویز کے ساتھ ہوا' یہ اس کی قسمت تھی۔"

"جانتے بوجھتے ہوئے اسے جہنم میں دھکیل دیا آپ نے بابا! کم از کم لڑکا تو دیکھ لیتے آپ۔" طارق کے لہجے میں تاسف تھا۔

"دل آویز کی بات چھوڑو اس کا مسئلہ تم سے مختلف ہے۔"

"کیا آپ کو ان کا رنج نہیں؟" طارق نے باپ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں تو ابراہیم صاحب نے نظریں چرا لیں۔

"میں نے اپنی طرف سے اس کی بہتری ہی چاہی تھی۔"

"لیکن اس کے ساتھ اچھا تو نہیں ہوا؟"

"طارق تم صرف خود کو دیکھ رہے ہو۔ دو خاندانوں میں یہ بات بیس سال سے پھیلی ہوئی ہے کہ حور العین طارق کی منگیتر ہے۔ اگر اس وقت یہ بات ختم ہوگی تو میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا' کچھ کھا کر سو جاؤں گا۔" طارق کو خاموش ہوتے ہی بنی۔

اور جب دولہا بنا طارق اپنی دلہن کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں اس کے استقبال کے لیے صرف ملازمین تھے۔ یا صرف شائستہ پھوپھو' جو انڈیا سے آئی ہوئی تھیں۔ محض شادی اٹینڈ کرنے سب سے بڑی پھوپھو کو دیکھ کر طارق کو کچھ تقویت ہوئی۔

"ارے بیٹا! کھڑے کیوں رہ گئے۔ اندر آؤ ناں۔ ابراہیم! تم بھی تھک گئے ہو گے۔ اب آرام کرو۔"

"آپا! وہ باہر سامان کا ٹرک ہے۔ آپ طارق کی دلہن کو اندر لے کر چلیں جب تک میں وہ سامان اترواتا ہوں۔"

ملازمین نے پھول نچھاور کیے تھے۔ طارق اور حور العین سج سج چلتے ہوئے شائستہ کے ہمراہ لاؤنج میں آگئے۔ طارق کو یکدم گھٹن ہونے لگی تھی۔ وہی ہوا۔ جس کا اسے اول روز سے ڈر تھا۔ شائستہ علیحدہ متفکر تھیں۔ یہ رسموں کا وقت تھا۔ بہنیں اپنی مرضی سے نیگ مانگتیں' بھائی کو ستاتیں' بھاوج کو چھیڑتیں' لیکن یہاں تو ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ رات زیادہ ہونے کی وجہ سے تھکاوٹ کے باعث مہمان رشتہ دار دلہن کے ہمراہ گھر نہیں آئے تھے۔ میرج ہال سے اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے ورنہ یہاں تو ٹھیک ٹھاک تماشا لگ جاتا۔

"پھوپھو! میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں۔" طارق سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ حور العین سے دور بھاگ جانا چاہتا تھا اسی کی وجہ سے تو اس کی ماں بہنیں اس سے دور ہو گئی تھیں۔ شائستہ سے کہہ کر وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

حور العین تمام صورت حال سے بے خبر آنکھوں میں ہزار سپنے سجائے سجی سنوری بیٹھی تھی۔

طارق سے اس کا بچپن سے رشتہ تھا۔ طارق کو بچپن سے ہی پسند کرتی تھی۔ اس کی پرسنالٹی' اس کی ذہانت اور پھر مسکرا کر ___ دیکھنے کا انداز۔ اسے سب ہی کچھ تو اچھا لگتا تھا۔

وہ طارق کو کتنا چاہتی ہے۔ وہ اس چیز کا اظہار بارہا اپنی دوستوں اور کزنز کے درمیان کرتی رہتی تھی۔

فطرتاً وہ بہت بولڈ اور خود اعتماد تھی۔

بارہا ایسا وقت بھی آیا جب اسے یوں لگتا تھا جیسے اس کا اور طارق کا یہ کچے دھاگوں سے جڑا رشتہ یکدم ختم ہو جائے گا لیکن طارق کو اس کا ہونا تھا اور اسے طارق کا تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکی اور آج... یہ کچا رشتہ مضبوط اور اٹوٹ ساتھ میں بدل ہی گیا۔

"حور العین بیٹا...! رات بہت ہو چکی ہے۔ میرا خیال ہے اب تمہیں بھی آرام کرنا چاہیے۔ ملازمین گھر میں سامان رکھ رہے ہیں۔ میں تمہیں تمہارے کمرے تک چھوڑ دیتی ہوں۔"

بالآخر شائستہ پھپھو نے کہا۔ تو حور العین دھیرے سے مسکرا دی۔ پھر وہ اسے اپنی ہمراہی میں طارق کے کمرے تک لے گئیں۔

"طارق کا کمرہ اوپر کی منزل میں ہے۔" انہوں نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بتایا۔

حور العین اچھی طرح جانتی تھی کہ طارق کا کمرہ کہاں ہے۔ ان سیڑھیوں پہ وہ ہزار بار اتری چڑھی

www.pkdigest.com

تھی۔
میٹرک میں جب میتھس پڑھانے کے لیے کوئی ٹیوٹر نہیں ملا تھا تو طارق نے اسے تین ماہ تک میتھس کی تیاری کرائی تھی اور اس نے میٹرک میں طارق کی ہی وجہ سے شاندار مارکس لیے تھے۔ کالج میں جانے کے بعد وہ تین ماہ جو طارق کے ساتھ گزرے تھے اس کے لیے ایک خوشگوار سپنا تھے۔
وہ دن رات ان ہی لمحوں کے سحر میں گم رہتی۔ کچی عمر کے یہ لمحے کتنے خوبصورت تھے۔
"تمہیں الجبرا سمجھا سمجھا کر میرا دماغ خالی ہو گیا ہے اور تم۔ تم اتنی کوڑھ مغز ہو کہ بارہا سمجھانے کے باوجود تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"
شرمندگی سے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں اور چہرے پہ سرخی چھلک آئی۔
"اب رونے مت بیٹھ جانا۔ میں بھی کوئی آج کل فارغ نہیں ہوں میرے بھی اے لیول کے ایگزامز سر پر ہیں۔"
"ٹھیک ہے۔ اگر آپ اتنے مصروف ہیں تو نہ آیا کریں۔ میں نے کون سا پڑھ لکھ کر نوکری کرنی ہے ہانڈی چولہا ہی کرنا ہے ناں.... وہ تو میں بغیر پڑھے بھی کر سکتی ہوں۔ مگر اس کا اثر آپ کی ہی زندگی پہ پڑے گا۔ میرا تو کچھ نہیں جاتا۔"
اتنی بڑی بات اس نے کتنی آسانی سے کہہ دی تھی۔ طارق دنگ رہ گیا۔ وہ لڑکا ہو کر اس کی جرات نہیں کر سکا۔ جبکہ اس نے لڑکی ہو کر......
"تمہارے نہ پڑھنے سے میری زندگی پہ بھلا کیوں اثر پڑنے لگا؟"
وہ کہنا چاہتا تھا لیکن یک دم چپ ہو گیا۔ وہ اس کی سوچ سے کہیں زیادہ بیوقوفی کی حد تک بولڈ تھی۔
"تمہیں ایسی بات کہتے ہوئے ڈر نہیں لگا؟"
"ڈر کس بات کا۔ ایک بات ہے سو ہے۔" اس کی خود اعتمادی عروج پہ تھی۔ "جس طرح میں بچپن سے اس بات سے واقف ہوں۔ اس طرح تم بھی باخبر ہو۔"
"اور اگر میں کہوں ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ تب.....؟"

اس کے دل کو کچھ یکدم ہوا۔ اس نے چونک کر طارق کی طرف دیکھا۔ جہاں سنجیدگی نمایاں تھی۔
وہ الجھ گئی۔ وہ اکثر طارق کے ایسے رویے پہ الجھ جاتی تھی۔
اس کے بعد عادل ماموں کی شادی ہوئی تھی اس کی سج دھج سب لڑکیوں سے منفرد ہوا کرتی تھی لیکن پھر بھی وہ اسے نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا۔ حالانکہ اپنے چاچو کی شادی میں پیش پیش تھا اور کیوں نہ ہوتا سب سے بڑا بھتیجا بھی تو وہی تھا۔
"سنو..... آج تو تم بلیک سوٹ میں قیامت ڈھا رہی ہو۔ کہیں طارق' عادل ماموں کے ہمراہ ہی دولہا بننے پہ بضد نہ ہو جائے۔ اس کا سامنا زیادہ نہ کرنا۔ تمہارے حق میں بہتر ہو گا۔" اس کی کزنز چھیڑ رہی تھیں۔
"ہونہہ.....! موصوف کو فرصت ہی کہاں ہوتی ہے۔" اس نے جلتے کڑھتے دل میں سوچا۔ شادی کی تمام تقریب گزر گئیں۔ ستائش تو در کنار اس نے سرسری نظر نہ بھی ڈالی۔ وہ عزت کے پاس سے اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی اور دھک سے رہ گئی۔ وہ کمرے میں موجود تھا اور الماری میں گھسا کھڑ پڑ کر رہا تھا۔ پہلے تو اس نے سوچا کمرے سے نکل جائے۔ پھر یکدم ہی ازلی ڈھٹائی کے ساتھ سامنے آ گئی۔
"میری نانو کا گھر ہے..... میں جہاں مرضی پھروں جہاں مرضی بیٹھوں۔ طارق نے دروازے کی آہٹ پر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں۔ اس نے الماری بند کی اور تیزی سے کمرے سے نکلنا چاہا' تب ہی وہ سامنے آ گئی۔
"پوری شادی میں سب نے مجھے آپ کے حوالے سے چھیڑا لیکن آپ نے مجھے نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ کیا آپ کو یہ رشتہ ناپسند ہے؟ اگر ایسا ہے تو کہہ نہیں سکتے۔" وہ بگڑ کر بولی۔ اس سے پہلے کہ طارق کچھ کہتا' اچانک دروازہ کھول کر دلشاد بیگم اندر آ گئیں۔ انہوں نے تیکھی نگاہوں سے طارق اور حور العین کی جانب دیکھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو طارق؟"
طارق کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ کہیں اس کی ماں نے تو یہ الفاظ نہیں سن لیے تھے۔
"میں تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ رہی تھی۔"
"میں.... چاچو کا کچھ سامان لینے آیا تھا۔" وہ تیزی سے کمرے سے نکل گیا۔ دلشاد بیگم نے چبھتی ہوئی نگاہوں سے حور کی جانب دیکھا پھر وہ بھی طارق کے پیچھے چل دیں۔
"لگتا ہے مامی کے دماغ میں کوئی گڑبڑ ہے۔ ہر وقت اپنے بیٹے کا پہرہ دیتی رہتی ہیں۔" حور گہرا سانس کھینچتے ہوئے بستر پر بیٹھ گئی۔
"آؤ بیٹی! اندر آ جاؤ۔" شائستہ نے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا تو حور العین یک دم حال میں واپس آ گئی۔
ان کے کہنے پر اس نے قدم طارق کے کمرے کی چوکھٹ پہ رکھا۔
"ارے یہ کیا ساری ہی لائٹس آف ہیں۔" شائستہ نے یہ کہتے ہوئے لائٹ جلا دی۔
"طارق تو کہیں نظر نہیں آ رہا۔" شائستہ نے اسے بیڈ پہ بٹھا دیا پھر قریب ہی بیٹھ گئیں۔
"تمہیں عجیب تو لگ رہا ہو گا حور؟" حور نے گھنی پلکیں اٹھا کر تعجب سے شائستہ کو دیکھا۔
"خالہ! میں ممانی کے خشک رویے سے اچھی طرح واقف ہوں۔" حور نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔
شائستہ دنگ رہ گئیں۔ "تو کیا تم ان سب حالات کا مقابلہ کر لو گی؟"
"ظاہر ہے اب تو کرنا ہی پڑے گا۔" لاپروائی اور سرمستی حور کے انگ انگ میں نمایاں تھی۔
"میں تو بہت کم پاکستان آئی ہوں اور جب بھی آئی ہوں۔ اماں جی کے ہاں ہی ٹھہری ہوں۔ اماں جی اور بابا جان کے بعد یہ پہلا موقع ہے کہ میں بھائی ابراہیم کے ہاں رکی ہوں ورنہ تمہارے خالو تو کہہ رہے تھے کہ ہوٹل میں قیام کر لیں گے۔ مگر اچھا نہیں لگتا۔

بھائیوں کے گھر ہونے کے باوجود بہنیں ہوٹلوں میں قیام کریں۔ مجھے چودہ پندرہ دن ہو گئے ہیں آئے ہوئے مجھے تو بھاوج اور بھتیجیوں کے رویے ہی سمجھ میں نہیں آ رہے۔ مانا کہ دل آویز کے ساتھ بہت برا ہوا ہے۔ مگر....."
وہ ایک دم چپ ہو گئیں۔ حور ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگی۔ شائستہ نے حور کی طرف دیکھا اور اپنائیت سے بولیں۔
"تمہارا سارا بچپن اماں جی کے زیر سایہ گزرا ہے۔ بہت محبت تھی اماں جی کو تم سے۔ آپا کے فوت ہوتے ہی اماں جی نے تمہیں اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ تم اپنے ماموؤں کے گھروں کے ماحول سے بخوبی واقف ہو اور یہ تمہارے لیے اچھا ہی ہے۔ مگر میں پھر بھی یہی کہوں گی۔ دل آویز کے نہ بسنے کا اثر تمہاری زندگی پہ بہت زیادہ پڑے گا۔ تمہیں صبر اور برداشت سے کام لینا ہو گا۔"
"مگر.... خالہ.... دل آویز کی شادی کو تو تین سال ہوئے ہیں۔ مامی کا رویہ تو شروع سے ہی ایسا ہے۔ وہ تو طارق کو نانو کی طرف کبھی نہیں بھیجتی تھیں۔ نانو کے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے
بہنوں کے لیے ایک اور ناول
اماوس کا چاند
بشریٰ سعید
قیمت --- /150 روپے
منگوانے کا پتہ
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37- اردو بازار، کراچی۔

www.pkdigest.com

فوت ہونے کے بعد جب میں اپنے ابو کے پاس چلی گئی تھی تب طارق ادھر جانے لگے تھے۔"

"کیا حالات اتنے سنگین تھے پھر بھی ابراہیم بھائی نے اماں جی کے وعدے کو نبھایا۔" شائستہ لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گئیں۔ اٹھتے ہوئے بولیں۔

"رات کافی ہو چکی ہے۔ تم تھک گئی ہو گی تھوڑی سی ٹیک لگالو۔ میں طارق کو دیکھتی ہوں کہاں ہے۔ وہ تو کمرے میں آنے کا کہہ کر اٹھا تھا۔ کہاں چلا گیا۔" کہتے ہوئے شائستہ کمرے سے نکل گئیں۔

طارق کے ذکر پہ حور کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں۔ طارق اس کا ہو چکا تھا اور کچھ ہی پل میں وہ اس کے نزدیک ہو گا۔ اتنا نزدیک۔۔۔ کہ اس کے سارے شکوے گلے مٹ جائیں گے۔

وہ جو بچپن سے اس سے بے اعتنائی برتتا چلا آرہا تھا۔ سب کچھ جاننے کے باوجود انجان بنتا تھا۔ اس کی بے تکلفی کو نظر انداز کر دیتا تھا۔ کبھی اس کے فون کا جواب نہیں دیا۔ آج وہ سارے حساب بے باق ہو جائیں گے۔ اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں موند لیں اور سر بیڈ کے سہانے سے ٹکا دیا۔

☼ ☼ ☼

"نانو! میرے پیپر سر پر ہیں اور طارق کو دیکھیں تین دن سے چھٹی کر رہے ہیں جبکہ آپ کہتی ہیں طارق بہت ذمہ دار ہے۔ خاک ذمہ داری ہے یہ۔ نہیں پڑھانا تو بندہ انکار کر دے۔ یوں بیچ میں کیوں انکار رکھا ہے جب دل کرتا ہے چھٹی کر لیتے ہیں۔"

"حور! تم سے ہزار بار کہا ہے۔ طارق تم سے بڑا ہے اسے بھائی کہا کرو۔"

"نانو۔۔۔ دنیا میں جتنے بھی مرد ہیں، وہ سب میرے بھائی ہیں سوائے ایک طارق کے۔"

"تمہیں شرم نہیں آتی مجھ سے ایسی باتیں کرتے ہوئے۔"

"نانو، پیاری نانو! فقط آپ سے ہی شرم نہیں آتی۔ آپ ہی تو میری دوست ہیں، سہیلی ہیں، ماں ہیں۔" وہ نانو سے لپٹ گئی۔

"میں تمہاری کچھ بھی نہیں ہوں۔ صرف نانی ہوں۔" نانو نے پیار سے جھڑکا۔ تو اس نے منہ بنا لیا۔

"لڑکیوں کا اتنا منہ پھٹ ہونا اچھا نہیں ہوتا۔ تمہارے باپ نے تو دوسری شادی کر کے جان چھڑا لی۔ اب تو میری ہی تربیت پہ حرف آئے گا۔"

"یہ میرے باپ کا حق تھا۔ اگر انہوں نے شادی کر لی ہے تو آپ یا کوئی اور مجھے بار بار کیوں جتلاتا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ میں چھوٹی سی تھی تو میری ماں مر گئی تھی۔ آپ نے مجھے گود لے لیا۔ پاپا کو شادی تو کرنی ہی تھی ناں اور انہوں نے اچھا ہی کیا کہ کم از کم اس طرح میرے تین چار بہن بھائی تو ہو گئے۔ ورنہ میں دنیا میں تنہا رہ جاتی۔ اوہ مائی گاڈ۔۔۔ اکلوتا ہونا کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔"

"اب تم نے تقریر ختم کر لی ہو تو میں بھی کچھ بولوں۔"

"میرا خیال ہے آپ نہ ہی بولیں تو بہتر ہے۔ کیونکہ جو آپ نے کہنا ہے وہ میں سمجھ رہی ہوں۔ میری سوتیلی ماں بہت تیز عورت ہے۔ وہ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں سمجھتی۔ تاریخ گواہ ہے۔ کسی بھی سوتیلی ماں نے سوتیلی اولاد کو اچھا نہیں سمجھا۔ اس لیے میں سمجھتی ہوں میری ماں صحیح ہے۔ آپس کی بات ہے۔ میں کون سا اسے اچھا سمجھتی ہوں۔" وہ کھی کھی کرنے لگی۔ نانو نے سر پکڑ لیا۔

"میرے چار بہن بھائی اعلا اسکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ میں نانا کے اخراجات پہ پل رہی ہوں۔ میرا باپ مجھے خرچا نہیں بھیجتا۔ اب اگر آپ مجھے نہ لے کر آتیں تو میں پاپا کے گھر میں ہی پرورش پاتی ناں۔ تب تو پاپا کو ہی سارے خرچے کرنا پڑتے اب اس میں پاپا کا تو کوئی قصور نہیں۔ وہ مجھ سے ملنے آجاتے ہیں۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ کم از کم مجھے یہ تو احساس ہے کہ میں بالکل لاوارث نہیں ہوں۔" یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھیگ گئی تھی اور اس کی

آنکھیں خوبصورت آنکھیں پانی سے چھلکنے لگی تھیں۔

"آپ بھی ناں یونہی مجھے باتوں میں لگا لیتی ہیں۔ طارق کو آج پھر چھٹی کرنے کا موقع مل جائے گا اور آج میں اسے چھٹی ہرگز نہیں کرنے دوں گی۔" اس نے فون اٹھاتے ہوئے کہا تھا فون دلشاد بیگم نے اٹھایا تھا۔ لہٰذا سلام کے بعد اس نے طارق کے بارے میں پوچھا۔

دلشاد بیگم کا خشک رویہ اس نے محسوس کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ یہاں دلشاد بیگم کو تو پتا ہی نہیں تھا۔ ان کے تو پتنگے لگ گئے۔

"کب سے آرہا ہے تمہیں پڑھانے؟"

"یہی مہینہ ڈیڑھ مہینہ ہوا ہے۔ بس چند دن کی اور بات ہے۔ مگر طارق نے اچانک چھٹیاں شروع کر دیں۔ نانو کہہ رہی ہیں فون کر کے پوچھوں کہیں طارق کی طبیعت تو خراب نہیں ہے۔"

دلشاد بیگم کے ہونٹوں پہ طنزیہ مسکراہٹ آگئی۔

"تمہاری نانو کو فکر ہو رہی ہے یا تمہیں؟"

"بھئی نانو کو فکر ہو گی اپنے پوتے کی، مجھے تو اپنے پیپرز کی فکر ہے۔ طارق نے کہا تھا۔ وہ مجھے گیس پیپر بھی لا کر دے گا۔ کیا اسے نہیں پتا کہ مجھے ڈیٹ شیٹ مل چکی ہے؟"

"کیوں۔۔۔؟ طارق کیا کسی اسکول میں ٹیچر لگا ہوا ہے جو اسے اتنی معلومات ہوں گی؟ دلنشین بھی میٹرک کے امتحان دے رہی ہے۔ اس کی تو اسے فکر نہیں اور تمہیں وہ پڑھانے پہنچ جاتا ہے۔"

حور نے یکدم لب بھینچ لیے۔ مگر شرارت اس کی آنکھوں سے چھلکی پڑ رہی تھی۔ دو منٹ کے بعد حور نے ریسیور کریڈل پہ ڈال دیا اور ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئی۔

نانو حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"آج طارق کی خیر نہیں ہے۔ ممانی جان طارق کا بھرکس نکال دیں گی۔"

نانو نے سر پیٹ لیا۔

"تم سے کہا کس نے تھا وہاں فون کرو۔۔۔"

"تو بھلا اور سنو۔۔۔ آپ کے سامنے ہی تو فون کیا تھا۔ تب تو خیال نہیں آیا آپ کو۔ اب ساری بات مجھ پہ ڈال رہی ہیں۔ حالانکہ اگر یہ قصور ہے تو قصور وار آپ بھی ہیں۔" اس نے مزے سے چوکڑی مارتے ہوئے کہا تو نانو نے چشمہ اتار کر ماتھا بے بسی سے ہتھیلی پہ ٹکا لیا۔

دو دن کے بعد طارق گھر آیا تو بہت غصے میں تھا۔ وہ سلام کر کے دادی کے پاس بیٹھ گیا۔

"ارے بیٹا! کیا بات تھی کئی روز سے آ نہیں رہا تھا۔ طبیعت تو ٹھیک تھی تمہاری۔"

"دادو! آپ کو معلوم ہے، ماما مجھے کتنا چاہتی ہیں۔" غصے اور ضبط کے باعث طارق کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

"وہ مجھے اتنا چاہتی ہیں کہ ان کا بس نہیں چلتا کہ میں سانس بھی لوں تو ان کی مرضی سے۔ میرا دن بھر کا شیڈول ماما کے سامنے ہے۔ میں اپنے دوستوں میں بھی جاتا ہوں تو ماما کو بتا کر۔ میں یہاں حور کو پڑھانے صرف آپ کے اصرار پر آیا کرتا تھا اور یہ سب کچھ ماما سے پوشیدہ تھا اور اب جب انہیں پتا چلا ہے وہ مجھ پہ سخت برہم ہیں۔۔۔"

حور نے کچن کی جالی سے دادی پوتے کی باتیں سنیں تو پھدک کر کچن سے باہر آئی۔

"بھئی بلے بلے۔ الٹا الزام ہمارے سر۔ اگر آپ کی ماما یہ سب پسند نہیں کرتی تھیں تو آنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔"

"سن رہی ہیں دادو آپ۔ ذرا بھی عقل نہیں ہے اس لڑکی میں۔"

"خبردار مجھے جو کم عقل کہا تو۔۔۔ جب تک آپ میرے استاد تھے۔ میں نے سن لیا۔ اب معاملہ برابری کا ہے۔ ٹیوٹرز کی دنیا میں کمی نہیں تھی۔ مگر نانو کا دل نہیں ٹھہرتا تھا۔ کہتی تھیں زمانہ خراب ہے۔ گھر کا بچہ ہے۔ چند دن کی ہی تو بات ہے پڑھا دے گا۔ مگر نانو سمجھتی نہیں ناں زمانے سے زیادہ تو اپنے خراب ہوتے ہیں۔"

وہ یہ کہہ کر دھپ دھپ کرتی واپس چلی گئی۔

www.pkdigest.com

طارق نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا۔

"حور بے وقوف ہے بیٹا!" ان کے چہرے پہ واضح شرمندگی تھی۔ "یہ سب کو اپنے جیسا سمجھتی ہے۔ من کا ستھرا۔ مگر تمہیں جانتی کہ سب ایک سے نہیں ہوتے۔ تو اس سے اپنا دل خراب نہ کرنا۔ وقت کے ساتھ ساتھ ٹھہراؤ آجائے گا اس میں۔"

یہ الفاظ اس نے جاتے ہوئے سنے تھے اور ایک سکون کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کی سیاہی دن کے اجالے میں سمٹنے والی تھی۔ سورج کی ہلکی ہلکی کرنیں افق سے پھوٹ رہی تھیں۔ کہر نے ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ وہ دریچے کے بائیں جانب ماربل کے ستون سے پشت لگائے سردی کی پروا کیے بغیر آنکھیں موندے بیٹھا تھا۔ اس یقین کے ساتھ کہ پورا گھر خواب خرگوش کے مزے لے رہا ہے۔ اس کی زندگی کا سکون برباد کرکے۔ رات وہ اپنے باپ کے ارمانوں کی بھینٹ چڑھا تھا۔ اس نے باپ کی خواہش پوری کی تو ماں ناراض ہو گئی۔ ماں کی خواہش پوری کرتا تو باپ عاق کر دیتا۔ آخر... آخر اس کے معاملے میں اتنی شدت پسندی کیوں تھی؟۔

ولید... اس سے دو سال چھوٹا ہی تو ہے لیکن اس کی بغاوت اور سرکشی... اس کے بعد معیز... پھر دلنشین... ان دونوں میں بھی ہٹ دھرمی کچھ کم نہیں تھی۔ اپنی من مانی کرنا... شروع سے ہی ان کا وتیرہ تھا۔ ایک... وہی... وہی... ایسا کیوں رہ گیا تھا۔

حساس... ذمہ دار... ذرا ذرا سی بات کی پروا کرنے والا۔ کبھی من مانی نہیں کی۔ دوسروں کو یہاں تک کہ ملازمین تک سے بھی بدتمیزی نہیں کی۔ کبھی جان بوجھ کر کسی کا دل نہ دکھایا۔ پھر بھی سکون اس کے حصے میں نہیں آیا۔

تب ہی اس کے کاندھے پہ کسی نے ہاتھ رکھا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔

سامنے ولید کھڑا اسے بڑی عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم سوئے نہیں ابھی تک؟" طارق نے گھٹنے سیدھے کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"تم رات بھر یہیں رہے ہو؟" ولید اسے بڑی گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ طارق نے اپنے دونوں بازو سینے پہ لپیٹ لیے اور سر جھکا لیا۔

"میں رات کو بابا کے کمرے میں تھا۔" طارق کی آواز بہت دھیمی تھی۔

"کیوں... بابا کی طبیعت خراب تھی کیا...؟" ولید کے لہجے میں کاٹ تھی۔

"ماما اور بابا کے درمیان شدید ناراضی چل رہی ہے۔" وہ آہستہ سے بولا۔

"یہ کون سی نئی بات ہے۔ ان لوگوں کی تو عادت ہے۔ پہلے غلط فیصلے کرتے ہیں پھر آپس میں لڑتے ہیں۔"

"وہ ہمارے ماں باپ ہیں ولید!"

"جانتا ہوں... کوئی نئی بات بتاؤ۔"

"پلیز ولید الون..." طارق اس وقت بحث کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"اور وہ جو رات بھر تمہارا انتظار کرتی رہی ہوگی اس کے بارے میں سوچا ہے تم نے۔ اس کا کیا قصور ہے۔"

"میں ذمہ دار نہیں ہوں اس کا۔"

"بہت خوب۔ وہ نکاح میں تو تمہارے ہی آئی ہے ناں۔"

"ولید...!" طارق کا لہجہ سخت ہوا۔

"آج میں کہہ رہا ہوں کل زمانہ کہے گا کس کس کا منہ بند کرو گے؟"

"یہ باتیں تم مجھ سے نہیں اپنے ماں باپ سے کہو۔" طارق نے رکھائی سے کہا۔

"کہہ سکتا تھا۔ بہت پہلے کہہ سکتا تھا لیکن ہر بار تم... طارق تم سامنے آجاتے تھے۔ اب بھگت رہے ہو ناں... فرماں برداریوں کا صلہ۔" ولید نے اس پہ گہری

چوٹ کی۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے۔ نقصان میرا ہی ہے ناں۔ تم جا کر اپنا کام کرو اور آئندہ میرے معاملات میں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"یہ معاملات صرف تمہارے یا میرے نہیں ہیں ہم سب کے معاملات ہیں۔ سب ہی کے والدین پالتے پوستے ہیں مگر جوان ہو جانے پہ اس کا معاوضہ نہیں لیتے۔ پہلے ان لوگوں نے دل آویز کی زندگی برباد کی۔ پھر تمہاری اور حور کی۔"

"اوہ تو تمہیں یہ فکر ہو رہی ہے کہ اب تمہارا نمبر آنے والا ہے۔" طارق کے لبوں پہ طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

اس سے پہلے ولید کوئی جواب دیتا کہ دائیں جانب سے کھٹر پٹر... کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا۔ ملازمین کی گھر میں چہل پہل شروع ہو چکی تھی۔

"کیوں ملازموں کو بھی تماشا دکھا رہے ہو۔ اپنے کمرے میں نہیں جاتے تو میرے ہی کمرے میں آجاؤ۔"

طارق چپ چاپ اٹھ کر ولید کے پیچھے چل دیا۔

☼ ☼ ☼

"اب تمہیں اپنے کمرے میں جانا ہے یا میرے کمرے میں؟" ولید سیڑھیوں کے قریب رک گیا۔ کیونکہ طارق کا کمرہ اوپر تھا اور ولید کا نیچے۔ طارق چپ چاپ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ حور بیڈ پہ بے خبر سو رہی تھی۔ اس کا سنگھار بدستور تھا۔ ظاہر ہے رات بھر اس نے انتظار میں گزاری ہوگی۔ اسے حور سے کوفت محسوس ہونے لگی۔

وہ اتنی ناسمجھ جلد باز اور منہ پھٹ لڑکی تھی کہ وہ اسے اپنا کوئی بھی مسئلہ بتانے کے قابل نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اس پر اعتبار نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اسے کیسے بتاتا کہ اس کی ماں شروع سے ہی اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ ماں ہی کیا بہنیں بھی اسے اس قابل نہیں سمجھتی

تھیں کہ وہ اس گھر میں بہو بن کر آئے۔

ان کے نزدیک وہ نہایت طرار اور چلتر تھی، سوتیلی ماں کو اس نے ناکوں چنے چبوا رکھے تھے۔ وہ سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ بچپن میں ہی ماں مر گئی تھی۔ اسی لیے دوسرے لوگوں کے بے جا لاڈ پیار نے اسے خود سر اور ضدی بنا دیا تھا۔ اتنا خود سر اور نڈر کہ وہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔

اور وہ خود بھی اس کی ان ساری خوبیوں سے واقف تھا۔ اس کی ماں چاہتی تھیں کہ وہ اپنی بھتیجی اصباح کو لے کر آئیں لیکن اسے اصباح سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ بچپن سے ہی اس کا رجحان ددھیال کی طرف زیادہ تھا۔ ظاہر ہے سب سے بڑا پوتا تھا۔ دادا دادی کی توجہ اور محبتوں کا مرکز بنا رہا۔ البتہ دل آویز ماں کے ہمراہ جایا کرتی تھی۔ پھر اس نے بھی آنا جانا کم کر دیا۔ ان ہی کی دیکھا دیکھی باقی بہن بھائیوں کا رجحان بھی ننھیال کی طرف نہ ہو سکا۔ عید تہوار پہ بھی دلشاد بیگم کو اپنے بھائیوں کے گھر اکیلے جانا پڑتا۔

اس چیز پہ بھی گھر میں خاصی لے دے ہوا کرتی تھی دلشاد بیگم ابراہیم صاحب کو ہی اس کے لیے مورد الزام ٹھہراتیں کہ بچے ان کے منع کرنے کی وجہ سے ننھیال نہیں جاتے۔ مگر پتا چل گیا وقت کے ساتھ ساتھ انہیں اس کی وجہ ان کے بھائیوں کے گھر کا ماحول ہے۔

ابراہیم صاحب نے بچوں کی بہت آزاد ماحول میں پرورش کی تھی۔ جبکہ ان کے بھائیوں کے گھروں کا ماحول ابھی بھی روایتی تھا ______ پھر دلشاد بیگم نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ طارق یہ تک نہیں جانتا تھا کہ اس کے تین ماموؤں کی کتنی اولادیں ہیں اور اصباح کون سے ماموں کی صاحبزادی ہیں۔ ہاں دلشاد بیگم اصباح کے قصیدے پڑھتی رہتیں۔ اکثر جب یہ موضوع زیر بحث ہوتا تو ابراہیم صاحب ہنس پڑتے۔

"تم اصباح کو ولید سے بیاہ کر لے آؤ۔ میں قطعاً اعتراض نہیں کروں گا لیکن طارق کی شادی حور سے ہی ہو گی کیونکہ یہ اماں جی کی خواہش تھی۔"

www.pkdigest.com

اس بات پہ دلشاد بیگم تپنچا ہو جاتیں۔

"ولید اس قابل نہیں ہے جو میری معصوم اور بے زبان بھتیجی کا جیون ساتھی بنے۔ اگر تم نے اپنی ماں کا وعدہ نبھانا ہے تو تم ولید سے اپنا ارمان پورا کرلو تمہارے لیے تو دونوں بیٹے برابر ہیں۔"

"میں یہ بھی کر دیتا۔ اگر اماں جی طارق کا نام نہ لیتیں۔" ابراہیم صاحب بے بس ہو جاتے۔

"اولاد میری' اور فیصلے تمہاری ماں کریں گی؟ طارق میرا بیٹا ہے۔ میں جو چاہوں گی وہی ہوگا۔ وہ چڑیل میرے گھر میں ہرگز نہیں آئے گی۔ میرا ہیرے جیسا بیٹا اس چلتر لڑکی کے لیے ہے۔"

"وہ بھی تمہاری بیٹیوں جیسی ہے دلشاد!"

"میری بیٹیوں جیسی مت کہنا اسے۔ سارے خاندان میں اپنے رشتے کی بات اپنے منہ سے پھیلا رکھی ہے اس نے۔ اتنی سی تو شرم نہیں اس میں۔ کر رہے ہیں میری بیٹیوں سے مقابلہ۔"

"مانتا ہوں وہ لڑکی ذرا بولڈ ہے۔"

"بولڈ نہیں۔ بے حیا' بے غیرت۔۔۔!" دلشاد نے جی بھر کر بھڑاس نکالی۔

"یہاں آکر اپنی عادتیں بدل لے گی۔ جیسا تم چاہو گی ویسی میں ہو جائے گی۔"

"میں نے یہاں کوئی اسکول نہیں کھولا ہوا کہ اس کی تربیت کروں گی۔ کہاں گئے تمہاری ماں کے وہ آورش' ادب' تہذیب' طور طریقے' سلیقے۔ میں جب بیاہ کر آئی تھی۔ تو کیا کہتی تھیں وہ۔ مجھے اٹھنے بیٹھنے کی بھی تمیز نہیں۔ میں ان کے سامنے بولتے ہوئے ڈرتی تھی۔ کہیں وہ کوئی لفظ نہ پکڑ لیں۔ کبھی میرے ہاتھ کا کھانا پسند نہیں کیا تمہاری ماں نے۔ کہتی تھیں میرے ہاتھ میں لذت نہیں۔ بڑے بادشاہی کھانے بنتے تھے تمہارے گھر میں میں تو جیسے کسی گرے پڑے گھر سے آئی تھی۔ کہاں دیکھی تھی میں نے ایسی آن بان۔ مگر پھر بھی چپ رہتی تھی۔ تین چار سال تک بچے نہیں ہوئے تو اس کے لیے مجھے دوش دیا گیا کہ میں تم سے عمر میں بڑی ہوں۔ اس لیے مجھے اولاد نہیں ہو گی۔ یاد ہے تمہیں وہ وقت کہ تمہاری دوسری شادی کا پکا ارادہ کرلیا تھا تمہارے گھر والوں نے اور مجھے اٹھا کر میرے باپ کے گھر پھینک دیا تھا۔"

"یہ تم غلط تہمت لگاتی ہو۔ میری ماں نے کبھی تمہیں تمہارے میکے نہیں بھجوایا۔ تم خود ہی یہاں رہنے سے ہچکچاتی تھیں۔ آئے دن تمہارے بھائی تمہیں لینے آجاتے تھے۔ اماں جی تمہارے میکے جانے پر پابندی کبھی نہیں لگائی۔"

"کیوں لگاتیں وہ پابندی۔ وہ تو چاہتی ہی یہی تھیں کہ میں اپنے میکے میں پڑی رہوں۔ اور ان کے چہیتے بیٹے سے دور رہوں۔ کب آنے دیتی تھیں وہ گھر میں۔ نندوں کا الگ پہرہ رہتا تھا مجھ پر اور یہ ندرت کا اس کی بیٹی کو اپنی بہو بناؤں گی میں؟ کیا کیا نہیں بوئے اس نے میرے لیے۔ کیسے باتیں بناتی تھی مجھ پہ۔۔۔ آخر کیا کمی تھی مجھ میں؟"

"یہ سب تمہاری غلط فہمیاں ہیں دلشاد۔ میں ساری عمر بھی تمہیں یقین دلاتا رہوں تب بھی تم میری بات پہ یقین نہیں کرو گی۔"

"ٹھیک ہے میں یقین نہیں کروں گی لیکن تم بھی مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔ سال کے ساتھ میرا جو وقت گزرا ہے بڑا کٹھن وقت تھا۔ ٹھیک ٹھاک نظر انداز ہو کر وہی رہوں میں۔"

"اس میں تمہاری اپنی بھی کمزوریاں تھی دلشاد۔" ابراہیم صاحب کہتے کہتے رک گئے۔

"ہم اپنے ماضی کو بھولیں گے تو بچوں کے مستقل کے صحیح فیصلے کر سکیں گے۔" وہ عاجز ہوئے۔

"یہ بات تمہارے ماں باپ نے تو نہیں سوچی۔ اور خاص طور پر اماں جی نے۔ جب انہیں معلوم تھا کہ وہ اپنی چہیتی نواسی کو طارق سے دینا چاہتی ہیں تو اس کی تربیت اچھی کیوں نہیں کی۔ کیوں اسے بے مہار چھوڑ دیا۔ میری زندگی کو اجیرن کرنے کے لیے اتنا بیر تھا تمہاری ماں کو مجھ سے کہ جاتے جاتے بھی ایک عذاب مسلط کر گئی مجھ پہ۔ مگر وہ مر چکی ہے۔ اور میں زندہ ہوں۔۔۔ ہو گا وہی جو میں چاہوں گی۔ دل آویز اور

www.pkdigest.com

دلنشین نے کہہ دیا ہے کہ اگر بابا اپنی ضد پہ قائم رہے تو وہ طارق کی بارات میں ہی نہیں جائیں گی۔"

"اُف۔۔۔" طارق کو گہرا جھٹکا لگا اور اس نے سر صوفے کی پشت سے لگا لیا۔

"میں پھنس گیا ہوں اور اس کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ یہ کہ حور میری ماں، بہنوں کی عزت کرے ان کے دل جیتنے کی کوشش کرے لیکن حور۔۔۔ کیا وہ ایسا کر پائے گی؟"

طارق نے بے یقینی سے حور کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی بے خبر سو رہی تھی۔ وہ اس کے قریب چلا گیا۔ شاکنگ پنک کامدانی لہنگے میں ہم رنگ جیولری اور میک اپ میں وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ اتنی حسین کہ طارق کے دل کو کچھ ہونے لگا۔

اس نے جھجکتے۔۔۔ ہوئے ہاتھ حور کی طرف بڑھایا اور آہستہ سے اس کا آویزہ درست کیا جو مڑ کر اس کی گردن کو گھائل کر رہا تھا۔ تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ آنکھوں سے دیکھا۔ وہ اس پہ جھکا کھڑا تھا۔ حور کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ سمجھی کہ شاید خواب ہے۔ وہ طارق کی طرف بے یقینی سے دیکھتی رہی۔ وہ اس خواب سے جاگنا نہیں چاہتی تھی۔ تب ہی طارق کو بولنا پڑا۔

"صبح ہو گئی ہے۔ تم فریش ہو جاؤ۔ میں نے تم سے ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

طارق کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو وہ یقین و بے یقینی کی حالت میں ذرا سا اٹھ بیٹھی۔

طارق سست روی سے قدم اٹھاتا سامنے صوفے پہ جا بیٹھا۔

طارق دانستہ اس کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ اچانک جو اس کی نگاہ اٹھی تو وفورِ شوق سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طارق کو اس کی دیوانگی کا بخوبی اندازہ تھا۔ اسے دل ہی دل میں ندامت سی ہوئی۔ لیکن وہ اپنی ندامت اس پہ واضح نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میرا خیال ہے اب تک تمہیں یقین آ جانا چاہیے کہ میں کمرے میں موجود ہوں۔"

طارق نے اس کی بے یقینی کو نوٹ کر لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ روبوٹ کی طرح شرمندہ ہو کر اٹھ جائے گی لیکن وہ اپنے آویزے اتارتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"میری ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آنکھ لگی تھی۔ نیند کی وجہ سے اب بھی سر میں درد ہو رہا ہے۔"

"تو کیا ضرورت تھی اٹھنے کی؟" طارق نے نظریں چرا کر کہا۔

حور نے بڑے تحیر سے طارق کی طرف دیکھا اور دوسرے ہی پل اپنی جیولری اتارتے ہوئے ترش لہجے میں بولی۔

"اگر کوئی مجھے آ کر بتا دیتا کہ تمہاری چھٹی ہے تو میں تمہارا انتظار نہ کرتی اور سو جاتی۔" اس کی کھلبلی بات پہ طارق کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے بمشکل خود کو کنٹرول کیا۔

"تمہیں یہ سب کس نے بتایا؟" وہ اٹھ کر بستر کے قریب آ گیا۔

"سردیوں کی راتوں میں سناٹا بہت ہوتا ہے۔ اسی لیے رات کے پچھلے پہر سب کچھ صاف سنائی دے رہا تھا۔" طارق نے ایک گہرا سانس لیا۔

"اس کا مطلب ہے تم سب کچھ سن چکی ہو۔ تو تمہیں اندازہ ہو گیا ہو گا کہ معاملہ کیا ہے۔ اس لیے اب مجھے تمہید باندھنے کی ضرورت تو ہے نہیں۔ تم خود بھی سمجھ دار ہو۔"

"میں۔۔۔ اور سمجھ دار!" حور نے اچنبھے سے طارق کی طرف دیکھا۔

"مجھ سے زیادہ تو تم سمجھ دار تھے۔ اگر معاملات اتنے ہی پیچیدہ تھے تو میری زندگی کیوں برباد کی۔۔۔؟"

"تمہاری زندگی۔۔۔ میں نے۔۔۔ یا میرے گھر کے کسی فرد نے برباد نہیں کی۔ یہ فیصلہ پھوپھو کے مرنے کے بعد دادو نے کیا تھا اور تم جی جان سے اس فیصلے پہ رضامند بھی دکھائی دیتی تھیں۔" طارق کا لہجہ خود بخود طنزیہ ہو گیا۔

حور نے سلگتی نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھا۔ تو کیا اس کی مرضی شامل نہیں تھی اس فیصلے میں؟۔

حور اپنی جیولری اتار چکی تھی۔ اس نے اپنے بالوں کو پنوں سے آزاد کیا۔ بھاری دوپٹہ بیڈ پہ پھینکا اور ہلکے پھلکے کپڑوں کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ گویا اس نے طارق کی بات کو اہمیت ہی نہ دی ہو۔

"یہاں میرے کپڑے نہیں ہیں۔ وارڈ روب ساری خالی پڑی ہوئی ہیں۔"

"تمہارا سب سامان نیچے اسٹور میں پڑا ہوا ہے۔"

"اور تمہارے گھر کے کپڑے یعنی میری بری کے کپڑے، وہ کہاں ہیں۔۔۔؟" حور، طارق کے سامنے کھڑی تھی۔

"وہ بھی وہیں ہوں گے۔" طارق اس کے وجود سے پھوٹتی خوشبو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"تو میں یہاں کیوں ہوں؟ مجھے بھی اسٹور میں ہی ڈال دیتے۔" اس نے تنک کر کہا۔

"نخرے تو تم اس طرح دکھا رہی ہو۔ جیسے میں لا کر دوں گا تمہیں سب چیزیں۔ پہلے سامان نہیں بھجوا سکتے تھے تم لوگ۔" طارق نے جھنجلاتے ہوئے اسے ٹوکا۔

"میں جہیز کے کپڑے نہیں مانگ رہی۔ مجھے بری کا سوٹ چاہیے۔ کیونکہ اب میں تمہارے گھر میں آ چکی ہوں اور اب تمہارے ہی کپڑے پہنوں گی۔ میری بلا سے ساری عمر میرا جہیز اسٹور میں پڑا رہے۔"

اس کی ہٹ دھرمی پہ طارق کے چہرے سے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"حور العین۔۔۔! تم اس طرح اس گھر میں زندگی نہیں گزار سکتیں۔ تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔ اپنے اندر صبر و برداشت پیدا کرنا ہو گی۔ ورنہ تم ایک پل بھی یہاں نہیں رہ سکو گی۔"

"میں کسی بھی طرح کا لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔" اس کا انداز قطعی تھا۔ "مجھے فی الحال اس بوجھ سے نجات پانی ہے۔"

طارق نے ایک اچٹتی سی نگاہ اس کے سراپے پہ ڈالی اور کمرے سے نکل گیا۔

یہ ظلم نہیں تو کیا تھا۔ اس کے کمرے میں کوئی ضروری چیزیں بھی رکھنے والا نہیں تھا۔ حالانکہ اس نے تو ہمیشہ ہی بہنوں سے محبت کی تھی۔ اور ان کا مان رکھا تھا۔ دل آویز کم از کم اتنا تو کر سکتی تھی۔ دو چار کپڑے، تولیہ، یہ سب چیزیں اب وہ خود لے کر جا رہا تھا۔ اسٹور میں بمشکل سوٹ کیس ڈھونڈ کر اس میں سے کپڑے نکالے اور کمرے میں لے آیا۔ کمرے میں آیا تو محترمہ، واش روم میں جا چکی تھیں۔

"کمال ڈھٹائی ہے۔ اپنے کپڑے تو لے جاتی۔" طارق نے سارے کپڑے بیڈ پر پٹخ دیے۔ ابھی تک گھر کا کوئی فرد نہیں جاگا تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ اسٹور بھی اس کے کمرے کے نزدیک ہی تھا۔ اگر اسے نیچے سے یہ سب کچھ لانا پڑتا تو کتنی سبکی محسوس ہوتی۔

ابھی وہ اپنی سوچوں میں ہی الجھا ہوا تھا کہ وہ واش روم سے نکل آئی۔ طارق اس کا حلیہ دیکھ کر اچھل پڑا۔ وہ اس کے قمیص شلوار میں ملبوس تھی۔ قمیص پیروں کو چھو رہی تھی اور شلوار یقیناً اس نے اڑس رکھی تھی۔ آستینیں اس نے فولڈ کر لی تھیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال جھٹکنے لگی۔ پانی کی بوندیں طارق پہ آئیں تو وہ جھنجلا گیا۔

تولیہ واش روم میں موجود تھا۔ جہاں سے یہ کپڑے پہنے تھے تولیہ بھی لے لیا ہوتا۔" وہ جھنجلاتے ہوئے ذرا فاصلے پہ جا کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف تھی۔

"میں نے یہ کپڑے لا دیے ہیں۔ خوامخواہ مولا جٹ بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنا حلیہ درست کر کے اپنے باقی کپڑے خود لا کر وارڈ روب میں سیٹ کر لینا۔ یہاں سب کچھ تمہیں خود کرنا پڑے گا۔ کوئی تمہاری خدمت نہیں کرے گا۔"

وہ سنی ان سنی کیے بال جھٹکتی رہی۔

"کپڑوں کے علاوہ اور بھی دیگر اشیاء وہاں بکھری پڑی ہیں، جا کر سنبھال لینا۔"

وہ بال پشت پر ڈال کر بیڈ کی طرف مڑی اور کپڑے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے ایک سوٹ پسند کر کے اٹھا لیا۔

www.pkdigest.com

"پھر تو پریس بھی نہیں ہے.... کیا میں اسے ایسے پہنوں گی؟"

"تو تمہیں یہاں کون دیکھ رہا ہے۔ اگر بغیر استری کے پہن لوگی کون سی قیامت آجائے گی۔"

حور نے تیکھے انداز میں اس کی طرف دیکھا۔

"میں خود کو اچھی لگتی ہوں۔ میرے لیے یہی بہت ہے۔ میں بغیر استری کے کپڑے نہیں پہنتی۔ یا تو مجھے یہ پریس کرکے لاکر دو۔ یا مجھے استری لادو۔ میں خود پریس کرلوں گی۔"

"واٹ نان سینس! تم اتنی کم عقل ضدی اور بے وقوف ہو۔ تمہارے اندر ذرا سی بھی انا ہوتی تو تم ضرور یہ سوچتیں کہ جن لوگوں نے رات سے میرے ساتھ یہ سلوک روا رکھا ہے۔ میں بھلا ان سے کیا مانگوں اور کیوں مانگوں؟ لیکن تمہیں تو جیسے پروا ہی نہیں ہے۔ کہ کیا ہورہا ہے اور کیوں ہورہا ہے۔ بس خوشی ہے تو اس بات کی کہ تم اس گھر میں دلہن بن کر آگئی ہو۔ اتنی بچکانہ سوچ ہے تمہاری بھلا کیا ساتھ دے سکوگی تم میرا....."

حور خاموشی سے اس کے بگڑتے اکھڑتے انداز دیکھتی رہی۔ جب وہ خاموش ہوگیا تو وہ سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مائنڈ اٹ۔ یہ سب مسائل تمہارے ہیں۔ میرے نہیں۔ کیا ہورہا ہے اور کیوں ہورہا ہے۔ یہ سب تمہیں سوچنا چاہیے مجھے نہیں۔ مجھے تو یہ سوچنا ہے کہ میری زندگی سے کیونکر کھیلا جارہا ہے اور ایک بات اور مجھے اس گھر کی بہو بننے کا کوئی ارمان نہیں تھا۔ میں نے بھی نانو کا وعدہ نبھایا ہے۔"

"دلف!" طارق نے تمسخر سے کہا۔ "کم از کم میں اس بات کی سچائی پہ اعتبار نہیں لاسکتا۔ تم نے تو کھلم کھلا اظہار عشق کیا ہے مجھ سے۔ بارہا۔ مجھ سے پوچھا ہے۔ میں تمہیں پسند ہوں یا نہیں۔"

"تو پھر بتا دیتے۔ کیوں نہیں پھوٹے تھے۔" وہ گویا چلا پڑی۔ اور طارق لاجواب سا ہوگیا۔

"میں یہاں بھاگ کر نہیں آئی ہوں جو یہ سب کچھ سہوں گی۔ میں یہاں کسی سے نہیں دبوں گی۔ چاہے وہ تم ہو یا تمہاری ماں۔ اپنی سب خوش فہمیاں دل سے نکال دینا۔"

طارق کو بخوبی اندازہ تھا کہ اس کے پاس سے ایسے ہی فرمان جاری ہوسکتے ہیں۔ نہ صرف فرمان بلکہ وہ عمل بھی کرکے دکھا سکتی تھی۔

"تم اس طرح خود اپنی زندگی کو جہنم بنالوگی۔" طارق نے اسے تنبیہہ کی۔

حور اس کی طرف دیکھ کر طنزیہ مسکرائی اور کپڑے لے کر واش روم میں جاتے ہوئے بولی۔

"یہ میری زندگی ہے تم اپنی فکر کرو۔" اس کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوگیا۔ طارق سر پکڑ کر بیٹھ چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کے سارے ملازم ایک ہی جگہ جتے ہوئے تھے۔ وہ جگہ کون سی تھی کسی کو پتا نہیں تھا۔ سوائے حور العین کے۔ دن کے بارہ بجے جب دلشاد بیگم سو کر اٹھیں تو گھر میں ہلکا ہلکا سا شور سنائی دے رہا تھا۔ انہوں نے ملازموں کو آوازیں دیں، تو باری باری سب ملازم ان کے سامنے جمع ہوگئے۔

"یہ تم سب لوگ صبح صبح کیسا ہنگامہ کررہے ہو۔ حالانکہ تمہیں پتا بھی ہے کہ ہم لوگ رات دیر سے سوئے تھے۔"

"جی بیگم صاحب.... لیکن.... ہم بھی کام ہی کررہے تھے۔" دلہن بیگم نے کہا تھا کہ اسٹور سے ضروری سامان ان کے کمرے میں پہنچادیں۔ رات تو جیسے جہیز آیا ویسے ہی ڈالتے رہے تھے لیکن اب ترتیب سے جمانے میں وقت تو لگتا ہے نا!"

"جہ.... یز....!" دلشاد بیگم نے جل کر دہرایا۔

"آخر ایسا بھی کیا جہیز تھا جو ساری رات سے اب تک سیٹ ہی نہیں ہوا اور تم سب لوگ فارغ تھے جو ایک ہی کام میں جت گئے۔ جس کا جہیز ہے وہ خود سیٹ کرلے گی۔ میرے سر میں شدید درد ہورہا ہے۔ مجھے ایک کپ کافی بنا کر دو۔"

www.pkdigest.com

خانساماں کافی بنانے چلا گیا۔ چوکیدار گیٹ پہ چلا گیا اور چوکیدار کی بیوی زرینہ روز مرہ کی صفائی کرنے میں مصروف ہوگئی۔ دلشاد ڈرائنگ روم میں اخبار لے کر بیٹھ گئیں۔

ابھی خانساماں کچن میں گیا ہی تھا کہ کانچ کا برتن گرنے کی زوردار آواز آئی۔

"صبح ہی صبح کردیا نقصان!" دلشاد اخبار کی ہیڈ لائنز دیکھتے ہوئے ناگواری سے بولیں تو خانساماں بوکھلاتے ہوئے کچن سے باہر آگیا۔

"بیگم صاحب۔ یہ میں نہیں۔ دلہن بیگم ہیں۔"

"دلہن.... بیگم....!" دلشاد بیگم کو زبردست جھٹکا لگا۔

"جی بیگم صاحب۔ دلہن بیگم ناشتہ بنارہی ہیں۔ ان ہی سے ٹوٹا ہے یہ گلاس۔"

حور کی اتنی دخل اندازی پہ انہیں تو پتنگے لگ گئے۔ وہ اخبار میز پر پٹخ کر کھڑی ہوگئیں اور تن فن کرتی کچن میں جا پہنچیں۔ حور اطمینان سے بیٹھی ناشتہ کررہی تھی۔ انہیں دیکھ کر وہ کرسی سے اٹھ گئی اور کچھ جھجکتے ہوئے سلام کیا۔ جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔

"ممانی جان! آئیے نا۔ بیٹھیے۔ ناشتا کیجیے وہ دراصل طارق نے کہا تھا کہ مجھے اپنے سارے کام خود کرنا ہوں گے۔ یہاں کسی کے لیے کچھ کرنے کا رواج نہیں ہے اور جب انہوں نے کہا کہ تمہیں اپنا ناشتا خود بنانا پڑے تو مجھے پہلے تو عجیب لگا۔ پھر میں نے سوچا یہ گھر میرے لیے کون سا اجنبی ہے۔ اپنا ہی گھر ہے ماموں کا گھر اپنا ہی ہوا نا۔ پہلے بھی تو میں یہاں آتی تھی اور ہر چیز سے واقف بھی تھی سو۔" یہ کہتے ہوئے حور نے کاندھے اچکائے۔

"ایک ہی رات میں طارق اتنا بدل گیا کہ اپنے گھر کے متعلق کہنے لگا کہ یہاں کوئی کسی کے لیے کچھ نہیں کرتا۔ وہ یہ بھی تو کہہ سکتا تھا کہ یہاں اس کے ناز نخرے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ یہ طارق کا ہی دیا گیا اعتماد ہے جو یہ میرے سامنے اس طرح کھڑی ہے۔" دل ہی دل میں سوچتے ہوئے انہوں نے تیز چبھتی نگاہوں سے سر تاپا اسے گھورا اور کچن سے باہر آگئیں۔

ان کے کچن سے نکل جانے کے بعد حور نے دل ہی دل میں سوچا کہ وہ ناشتہ ہی بنا کر لے جائے۔ وہ سوچتے ہوئے چائے کے سپ لینے لگی۔ تب ہی خانساماں کچن میں دوبارہ آگیا۔

"خان بابا! کیا آپ ممانی کے لیے ناشتہ بنارہے ہیں۔ مجھے بتادیں میں بنادیتی ہوں۔"

"بڑی بیگم صاحب.... صبح صرف کافی پیتی ہیں یا پھر جوس لیتی ہیں۔ فی الحال ان کا آرڈر یہ ہے کہ آپ کچن سے نکل جائیں تو تب میں ان کے لیے کافی بناؤں۔" خان بابا نے ہوئے حور کو بتایا تھا۔

"کیوں.... میں کیا ان کی کافی کو نظر لگادوں گی؟" وہ استہزائیہ مسکرائی۔ "خیر میں ناشتہ کرچکی ہوں۔ میں نے بھی اخلاقاً" پوچھا تھا۔ میں کون سا ان کی خدمتیں کرنے کے لیے بے چین ہورہی ہوں۔"

اس نے بھی خان بابا کو رازداری سے بتایا اور کچن سے نکل گئی۔

حور کھٹا کھٹ کرتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دلشاد کو اس کی بجتی ہیل ہتھوڑے کی مانند لگی۔ ایسا ہتھوڑا جو ان کے ماضی کے در کھول رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

کتنے دن تک تو اسے یہی نہیں پتا تھا کہ اس گھر میں کتنے کمرے ہیں اور کچن کہاں ہے۔

اماں جی خود ہی ناشتا بناتی تھیں اور اپنے بچوں کو خود کرواتی تھیں۔ ندرت اور مدحت کالج جاتی تھیں اور شائستہ کی شادی ہوچکی تھی۔ ابراہیم ماں کے پاس ہی ناشتہ کرتا تھا۔ عادل اور عزت اسکول جاتے تھے۔ شروع کے چند ماہ تو ایسے ہی گزر گئے تھے۔ ندرت اور مدحت کالج سے آجاتیں تو پھر اماں جی کے ساتھ کاموں میں لگ جایا کرتیں۔

ایک روز ابراہیم صاحب نے اسے ٹوکا۔

"میں تو کام کرنا چاہتی ہوں۔ پر اماں جی اور آپ کی

بنتیں۔ ہر بار یہ کہہ کر انکار کردیتی ہیں کہ پہلے میٹھے کو ہاتھ لگوائیں گے پھر کچھ اور کرنے دیا جائے گا۔"

"آخر سال ہونے کو ہے۔ کب تم میٹھے میں ہاتھ لگاؤ گی۔ میں آج ہی اماں جی سے بات کرتا ہوں۔"

پھر ابراہیم نے اماں جی سے بات کی اور یوں اس نے بھی جی جان سے کھیر پکائی۔ لیکن جب وہ کھیر گھوٹ رہی تھی تو اماں جی کے چہرے پہ عجیب سی ناگواری تھی۔ پھر کھیر پکنے کے بعد سب ہی نے کھائی۔ نہیں چکھی تو فقط اماں جی نے.... انہوں نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کردیا تھا۔

دلشاد کو وہ خود پسند کرکے لائی تھیں۔ خاندانی لوگ تھے۔ مگر انہیں کیا پتا تھا کہ لڑکی الٹے ہاتھ سے کھانا بناتی ہے اور الٹے ہاتھ سے ہی کھاتی ہے۔ اماں جی کو تو سوچ سوچ کر کراہیت آرہی تھی۔ ان کی پاکیزہ اور نفیس طبیعت نئی نویلی بہو کی طرف سے مکدر ہو چکی تھی۔ اس پہ طرہ یہ کہ دلشاد کام بھی سستی سے کرتی تھی۔ جس کام میں لگ جاتی پورا دن وہیں لگا دیتی۔

ایک روز دلشاد کچن میں کھانا پکا رہی تھی۔ اس کی سسرالی رشتے دار خواتین اماں جی کے پاس بیٹھی تھیں۔ دلہن سے ملنے کے لیے کچن میں آئیں تو دیکھ کر چھی چھی کرنے لگیں۔

"اے بی بی! تمہارے سیدھے ہاتھ میں کوئی تکلیف ہے کیا جو تم الٹے ہاتھ سے روٹیاں ڈال رہی ہو۔؟"

وہ دل ہی دل میں شرمندہ ہوگئی۔ اس نے تو کبھی سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کے الٹے ہاتھ کے استعمال پر اعتراض بھی ہوسکتا ہے۔

بقول اس کی ماں کے بہت سے لوگ الٹے ہاتھ کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ ان خواتین کی موجودگی میں نروس ہونے لگی اور فی الفور اس نے سیدھے ہاتھ سے روٹی ڈالنی چاہی لیکن روٹی کیسے پکتی اس کا اپنا ہاتھ ہی جل گیا۔ گھبراہٹ میں اس نے چولہا بند کردیا۔ پھر دسترخوان لگا بھی مہمان خواتین کے ہمراہ وہ بھی کھانا کھانے بیٹھی اور جب اس نے الٹے ہاتھ سے کھانا شروع کیا تو اس پہ بھی اعتراض ہوا۔

"زیب النساء.... پہلی بہو لینے چلی تھیں۔ کم از کم یہ تو دیکھ لیتیں کہ وہ بایاں ہاتھ کیوں استعمال کرتی ہے۔ یہ ہاتھ تو نجاست کے لیے ہے اور یہ اس سے کھانا کھا رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے نماز میں تشہد بھی یہ الٹی انگشت سے پڑھتی ہوگی۔ انگشت شہادت کو تو اس نے ناپاک کیا ہوا ہے۔ چھی چھی چھی اس کی تو نماز بھی نہیں ہوتی ہوگی۔ اے بی بی... تمہاری ماں نے بھی روکا نہیں تمہیں۔ کل کلاں کو بچے ہوں گے تو وہ بھی ماں سے یہی عادتیں لیں گے۔ ہمیں تو دلہن تمہاری یہ عادت اچھی نہیں لگی۔"

مارے شرم کے دلشاد کا چہرہ سرخ ہوگیا۔ اب اسے سمجھ میں آیا تھا کہ اماں جی اس کے ہاتھ کا کھانا کیوں نہیں کھاتی تھیں۔ عورتوں کے ہاتھ تو ایک اچھا موضوع آگیا تھا۔ زیب النساء البتہ خاموش تھیں۔

وہ اس معاملے میں کسے مورد الزام ٹھہراتیں۔ کیونکہ بہو تو وہ خود پسند کرکے لائی تھیں۔ دل شاد کی رونے کی کسر باقی تھی جب وہ ان لوگوں کے درمیان سے اٹھ کر اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اس کے بعد تو یہ بات سب کو پتا چل گئی کہ اس وجہ سے اماں جی اس کا کسی چیز میں ہاتھ لگوانا پسند نہیں کرتیں۔

اماں جی نے بھی دلشاد کو اس بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اب اسے کچھ بھی کہنا بے کار تھا۔ اس کی عادت پختہ ہو چکی تھی۔ لہٰذا وہ اپنی بیٹیوں سے ہی سارے کام کروالیتیں۔

ندرت کام کاج میں بہت طاق اور پھرتیلی تھی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اس نے گھرداری بھی سنبھال رکھی تھی۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتی کہ اس کی موجودگی میں اماں جی کچن میں نہ جائیں۔ کیونکہ اماں جی شوگر اور بلڈ پریشر کی مریضہ تھیں اور کام کرتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپتے تھے۔

ندرت کا یہ پھرتیلا پن دلشاد کو بہت کھٹکتا تھا۔ اس کی وجہ سے دلشاد کٹی کٹی رہتی تھی۔ ان ہی حالات کی وجہ

سے اس کا زیادہ وقت میکے میں گزرنے لگا اس دوران ندرت اور مدحت کی شادیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا اور سال بھر میں وہ اپنے گھر بار کی ہوگئیں۔ یہ وہ وقت تھا کہ دلشاد اپنی جگہ بنا لیتی لیکن اپنی جگہ نہ بنا سکی۔ کیونکہ نہ وہ سسرال میں رہتی تھی اور نہ ہی ان کے طور طریقوں سے واقف ہوئی تھی۔ مگر اب مجبوری یہ تھی کہ دلشاد کو ہی کام کرنا تھا اور یہ مجبوری اماں جی کو گوارا نہیں کھاتی تھی۔ عزت اسکول جاتی تھی۔ اماں جی نے اسی پہ انحصار کرنا شروع کردیا تھا۔ وہ اپنا کھانا خود بناتیں۔ ایک دن ان کا ہاتھ جل گیا۔ ندرت سسرال سے آئی تو بہت ناراض ہوئی۔

"گھر میں کام ہی کتنا ہوتا ہے۔ گنتی کے چار افراد ہیں۔ پھر بھی اماں جی کو کام کرنا پڑتا ہے۔"

"تو کس نے کہا ہے اماں جی کام کریں۔ دلشاد تو کرنا چاہتی ہے۔ مگر... اماں جی اس کے ہاتھ کا کام پسند نہیں کرتیں۔" ابراہیم نے دبے دبے انداز میں صورت حال واضح کی۔ حالانکہ اصل بات سے ندرت اور اماں جی دونوں ہی واقف تھیں۔ اماں جی بیٹے کو حمایت کرتا دیکھ کر بھڑک گئیں۔

"میں گھر کے آخری حصے میں بھی نجاست نہیں کھاؤں گی۔ وہ باورچی خانے میں جاتی ہے تو میرا دم گھٹنے لگتا ہے۔ ہر چیز پلید کردی ہے اس نے۔"

ابراہیم نے حمایت طلب نگاہوں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"سوال پاکی ناپاکی کا نہیں ہے۔ سوال ان عادتوں کا ہے جو بھابھی بیگم میں پائی جاتی ہیں۔ دن بھر وہ اپنے کمرے میں رہتی ہیں۔ حالانکہ اماں جی اکیلی ہی ہوتی ہیں۔ دن بھر آنے جانے والوں کا تانتا لگا رہتا ہے۔ آنے جانے والوں کو دیکھنا کیا ملازموں کی ذمہ داری ہے۔ گھر کی بہو کا کوئی فرض نہیں ہوتا؟؟"

ندرت کے الفاظ دلشاد کو تیر کی طرح لگ رہے تھے۔ مگر اس میں اتنا اعتماد نہیں تھا کہ نند کے سامنے کوئی ٹھوس بات کرسکے۔

پیسے کی کمی اس کے ماں باپ کے گھر میں بھی نہیں تھی۔ لیکن بات چیت اٹھنے بیٹھنے، پہننے اوڑھنے میں تہذیب و سلیقہ، برائے نام بھی نہیں تھا۔ جبکہ سسرال میں یہی سب کچھ نمایاں تھا۔ وہ ان چیزوں میں کامیاب تو تب ہوتی جب اسے کوشش کرنے کا موقع ملتا۔

لیکن... ایسا کچھ نہ ہوا۔ الٹا وہ ان حالات کی وجہ سے نفسیاتی دباؤ میں آتی چلی گئی اور سب سے الگ تھلگ سی ہوگئی۔ کیونکہ اماں جی نے اس کا رسوئی میں جانا تو کیا اس کے کھانے پینے کے برتن بھی الگ کردیے تھے۔

یکدم کچھ گرنے کی آواز پہ دلشاد کو جھٹکا سا لگا اور وہ ماضی سے حال میں آگئیں۔

"ایک وہ وقت تھا اور ایک یہ وقت ہے۔" وہ جلتی کڑھتی بڑی بیٹی کے کمرے میں آئیں۔

دل آویز بستر میں پڑی تھی۔ انہیں اچھی طرح پتا تھا وہ جاگ رہی ہے۔

"کب تک یوں لیٹ کر اپنی برباد زندگی کا ماتم کرو گی۔ دیکھو اٹھ کر، ایک رات کی بیاہتا پورے گھر میں کیسے دندناتی پھر رہی ہے۔ اپنا ناشتا تک خود بنا کر کھا کر گئی ہے اور ایک تم ہو.... تین.... تین سال میں تم اپنے لیے ایک کپ چائے کا بھی وہاں نہیں بنا سکیں۔ میں تو اس بالشت بھر کی لڑکی کو دیکھ کر حیران ہوں۔ وہ کس دھڑلے سے اس گھر پہ اپنا حق جما رہی ہے۔"

"کون... ماما؟" دل آویز کسل مندی سے اٹھ بیٹھی۔

"وہی... جسے ہم رات بیاہ کر لائے ہیں۔" دلشاد بیگم نے دانت کچکچائے۔

"اچھا... مگر... اس میں عجیب بھی کیا ہے ماما... آپ کا بیٹا پہلے سے ہی چاہتا تھا اسے اب تو وہ اسے سر پہ بٹھا کر رکھے گا۔"

"اپنے سر پر بٹھا کر رکھے ہمارے سر پہ کیوں بٹھا رہا ہے اسے۔" وہ بے بس دکھائی دے رہی تھیں۔

"ہونہہ! ہمارے سر پہ تو وہ بیٹھ چکی ہے۔ کیا حیثیت ہے ہماری۔ مرضی نہ ہونے کے باوجود بھی ہم اسے بیاہ لائے۔"

www.pkdigest.com

"آپ لوگ کمپرومائز کرلیں اس چڑیل سے... میں تو ہرگز نہیں کروں گی اور اس سے کہہ دینا میری نظروں کے سامنے مت آئے۔" دلنشین ... سخت جزبز ہو رہی تھی۔

"ارے بھئی... تم لوگ ابھی تک بستروں میں ہی پڑی ہو۔ شام کو ولیمہ میں جانے کی تیاری نہیں کرنا؟" ابراہیم صاحب نے بیوی اور بیٹیوں کی طرف دیکھتے ہوئے مصالحانہ انداز میں پوچھا تھا۔ تینوں چپ ہو گئیں۔

"میرا خیال ہے یہ لوگ ولیمہ میں جانا پسند نہیں کریں گی۔" ولید نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو دلنشیں طیش میں آگئی۔

"تم کون ہوتے ہو۔ ہمارے معاملات میں دخل اندازی کرنے والے۔ ہیں؟"

"میں اس گھر کا فرزند ہوں مائی ڈیئر سسٹر...!" ولید نے گویا اس کا مذاق اڑایا۔

"ایسے ہوتے ہیں بھائی... اتنا بھی ہوش نہیں تھا رات تمہیں کہ کتنے معزز لوگ آئے ہوئے تھے اور تم تھے کہ جوکر بنے ہوئے تھے۔ میری فرینڈز نے اتنا مذاق اڑایا ہے میرا۔"

"سوچنے کی بات ہے۔ اتنی گیدرنگ میں وہ صرف مجھے ہی دیکھ رہی تھیں۔ میرے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں دیکھنے کو؟"

"اتنی گیدرنگ میں اول جلول حرکتیں کرتا ہوا ایک ہی جوکر جو نظر آ رہا تھا۔"

"جوکر نہیں۔ ہیرو کہو۔ چارمنگ پرسنالٹی جو دیکھتا ہے دیکھتا رہ جاتا ہے۔" ولید اترایا۔

"ہونہہ... آئینہ دیکھا ہے کبھی؟" دلنشیں کب باز آنے والی تھی۔

"اچھا اب بس کرو۔ میں تم لوگوں سے یہ کہنے آیا تھا کل رات کی طرح لیٹ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ فنکشن تم لوگوں کا ہے اور میزبان پہلے پہنچتے ہیں۔ ہو سکے تو حورالعین کو بھی جلد تیار کروالینا۔" یہ کہہ کر ابراہیم صاحب جلدی سے باہر نکل گئے۔

"پاپا! اگر یہ فنکشن میں جائے گا تو پھر میں نہیں جاؤں گی۔ جتنا تماشا اس نے کل رات لگانا تھا لگا لیا۔" دلنشیں تنک کر بولی تو ولید زوردار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"کل سے پہلے تم لوگوں کی یہ ضد تھی کہ حورالعین اگر طارق کی دلہن بنی تو تم بارات میں ہی شامل نہیں ہو گی۔ کل رات وہ گھر میں آ گئی اور باقاعدہ باعزت طریقے سے تم لوگ خود لے کر آئے۔ طارق میرا بھائی ہے میں اس کا ولیمہ ضرور اٹینڈ کروں گا۔ اب تم سوچو کہ تم نے کیا کرنا ہے۔ بائی دا وے میں اس لیے آیا تھا کہ بھابھی کو ولیمہ کے لیے کون تیار کروانے لے جائے گا۔" دلشاد نے حیرت سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"تمہیں اس بات کی فکر کیوں ہے؟"

"تو بھلا... اس بات کی فکر میں نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ رات وہ گھر میں آئی۔ کوئی اس کے استقبال کے لیے موجود نہیں تھا۔ اب بھی کچھ ایسا ہی ڈرامہ ہونے والا ہے کیا؟"

"تو تم لے جاؤ۔ تم ہو ناں۔ اس کے بڑے ہمدرد۔" دل آویز نے جل کر کہا۔

"ٹھیک ہے شام چار بجے میں بھابی کو خود لے جاؤں گا ہاں۔ اگر کسی اور نے چلنا ہو تو تیار رہنا۔ میری گاڑی میں بہت جگہ ہے۔"

"دیکھا ماما آپ نے یک نہ شد دو شد... اکٹھے دو بیٹوں کو پھنسایا ہے اس چڑیل نے۔" دلنشیں نے ولید کے جانے کے بعد ماں کو بھڑکایا۔

"ہونہہ... ابھی تو دیکھنا کیسے کیسے چاند چڑھتے ہیں اس گھر میں اور یہ سب آپ کی ڈھیل کا نتیجہ ہو گا۔" دل آویز بھی ماں کو کچھ کہنے پہ اکسا رہی تھی۔ جو دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اتنے دلچسپ انسان ہو گے۔ میں حیران ہوں۔ اس سے پہلے میں نے تم سے بات کیوں نہیں کی۔ حالانکہ بچپن سے میرا

ماموں کے ہاں آنا جانا تھا۔ تم کہیں نظر ہی نہیں آتے تھے مجھے۔"

"اصل میں بھابی جان! بات یہ ہے کہ آپ کو طارق سے ہی فرصت نہیں ہوتی تھی تو آپ ہمیں کیا دیکھتیں۔"

دلہن بنی حور جھینپ گئی۔ "نہیں اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میں باقی لوگوں سے بھی بات کرتی تھی اور اکثر ممانی جان کے رویے کو بہت محسوس کرتی تھی۔ کچھ کچھ پراؤڈ سی لگتی تھیں وہ مجھے۔"

"لگتی تھیں نہیں ہیں۔ صحیح تجزیہ کیا آپ نے ان کے بارے میں۔ بائی دا وے طارق کے بارے میں کیا ریمارکس ہیں آپ کے؟"

حور کے چہرے پہ کئی رنگ آ کر گزر گئے اور اس نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔ ولید قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ ارد گرد کھڑی خواتین نے مڑ کر ستائشی انداز میں اسے دیکھا تھا۔ بلیک سوٹ میں ملبوس وہ واقعی پرنس لگ رہا تھا۔ گرین کلر کے کامدانی لہنگا اور بھاری دوپٹے میں حور کسی حور سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"جوڑی تو بہت شان دار ہے۔" یہ ابراہیم صاحب کے کاروباری حلقے کے لوگوں کی بیویاں تھیں۔ جو آپس میں تبادلہ خیال کر رہی تھیں۔

"چلیے آپ جواب نہ دیں لیکن میں آپ کو بتا دوں میرا بھائی نہایت بزدل انسان ہے۔"

"بزدل...!" حور کو جھٹکا لگا۔

"بھئی مصلحت اندیش، دور اندیش، مصلحت کا مفہوم میرے نزدیک سراسر بزدلی ہے اور یہ بزدلی موصوف میں کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔"

"اچھا...!" وہ مسکرا دی۔

"بائی دا وے معیز نظر نہیں آ رہا۔ وہ مزاجا" کیسا ہے؟" حور نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ماما کا چمچہ ہے۔ ہر وقت ماما کے پلو سے بندھا رہتا ہے۔ لگتا ہے طارق کے بعد چہیتے بیٹے کی سیٹ اسے ملے گی۔" جب تک ماما گھر سے نہیں نکلیں گی وہ کیسے یہاں آ سکتا ہے۔ اس کے نمبر نہیں کٹ جائیں گے۔ نمبر بنانے کے چکر میں اپنی شخصیت ہی زنانی کر لی ہے اس نے۔"

"اچھا...!" وہ ذرا کی ذرا حیران ہوئی۔

"ہاں... ہاں... سچ کہہ رہا ہوں۔ آنے والا ہے دیکھ لینا۔ ماما کی تیسری بیٹی ہی لگتا ہے۔" حور بے ساختہ ہنس پڑی۔

"سارے مہمان آ چکے ہیں۔ ماما سے فون کر کے پتا تو کروں ابھی رہی ہیں... یا..." خود کلامی کرتے ہوئے ولید نے موبائل جیب سے نکالا۔

تب ہی سامنے سے ماں اور بہنیں آتی نظر آئی تھیں۔

"لو بھئی۔ آپ کی ساس نندیں آ گئی ہیں۔ اب ان کے ساتھ انجوائے کرنا۔ میں ذرا اپنی گرل فرینڈ سے گپ شپ لگاؤں۔"

یہ کہتے ہی دوسرے پل وہ فون پہ مصروف ہو گیا۔

"تم اسے لے کر یہاں آ گئے۔ تمہیں اتنا پتا نہیں تھا کہ ہم لوگ تمہارا انتظار گھر پر کر رہے تھے۔" دلشاد بیگم اسٹیج پر پہنچ چکی تھیں اور سخت برہم دکھائی دے رہی تھیں۔

"گھر پہ ولیمہ ہو رہا تھا کیا؟" ولید نے ایک کان سے سنی اور دوسرے سے اڑائی۔

"زیورات دینے تھے اسے اور یہ... یہ پہن کر بیٹھی ہے یہاں۔ اسے تمیز نہیں تھی کہ اتنے مہنگے لباس پہ... یہ تولے ماشے کی چیزیں نہیں جچتیں۔" دلشاد نے اس کے میکے کے زیورات پہ طنز کیا۔ حور پہلو بدل کر رہ گئی۔

"اتنے بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے ہیں۔ کیا کہیں گے سیٹھ ابراہیم کی بہو نے فقط دو چار تولے سونا پہن رکھا تھا۔ ناک کٹوا کر رکھ دی ہے ہماری۔"

"اس میں اتنا واویلا کرنے والی کون سی بات ہے۔ اپنے ساتھ لے آتیں۔ اب پہن لیتی۔" ولید بے حد لاپروا نظر آ رہا تھا۔

جبکہ حور سوچ رہی تھی "کل تو آپ کی ناک نہیں کٹی۔ کل بھی تو میں یہی پہن کر رخصت ہو کر آئی

www.pkdigest.com

تھی۔"

"ہم اس کے ملازم نہیں تھے۔ جو یہاں لے کر آتے اور اسے پہناتے۔ جب اس میں خود ہی سلیقہ شعور نہیں تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اس کی فکر کرتے پھریں۔"

"چھوڑیں نا ماما۔۔۔! چھوٹے گھر کی لڑکی ہے۔ اسے ہمارے اسٹیٹس کا کیوں خیال آنے لگا۔" یہ دل آویز تھی۔

"سنا تھا اس کے منہ میں تو زبان ہی نہیں ہے اور یہ مجھے چھوٹے گھر کا کہہ گئی۔" حور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا رہی تھی۔

"ارے مسز ابراہیم! اتنی دیر سے آپ لوگوں کو تلاش کر رہے تھے اب آئے ہیں آپ لوگ۔۔۔؟"

دلشاد شرمندہ ہو گئیں۔

"دراصل رات جاگنے کی وجہ سے بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا تھا دوا لی ہوئی تھی۔ پھر بھی طبیعت بحال نہیں ہو رہی تھی۔ اب بھی بچیاں ہی کھینچ کھانچ کر لائی ہیں۔ ورنہ میں تو بستر پہ پڑی تھی۔"

"ویسے بہو بہت پیاری لائی ہیں آپ۔" مسز قاسم نے کہا۔

انہوں نے سٹپٹا کر ادھر ادھر دیکھا پھر کہنے لگیں۔

"اللہ کرے سیرت کی بھی پیاری ہی ہو۔"

"مسز ابراہیم! بہو اپنوں سے لائی ہیں یا۔۔۔ غیروں سے۔۔۔؟"

"ابراہیم کے رشتہ داروں میں سے آئی ہے۔ میرے اپنوں میں سے تو ہے نہیں۔ یہ تو برتنے کے بعد ہی پتا لگے گا کہ کیسی ہے۔" انہوں نے ناک چڑھا کر کہا پھر فوراً ہی موڈ بدلتے ہوئے بولیں۔

"میری بیٹیوں سے نہیں ملیں آپ لوگ۔ ارے دل آویز! دلنشیں! آنٹی سے ملو ناں۔" دونوں نے باری باری سلام کیا۔ خواتین کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی۔

"بہت پیاری ہیں آپ کی بیٹیاں۔۔۔ ان میں سے کون سی بڑی ہے اور کون سی چھوٹی؟"

"بس یوں سمجھ لیں۔ دونوں ہی اوپر تلے کی ہیں۔"

دلشاد نے سفید جھوٹ بولا۔

"اس کا مطلب ہے پھر تو شادیاں بھی ان کی ساتھ ہی کریں گی۔" ایک خاتون نے شرارت سے کہا تو دلشاد بیگم خوش دلی سے بولیں۔

"کیوں نہیں۔ بس اچھے رشتے مل جائیں۔"

اتنے بڑے جھوٹ پہ حور کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"ارے مسز ابراہیم! ہم نے تو سنا تھا کہ آپ نے ایک بیٹی کی شادی کر دی ہے۔ جاوید بتا رہے تھے جب سے شادی کی ہے۔ آپ کی بیٹی آپ کے ہاں ہی رہ رہی ہے۔ نہایت ہی نکما اور بد مزاج داماد ملا ہے آپ کو۔ وہ بیٹی ان سے بڑی ہے کیا؟ اسے نہیں لائیں آپ ساتھ۔۔۔؟"

ان کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ بوکھلا گئیں۔

"بس یہ بھی ایک داستان ہے مسز جاوید! پھر کبھی سناؤں گی۔ آئیں ناں۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔"

دلشاد بیگم ساڑھی کا پلو سمیٹتی خواتین کو لے کر اسٹیج سے اتریں اچانک ہی ان کی نگاہ فرح شاہ پہ پڑی۔ ٹاپ اور جینز میں ملبوس وہ باب کٹ بالوں کو لاپروائی سے جھٹکتی بے چین نگاہوں سے کسی کو ڈھونڈ رہی تھی۔ ایک لمحے کو ان کے قدم ڈگمگا گئے۔

"ولید اتنا حد سے تجاوز کر چکا ہے کہ اسے یہاں تک بلا لیا۔"

"مسز جاوید! آپ لوگ چلیں میں ابھی آتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ واپس اسٹیج کی طرف مڑ گئیں۔

"دیکھو، فرح یہاں آئی ہوئی ہے۔ کسی کو جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے اس طرح ملنا ہے جیسے اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور دلنشیں! تم خاص طور پہ یہیں بیٹھی رہو۔ اگر وہ تم سے آ کر خود بولے تو اسے نظر انداز کر دینا۔"

"میں نے کہا تھا ناں ماما۔ یہ ولید ضرور آج بھی کوئی چاند چڑھائے گا۔ ذرہ برابر بھی غیرت نہیں ہے اس میں۔ دیکھ لینا کل سے زیادہ تماشا لگے گا یہاں۔ میں تو

ابھی اور اسی وقت گھر جا رہی ہوں۔"

"فضول جذباتی مت بنو دلنشیں! اس طرح کر کے تم ایک بیچ لڑکی کو اہمیت دے رہی ہو۔ بہت سے اٹھائی گیرے گھس آتے ہیں بنا اجازت۔ اس کا مطلب یہ ہے اپنا فنکشن خراب کر دیا جائے۔"

دل آویز نے بہن کو تنبیہہ کی تو دلشاد بیگم خوش ہو گئیں۔ "شاباش۔۔۔! میں ادھر جا رہی ہوں دل آویز۔۔۔! اسے کنٹرول میں رکھنا" یہ سب باتیں سر جھکائے بیٹھی حور العین با آسانی سن رہی تھی۔

حور العین کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر میں فقط ولید ہے۔ جس کے سامنے یہ لوگ بہت بے بس تھیں۔

"دیکھیں دل آویز آپا! وہ ادھر ہی آ رہی ہے۔" دلنشیں نے بے چینی سے دل آویز سے سرگوشی کی تو دل آویز تلملا گئی اور اسے گھورتے ہوئے بولی۔

"ہزار بار کہا ہے تم سے یہ آپا کی دم مت لگایا کرو میرے ساتھ۔ ماما کو کتنی چڑ ہے اس بات سے۔ اچھی طرح جانتی ہو تم۔"

ان کی گفتگو پہ حور العین نے اپنی ہنسی کو بمشکل کنٹرول کیا۔ دونوں حور العین کے دائیں بائیں بیٹھ گئیں۔

دل آویز نے تنقیدی نگاہوں سے اس کے حسین سراپے کو دیکھا اور سلگتے ہوئے بولی۔

"بڑی خاموش بیٹھی ہو تم۔ حالانکہ سنا ہے تم تو ایک پل بھی چپ نہیں رہ سکتیں۔" دل آویز کے طنز پہ حور سٹپٹائی۔

دلنشیں سے چپ نہ رہا گیا۔

"کمال ہے دل آ! آپ نے دیکھا نہیں جس وقت ہم ہال میں داخل ہوئے ہیں۔ یہ ولید کے ساتھ کیسے ٹھٹھے لگا رہی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی ولید بھی بھاگ گیا اور اس کی ہنسی بھی گم ہو گئی۔" دلنشیں نے کڑی نگاہوں سے حور کو دیکھا تھا۔

"ولید تمہارا دیور ہے اور وہ کوئی ننھا منا بچہ نہیں ہے۔ طارق سے بس ڈیڑھ برس ہی چھوٹا ہے۔ تمہیں ولید سے زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" دل آویز نے سخت لہجے میں تنبیہہ کی۔ "ٹھیک ہے۔ وہ تمہاری طرح تیز طرار ضرور ہے۔ مگر رشتوں کی کچھ حدود ہوا کرتی ہیں۔ نجانے آج کل کیسا ٹرینڈ چل گیا ہے۔ کسی رشتے کا کوئی لحاظ ہی نہیں رہا۔" نجانے اس کا ابھی مزید کتنا لیکچر باقی تھا کہ فرح شاہ ان کے سر پہ پہنچ گئی۔

"ہائے۔۔۔ واؤ فینٹاسٹک برائیڈ از ویری سوئٹ اینڈ پریٹی۔" اس نے خوش دلی سے کہتے ہوئے حور کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

"آئی ایم فرح شاہ۔" حور نے جھجکتے ہوئے دائیں بائیں دیکھا پھر ہاتھ بڑھایا۔

"پھر اس نے اس طرح دل آویز اور دلنشیں سے بھی ہاتھ ملانا چاہا مگر دونوں نے لفٹ نہیں کرائی۔

"ولید نظر نہیں آ رہا۔ کدھر ہے وہ۔۔۔؟"

دل آویز نے نظریں پھیر لیں۔ دلنشیں موبائل میں مصروف ہو گئی۔ فرح شاہ کندھے اچکاتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئی۔ پھر یکدم پلٹی اور حور کی طرف چھوٹا سا گفٹ پیک بڑھاتے ہوئے بولی۔ "آپ کے لیے۔"

حور نے لاشعوری طور پر وہ گفٹ لے لیا۔ دونوں نندوں کی بھنویں تن گئیں۔

"بائی دا وے آپ کے نصف بہتر کدھر ہیں۔ حالانکہ انہیں اس وقت آپ کے پہلو میں ہونا چاہیے تھا۔" حور خاموش رہی تو فرح خود ہی بولی۔

"آپ کے ہاں کمس کیدرنگ نہیں ہے۔ کتنا آکورڈ لگتا ہے۔ آج کے دور میں ایسا۔ میرا تو دم گھٹنے لگا ہے ایسا کچھ سوچ کر کہ میں ولیمہ کے روز تنہا بیٹھوں گی۔ سالی گاڈ کتنا بیک ورڈ تھوٹ ہے۔" یہ کہہ کر فرح نے خود ہی ایک بے باک سا قہقہہ لگایا۔ دلنشیں سلگ گئی۔ تنک کر بولی۔

"اس کے باوجود بھی تم ولید کا پیچھا نہیں چھوڑتیں۔"

فرح، دلنشیں کی بات پہ ایسے کھلکھلائی جیسے کسی بچے کی بات کو ہنسی میں اڑایا جائے۔

www.pkdigest.com

"مائی سویٹ ہارٹ۔ تم سے کس نے کہا ہے کہ میں ولید سے ہی شادی کروں گی۔"

"تو پھر کیوں ہر وقت ولید کے ساتھ چپکی پھرتی ہو۔"

"مائی گاڈ...!" وہ پھر ہنس پڑی۔ "ویری سمپل' وہ میرا دوست ہے۔"

فرح نے جلانے والے انداز میں کہا اور ہنستے ہوئے وہاں سے چل پڑی۔ سامنے ہی اسے ولید نظر آگیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے۔

"دیکھو اس مجنوں کو۔ یہ بھی شرم نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔" دل آویز کلس رہی تھی۔

یہ منظر نہ صرف دل آویز اور دلنشیں نے بلکہ حور نے بھی دیکھا تھا اور حور یہ بھی دیکھ کر حیران رہ گئی تھی بظاہر مکس گیدر نگ نہیں تھی۔ مردانہ ہال علیحدہ تھا اور زنانہ علیحدہ اس کے باوجود بہت سے حضرات و خواتین کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ پھر بھی طارق کو یہاں آنے میں ہچکچاہٹ تھی۔ حور الجھنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر آنے کے بعد اس کا ابراہیم صاحب سے پہلی بار سامنا ہوا تھا۔ اس نے سلام کیا تو لاؤنج سے گزرتے ہوئے ابراہیم صاحب کے قدم رک گئے۔

ناچار انہیں سلام کا بھی جواب دینا پڑا اور سر پہ ہاتھ رکھ کر دعائیں بھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہزار کا ایک نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پہ رکھ دیا۔

حور نے پہلے وہ نوٹ دیکھا۔ پھر ابراہیم کی طرف اور معصومیت سے بولی۔

"ماموں! یہ کیوں؟"

وہ شرمندہ سے ہوگئے اور نظریں چراتے ہوئے بولے۔

"کل سے اب تک فرصت ہی نہیں ملی کہ تمہیں سلامی دے سکوں۔ یہ تمہاری سلامی ہے۔"

"یہ آپ رکھیں۔ میری سلامی تو ادھار ہے۔" حور بے تکلفی سے بولی۔ ابراہیم صاحب تو چونکے ہی تھے دلشاد اور ان کی بیٹیوں کے بھی کان کھڑے ہوگئے دوسرے ہی پل وہ ہنس پڑے اور آہستگی سے بولے۔

"سلامی اس طرح واپس نہیں کرتے سمجھیں۔ میں تمہارا سسر ہوں۔" ان کا انداز گو کہ شفیق تھا مگر اس میں شرارت کی آمیزش بھی تھی۔

"سسر یوں راہ چلتے سلامی نہیں دیتے۔ میں بھی آپ کی بھانجی ہوں۔"

ابراہیم صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ "آج بھی تم ویسی ہی ہو۔ جیسی اماں جی کی زندگی میں ہوا کرتی تھیں۔ ننھی منی سی نٹ کھٹ سی۔" حور مسکرا کر رہ گئی۔

"اچھا بتاؤ کیا لوگی سلامی میں...؟"

حور نے اشارہ کیا کہ کان ادھر لائیں۔ ابراہیم صاحب اس کی طرف جھک گئے۔ اس نے کان میں کچھ کہا۔ تو وہ... یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے سیدھے ہوگئے۔

حور نے کاندھے اچکا دیے۔ ابراہیم کی سنجیدگی نے سب کو متجسس کر دیا۔

"اچھا۔ جاؤ جا کر آرام کرو۔ پھر ملاقات ہونے پہ بات ہوگی۔"

انہوں نے نرمی سے کہا تو وہ خوش ہوگئی اور اپنا بھاری لباس سنبھالتی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

ابراہیم صاحب بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے تو دل آویز نے تھک کر ماں کی طرف دیکھا۔ "یہ تماشے... میری برداشت سے تو باہر ہیں۔ ایک معمولی... لڑکی کو اتنا سر پہ چڑھایا جا رہا ہے۔ آپ تو کہتی تھیں کہ وہ اس گھر میں نہیں آئے گی۔ آبھی گئی تو معمولی ملازمہ بنا کر رکھیں گی اسے لیکن مجھے تو لگ رہا ہے چند ہی روز میں وہ ہماری چھٹی کروا دے گی۔"

"ایسی سوچ کیوں ہے آپ کی دل آویز آپا! ایسا بالکل نہیں ہوگا۔" طارق نے محبت و اپنائیت سے بہن کا

خدشہ دور کرنے کی کوشش کی۔ لیکن دل آویز بکھر گئی۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے۔

"جان بوجھ کر نظر انداز کر رہی ہے وہ ہمیں۔ اور تم کہہ رہے ہو یہ فقط میری سوچ ہے۔ ماما نے زندگی بھر دادو کی ذلت و تحقیر سہی اور وہ تحقیر میرے لیے محرومیوں کا سبب بن گئی۔ ایسا عذاب جس سے میں چاہوں بھی تو چھٹکارا نہیں پا سکتی۔" یہ کہہ کر دل آویز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ طارق کی جان پہ بن گئی۔

"مگر ان سب باتوں کا حور سے کیا تعلق ہے...؟"

وہ بے ساختہ پوچھ بیٹھا اور بس یہی اس کا سب سے بڑا گناہ تھا۔

"دیکھیں ماما! کیسے فیور کر رہا ہے یہ اپنی وائف کو۔ وہ کل آئی ہے اس کی زندگی میں اور ایک ہی رات میں یہ سب کچھ بھول بھال گیا۔"

اس الزام پہ وہ تلملا گیا۔

"میں نے کچھ تو پوچھا ہے۔ ہمارے جو مسائل ہیں ان سے حور کا تعلق کیا ہے؟"

"ہاں... ہاں... تم تو اب یہی کہو گے۔ تین سال سے میں اجڑی بیٹھی ہوں۔ کب ہمدردی ہوئی کسی کو مجھ سے؟ میرے لیے ہی دیکھنا تھا ایسا بر۔ کیا میں لاڈلی نہیں تھی۔ ناز و نعم میں نہیں پلی تھی۔ دو کوڑی کی حیثیت ہوگئی میری سسرال میں کوئی سپورٹ کرنے والا نہیں تھا۔ مسائل کا انبار پہلے دن ہی سر پر آن پڑا اور... تم... تم لوگ... اپنی اپنی زندگی کی خوشیوں میں مست ہو۔" یہ کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

"تو... آپ کا مطلب ہے حور کے ساتھ وہی کیا جائے جو آپ کے ساتھ ہوا ہے۔ تب آپ کے غم کا مداوا ہوگا۔" ولید کے الفاظ آہنی ہتھوڑے کی طرح آویز کے سر پر پڑے تو وہ بلبلا گئی۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو تم۔ میں کیوں کسی کا گھر اجاڑنے لگی۔ پہلے بھی میں تو الگ تھلگ ہی رہتی تھی۔ خود کو اور قید کر لوں گی۔" وہ پھر سسکنے لگی تو دلشاد بیگم کا کلیجہ ہل گیا۔

"یہ نہیں سمجھیں گے تیرے دکھ کو۔ مجھ سے پوچھ۔ تجھے بیاہ کر کتنا پچھتائی ہوں۔" وہ بیٹی کو گلے لگا کر دلاسے دے رہی تھیں۔

فجر کی اذانیں ہو رہی تھیں جب طارق کمرے میں آیا۔ حور ابھی تک جاگ رہی تھی۔ وہ سونا چاہتی تھی لیکن ایک انجانی سی بے چینی اسے سونے نہیں دے رہی تھی اور وہ بے چینی کیوں نہ ہوتی۔ آخر اس گھر میں اسے دوسرا دن تھا لیکن جس کے توسط سے اس گھر میں آئی تھی اس کی طرف سے محبت و اپنائیت کا کوئی احساس نہیں ملا تھا۔ لاکھ بولڈ تھی لیکن جذبات تو وہ بھی رکھتی تھی۔ جس شخص کو وہ بچپن سے چاہتی تھی اس کی ہو کر بھی ادھوری تھی۔

طارق نے آہستگی سے دروازہ بند کیا۔ پھر صوفے پہ بیٹھ کر اپنے جوتے اتارنے لگا۔ حور چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟"

حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

طارق نے جوتے اتارے پھر موزے۔ اس کے بعد کوٹ اتار کر صوفے کی پشت سے ٹیک لگا لی اور آنکھیں موند لیں۔ وہ بہت تھک گیا تھا۔

"میرے مسائل بہت گمبھیر ہیں حور!" وہ تھکے تھکے سے انداز میں بولا۔

"میں تمہیں وہ خوشیاں نہیں دے سکوں گا جو تمہارا حق ہے۔" اس کے بعد بہت دیر تک خاموشی رہی۔

شاید اس کی سماعتیں حور کی طرف سے کسی دلاسے کی منتظر تھیں۔

لیکن دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تو خود ہی کہنے لگا۔

"دل آپا ایک نفسیاتی کیس بن چکی ہیں۔ پتا نہیں اس کا ذمہ دار کون ہے۔ حالانکہ میں سمجھتا ہوں وہ بچپن سے ہی نفسیاتی مریضہ تھیں۔ میں جانتا ہوں بچپن سے انہیں وہم کا مرض تھا۔ وہ بار بار ہاتھ دھوتی تھیں۔ نہانے جاتی تھیں تو گھنٹوں باتھ روم میں بند رہتیں۔ ماما کبھی اس چیز کا نوٹس نہیں لیتی تھیں۔

www.pkdigest.com

لیکن۔ بابا دل آپا کی حرکتوں کا نوٹس لیا کرتے تھے۔ وہ الگ تھلگ کیوں رہتی ہے۔ اسے صفائی کا اتنا کریز کیوں ہے۔ وہ عام بچوں کے ساتھ کیوں نہیں کھیلتی۔ دل آپا بہت ہی کم گو تھیں وہ بابا سے بھی فرمائش نہیں کرتی تھیں لیکن بابا انہیں ہمیشہ سب پہ فوقیت دیتے تھے۔ اور دل آپا کو اس چیز کی عادت پڑ گئی۔ یعنی سہاروں کی عادت۔ بابا ہر دم انہیں سپورٹ کرتے تھے۔ جائز و ناجائز۔ اگر میں یہ کہوں کہ بابا سب سے زیادہ دل آویز آپا کو چاہتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس محبت اور توجہ کو اب شیئر نہیں کر پاتیں۔ سو تھیں۔"

طارق نے یہ کہہ کر آنکھیں کھولیں اور سیدھا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ حور سراپا سماعت بنی اسے سن رہی ہوگی اور اسے سننا بھی چاہیے تھا۔ یہ باتیں کوئی معمولی اور عام نہیں تھیں۔ لیکن طارق یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ وہ تو مزے سے سو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

دل آویز بستر پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ آج اگر اس میں بھی حور جتنا اعتماد ہوتا تو وہ یہاں نہ پڑی ہوتی۔ تین سال میں دو بچے تو اس کے بھی ہو ہی جاتے۔ تب زندگی کیسی مختلف ہوتی۔ بچوں کے تصور سے ہی اسے یک دم کراہیت کا احساس ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اور نادیدہ اشیاء کو خود پر سے جھاڑنے لگی۔

بچے.... کلثوم کے بچے بھی تو بچے ہی تھے۔ وہ ایک پل بھی برداشت نہیں کر پاتی تھی انہیں۔ وہ زمین پہ کھیلتے کھیلتے اس کے بیڈ پہ چڑھ جاتے۔ کسی کی ناک بہہ رہی ہوتی تو کسی کی نیپی گیلی ہوتی۔ کلثوم ان باتوں کی پروا ہی نہیں کرتی تھی۔ اس نے تو بس پیدا کر کے انہیں چھوڑ دیا تھا۔

"دیکھو۔ تم لوگوں نے بستر کی ساری چادر خراب کر دی ہے۔"

اس نے اپنی بیڈ شیٹ کا حشر نشر ہوتے دیکھا تو برداشت نہ کر سکی۔

"آپ کو تو ہمارا کمرے میں آنا ہی برا لگتا ہے۔" دس سالہ تنزیل بدتمیزی سے بولا۔

"میں کہتی ہوں، نیچے اترتے ہو یا تمہاری امی کو بلاؤں؟"

"امی نے ہی تو ہمیں یہاں بھیجا ہے۔ وہ بازار گئی ہوئی ہیں شاپنگ کرنے جب تک وہ نہیں آتیں ہم یہیں رہیں گے۔"

جمیل اور تنزیل نے تکیے اٹھا اٹھا کر ایک دوسرے پہ پھینکنا شروع کر دیے تھے۔

اسی دھینگا مشتی میں جوجو نے سو سو کر دی۔ حالانکہ جوجو تین برس کی ہونے والی تھی پھر بھی اسے کوئی تمیز نہیں تھی۔

"جوجو نے سو سو کر دی۔ جوجو نے سو سو کر دی۔" اس کے بڑے بہن بھائی چھلانگیں لگاتے ہوئے بیڈ سے اتر گئے۔

دل آویز کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔

"تمیز نہیں ہے تمہیں۔ یہ تمہیں ٹوائلٹ نظر آ رہا تھا۔ اب کون صاف کرے گا اسے۔ میرا دس ہزار کا بستر ضائع کر دیا۔ جسے میں نے دس دن بھی استعمال نہیں کیا تھا۔"

"مائی گاڈ۔ کن جنگلی لوگوں میں پھنس گئی ہوں۔"

تب ہی فون کی بیل پر اس نے فون اٹھایا۔ دوسری طرف دلشاد بیگم تھیں۔

"کیا کر رہی ہو دل؟"

"کچھ نہیں ماما! بس اپنی قسمت پہ رو رہی تھیں۔"

"کیا ہوا، بتاؤ تو سہی؟" دل آویز نے ساری روداد کہہ ڈالی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں کچھ بھی دھونے یا صاف کرنے کی۔ ایسا ہی پڑا رہنے دو۔ اس کی ماں آجائے تو اس سے دھلوانا۔"

"مگر ماما، رمیض۔ وہ کبھی نہیں مانے گا۔ وہ مجھے ہی دھونے کو کہہ کر بات ختم کر دے گا۔"

"اور تم اس کی باتیں سن لوگی۔ جیسا کہ ایک ماہ سے سنتی آ رہی ہو۔ کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ ان آفت کے

www.pkdigest.com

پر کالا بچوں نے تمہاری۔ نرا گندگی کا ڈھیر۔ اب تمہارے کمرے کو ٹوائلٹ بنالیں گے تب بھی برداشت کرلوگی تم۔"

"ہرگز نہیں ماما! آپ کو پتا ہے مجھے گندگی سے کتنی الرجی ہے۔ میں ایک کام کرنے سے پہلے دس بار ہاتھ دھوتی ہوں اور یہ کلثوم یہ گندے ہاتھوں سے کھانا بناتی ہے۔ مجھ سے تو دیکھ کر ہی برداشت نہیں ہوتا کھانا تو درکنار۔"

"تو تم خود بنالیا کرو اپنے لیے۔ کیوں تم کسی کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہو۔ یہ بات ہزار دفعہ تمہارے بابا اور میں بتا چکے ہیں تمہیں کہ اس گھر کی مالکن کلثوم نہیں تم ہو۔ یہ گھر تمہارے میاں کی کمائی پہ چل رہا ہے۔ کلثوم کی نہیں وہ طلاق لے کر یہاں آئی بیٹھی ہے۔ کلثوم تو بوجھ ہے اس گھر پہ۔ میں تو کہتی ہوں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرو کہ اس کی یہاں سے چھٹی ہی ہوجائے۔ کب تک اس گندگی کے ڈھیر کو برداشت کروگی تم۔"

"میرا خیال ہے ماما! کوئی آرہا ہے۔ میں فون بند کررہی ہوں۔ پھر بات کروں گی۔"

اس کے ساتھ ہی دل آویز نے فون بند کردیا۔

☼ ☼ ☼

کلثوم ہانپتی کانپتی شاپنگ بیگ اٹھائے دل آویز کے کمرے میں چلی آئی۔ اپنی چادر اٹھا کر ایک طرف پھینکی اور شاپنگ بیگ بیڈ پہ اچھال دیے۔

"ذرا ایک گلاس پانی تو پلانا۔ بہت تھک گئی ہوں صرف بچوں کے یونیفارم لینے گئی تھی۔ اسی میں دو گھنٹے لگ گئے۔"

دل آویز پانی پلانے کے بجائے کراہیت سے شاپنگ بیگز کو دیکھ رہی تھی۔

"ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ کھول کر دیکھ لو۔ یونیفارم لائی ہوں بچوں کے۔" کلثوم استہزائیہ بولی۔

"میں تو یہ دیکھ رہی ہوں نیا کپڑا جوجو کے پیشاب میں کیسے بھیگ رہا ہے۔"

"اف خدایا! جوجو یہاں پیشاب کرگئی۔ چلو خیر کوئی بات نہیں اس گدے کو الٹ دو۔"

"الٹ دوں؟" دل آویز نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"ہاں ہاں پلٹ کر بچھالو۔" کلثوم نے لاپروائی سے کہا۔ پھر وہ اپنے شاپنگ بیگز اٹھاتے ہوئے بولی۔

"بچے تو ایسا کرتے ہی رہتے ہیں۔ آج نہیں تو کل تمہارے بچوں نے بھی تو یہی کچھ کرنا ہے۔"

"میں اب اس پر سوجاؤں، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آپ اسے دھوئیں تب ہی یہ استعمال میں آسکتا ہے۔"

"کیا مطلب؟ اتنے بھاری گدے کو میں اٹھا بھی نہیں سکتی دھوؤں گی تو بھلا کیا۔" کلثوم کی حیرانی عروج پہ تھی۔ "مجھے لگتا ہے تمہیں ضرورت سے زیادہ ہی وہم کا مرض لاحق ہے۔ معمولی معمولی باتوں پہ تمہیں اتنی کراہیت آتی ہے سچ سچ بتاؤ میاں کے ساتھ تمہارا رویّہ کیسا ہے؟" یہ کہہ کر کلثوم ہنستے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

"میاں کے ساتھ رویّہ؟" دل آویز کو بہت کچھ یاد آنے لگا۔

پہلی بار جب رمیض اس کے نزدیک آیا تو اسے عجیب کراہیت سی محسوس ہوئی تھی اور اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بہت چاہا کہ وہ اپنی اس کیفیت پہ قابو پالے۔ لیکن اس کی ناپسندیدگی رمیض سے چھپی نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے تم اس طرح کیوں کررہی ہو؟" بالآخر رمیض پوچھنے پہ مجبور ہوگیا۔

"وہ وہ دراصل میری میری طبیعت شاید ٹھیک نہیں ہے۔" وہ اٹکتے جھجکتے بتانے لگی تو رمیض کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"یعنی تمہیں خود بھی اندازہ نہیں کہ تمہاری طبیعت صحیح ہے یا غلط امیر باپ کی بیٹی ہونا ۔اس لیے نخرے دکھا رہی ہو۔ اگر آج تمہارے ان نخروں میں آگیا تو سمجھو ساری عمر بس نخرے اٹھاتے گزر جائے گی۔"

رمیض کی باتیں دل آویز کو بری لگ رہی تھیں۔

لیکن وہ اسے کیسے بتاتی اس کی بیزاری سے رمیض بددل ہوگیا تھا۔ وہ تیزی سے واش روم چلی گئی اور خود کو رگڑ رگڑ کر صاف کرنے لگی۔ اور پھر وہ تین گھنٹے کے بعد واش روم سے نکلی تھی۔

تیسرے دن ہی رمیض کی برداشت نے جواب دے دیا۔

"آخر کیا وجہ ہے۔ جب میں تمہارے نزدیک آتا ہوں۔ جب ہی تمہاری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔ ٹھیک طرح سے بتاؤ کہ معاملہ کیا ہے؟" اس نے ڈپٹ کر پوچھا تو دل آویز سراسیمہ ہوگئی۔

"کہاں گم ہو جواب کیوں نہیں دیتیں؟" رمیض نے اسے گم صم پاکر جھنجھوڑ ڈالا۔

دل آویز رو پڑی پھر رمیض نے لاکھ چپ کرانے کی کوشش کی لیکن وہ روتی ہی رہی۔ رمیض صوفے پر جا کر لیٹ گیا اور نہ جانے کب سو گیا۔

اور پھر... دل آویز ماں کے پہلو سے لگ کر بہت روئی وہ ماں کو بتانے پہ مجبور ہوگئی کہ اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔

دل شاد معاملہ فہم خاتون نہیں تھیں۔ جو بیٹی کی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرتیں انہوں نے یہی سمجھا کہ رمیض اس کے ساتھ نامناسب رویّہ رکھتا ہے۔

"تم کو اب سسرال جانے کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہو، رمیض آئے گا تو میں اسے سمجھاؤں گی، اسے اندازہ نہیں ہے کہ ہم نے تمہیں کس قدر ناز و نعم میں پالا ہے۔"

لیکن جب دلشاد نے بیٹی کو اپنے گھر میں رکھ لیا تو رمیض نے پھر ان کے گھر جھانکا تک نہیں۔ انہوں نے رمیض کو روزانہ ڈنر پر انوائیٹ کیا۔ لیکن وہ نہیں آیا۔ وہ اور ہی مزاج کا مرد تھا۔ وہ شادی کے بندھن کو جی بھر کر انجوائے کرنا چاہتا تھا وہ جانتا ہی نہیں تھا کہ انڈراسٹینڈنگ کس چڑیا کا نام ہے۔

رمیض نے اپنے دوستوں سے سن رکھا تھا کہ امیر گھرانوں کی لڑکیاں اپنی نازبرداریوں کے لیے ایسے ناز نخرے کرتی ہیں۔

فطرتاً رمیض برا نہیں تھا۔ وہ اس بندھن کو نبھانا چاہتا تھا۔ لیکن جب اس نے دل آویز کا ایسا ہتک آمیز رویّہ دیکھا تو سخت بددل ہوگیا۔

تب رمیض نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی تھی یہ کہہ کر کہ اب وہ خود اس سے اپنے رویے کی معافی مانگے گی۔ تب یہ رشتہ استوار ہوگا۔

بھلا دل آویز ایسا کیونکر کرتی۔ اس کی تو ایک طرح سے جان ہی چھوٹ گئی تھی۔ لیکن بات رمیض کی حد تک نہیں تھی۔

دن بھر کلثوم کے بچے اس کے کمرے میں ہوتے۔ کوئی پردے سے ناک صاف کررہا ہے تو کوئی اس کی بیڈ شیٹ کو گیلا کررہا ہے کارپٹ کا تو حشر ہی ہوجاتا۔ ٹوائلٹ بھی اسی کا استعمال ہوتا تھا اور وہ دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتی۔

پھر ماں کو بتاتی ... تو وہ الٹے سیدھے سبق پڑھاتیں۔

"انہیں کمرے سے بھگا دیا کرو۔ کلثوم سے دبنے کی ضرورت نہیں ہے۔ رمیض سے کہو کہ وہ اپنی بہن کا علیحدہ بندوبست کرے۔"

اب وہ ماں کو کیا بتاتی کہ رمیض تو رات کو اس وقت آتا ہے جب وہ سوچکی ہوتی ہے اور صبح بھی اس کے اٹھنے سے پہلے گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس نے آج تک رمیض سے یہ پوچھنے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ وہ رات کو دیر سے کیوں آتا ہے۔ اسے رمیض سے ابھی تک کوئی لگاؤ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ وہ کبھی اس کا کوئی ذاتی کام بھی نہیں کرتی تھی۔ ابھی تک یہ سب کام کلثوم ہی کررہی تھی۔

"رمیض اتنا غیر ذمہ دار نہیں تھا جتنا شادی کے بعد ہوگیا ہے۔ تمہاری موجودگی کے باوجود رمیض گھر سے باہر کیوں رہنے لگا ہے؟" ایک دن کلثوم دل آویز سے پوچھ رہی تھی۔

دل آویز چونک گئی۔ اسے اندازہ تھا کلثوم یہ سوال ضرور کرے گی۔

www.pkdigest.com

"مجھے کیا معلوم میں دو دن امی ابو کی طرف ہوتی ہوں۔ تو دو دن یہاں مجھے کیا معلوم کہ ان کی مصروفیت کیا ہے؟" اس نے نظریں چرا کر کہا۔

کلثوم ہنس پڑی اور دل آویز کی طرف دیکھ کر بولی۔

"مجھے بتاؤ معاملہ کیا ہے؟"

"میری طرف سے تو کوئی معاملہ نہیں ہے۔" اس نے ڈھٹائی سے کہا تو کلثوم حیران رہ گئی۔

اب کلثوم کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ وہ تمام معاملات کا سنجیدگی سے جائزہ لے اور جب اس نے نوٹس لینا شروع کیا تو الجھنے لگی۔ دل آویز میں عام لڑکیوں جیسی بات نہیں تھی۔ وہ اول تو ان لوگوں کے ساتھ کھانا نہیں کھاتی تھی۔ کھاتی بھی تو اپنی الماری سے اپنی ذاتی ڈنر سیٹ کی پلیٹیں گلاس وغیرہ نکال کر لاتی پھر کھانا کھاتی۔ پھر انہیں اپنے خود دھو کر واپس رکھ دیتی۔

کلثوم سوچتی کہ وہ اپنی امارت کا رعب جھاڑ رہی ہے۔ تو اگلے ہی پل کلثوم کو اس سوچ سے بھی دستبردار ہونا پڑتا جب دل آویز اپنے کمرے کی خود صفائی کرتی اور ملازمہ کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیتی۔ وہ نہانے جاتی ہے تو تین گھنٹے سے پہلے باتھ روم سے نہیں نکلتی۔ کلثوم صرف میٹرک پاس تھی۔ اس کے باوجود اسے کچھ کچھ سمجھ میں آنے لگا کہ ضرور یہ کوئی نفسیاتی کیس ہے۔

"مگر نہیں اتنے دولت مند ماں باپ کی بیٹی اور ایسی حرکتیں کیا اس کے ماں باپ اس بات سے ناواقف تھے؟"

ایک روز کلثوم نے رمیض کو پکڑ لیا۔

"جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے۔ تمہارے اندر کوئی خوشی کوئی امنگ نظر ہی نہیں آتی۔ اور تو اور تم نے گھر سے بھی باہر رہنا شروع کر دیا ہے۔ آخر معاملہ کیا ہے؟" رمیض چپ رہا۔

"مجھے بتاؤ رمیض! آخر کیا گڑبڑ ہے۔ کیا دل آویز تمہیں پسند نہیں آئی؟ بظاہر اس میں ناپسندیدگی والی تو کوئی بات نہیں۔"

رمیض اب بھی خاموش رہا۔

"کیا وہ تمہیں ناپسند کرتی ہے؟" کلثوم نے آخر وہ بات پوچھ ہی لی جو اس کے دل میں کھٹک رہی تھی۔

رمیض کے دل کانٹا سا چبھا۔

"ہاں۔۔۔!" سناٹے میں ارتعاش پیدا ہوا۔ اس نے بہن کے سامنے اعتراف کر لیا۔

"کیا مطلب ہے اور تم دست بردار ہو گئے؟" کلثوم نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"مت کریں مجھ سے یہ سوال۔" رمیض پھٹ پڑا۔ کلثوم بھائی کا چہرہ دیکھ کر حق دق رہ گئی۔

"گویا میری زندگی کی طرح تمہاری زندگی بھی برباد ہو گئی۔"

اور یہ الفاظ دل آویز نے اپنے کانوں سے سنے تھے۔

"رمیض! تم بولتے کیوں نہیں۔ تم ایسے تو نہیں تھے۔ کیوں گونگے بہرے ہو گئے ہو اگر تم اس سے خوش نہیں ہو تو۔۔۔" کلثوم چیخ پڑی۔

رمیض نے ہاتھ اٹھا کر کلثوم کو چپ کرا دیا۔ سامنے سے دل آویز آ رہی تھی۔

"کلثوم آپا! میں نہیں چاہتا کہ کوئی اپنی غلطی چھپانے کے لیے تمہیں نشانہ بنائے۔" یہ کہہ کر رمیض اپنے کمرے میں چلا گیا۔

پھر کیا تھا۔ دل آویز کلثوم کو پھانس کی طرح چبھنے لگی۔ اٹھتے بیٹھتے اس پہ طنز کرنے سے وہ باز نہ آتی۔

دوسری طرف رمیض کے دوست رمیض کی جان کو آ رہے تھے۔ کوئی کچھ کہتا اور کوئی کچھ۔ رمیض اندر ہی اندر الجھنے لگا۔ دل آویز ماں کو سارے حالات بتاتی رہی تھی۔ اس کے باوجود اس کے دل کا بوجھ ہلکا نہیں ہوتا تھا۔

زندگی کی کہانی سلجھتی ہی نہیں تھی۔

اور پھر رمیض اپنی انا کو بالائے طاق رکھ کر خود ہی دل آویز کی طرف بڑھا تھا لیکن دل آویز کا وہی خشک اور کھنچا کھنچا رویہ تھا۔

اور بالآخر وہ ہو گیا جو رمیض نہیں چاہتا تھا ایک دن۔

طیش میں آ کر رمیض نے اس کو تھپڑ مار دیا۔ یہ بات معمولی نہیں تھی۔ دل آویز ایک لمحے کو اب یہاں رکنے کو تیار نہیں تھی اور اس نے ماں کو فون بھی کر دیا تھا۔

دلشاد بیگم کے لیے یہ سب کچھ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اپنی بیٹی کو لینے گئیں تو رمیض نے دل آویز کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔

دلشاد بیگم کو اس صاف جواب کی امید ہی نہ تھی۔ دلشاد بیگم گھر تو آ گئیں مگر رو رو کر گھر سر پہ اٹھا لیا۔

ابراہیم صاحب کے لیے بھی یہ ایک بہت بڑا سانحہ تھا کہ ان کی لاڈلی چہیتی بیٹی کے ساتھ سسرال میں ایسی بدسلوکی ہو رہی تھی اور شوہر مارنے بھی لگا تھا ان سے رہا نہ گیا۔ وہ بیٹی کو لینے کے لیے خود آ گئے۔

اور وہاں آ کر ابراہیم صاحب نے داماد کے منہ سے جو لفظ سنے تو ان کی گردن جھک گئی۔ انہیں لگا جیسے ان کی سماعتیں سن ہو گئی ہوں 'جب رمیض نے کہا۔

"آپ کی بیٹی دودھ پیتی بچی نہیں تھی جو اسے شادی شدہ زندگی کے معاملات کا پتا ہو۔ اگر وہ اتنی ہی کم عقل تھی تو اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھنا تھا۔ کیوں میری زندگی برباد کی۔ جب اسے اس بات کا شعور آ جائے اسے میرے پاس بھیج دیجیے گا ورنہ میری بہن میری دوسری شادی کا بندوبست کر رہی ہے۔"

ابراہیم صاحب کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ ان کی بیٹی میں تو جو نقص ہے وہ ہے' داماد بھی 'باشعور اور سلجھا ہوا نہیں ہے۔ جو اپنی بیوی کی کمزوری کو اس طرح اچھال رہا ہے۔ سب سے زیادہ ابراہیم صاحب کو اپنی بیوی پہ افسوس تھا۔ چھ ماہ سے وہ تو ان حالات سے واقف تھیں۔ پھر کیوں نہ وہ ان حالات کو کنٹرول کر سکیں۔

دل آویز گھر کو آ چکی تھی۔ گھر میں خاموشی طاری تھی۔ ہر ایک دوسرے سے بدظن تھا۔ دلشاد بیگم' ابراہیم صاحب سے بدظن تھیں کہ شادی کا فیصلہ ان کا تھا۔

اور ابراہیم ان سے بدظن تھے انہوں نے انہیں آگاہ کیوں نہیں کیا۔

دل آویز اپنی کمزوری کے باوجود ماں اور باپ دونوں سے ہی بدظن تھی۔

www.pkdigest.com

کئی دن کے بعد یہ خاموشی جب ٹوٹی جب ابراہیم صاحب نے بیٹی کو سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کا ارادہ ظاہر کیا۔

اس فیصلے سے دلشاد بیگم کو سخت تکلیف ہوئی۔

"ایک وقت تھا جب تم نے مجھے بھی نفسیاتی مریضہ قرار دے دیا تھا حالانکہ مجھے ان حالات تک پہنچانے والی تمہاری ماں تھی جنہوں نے مجھے اچھوت بنا دیا تھا۔ جو اپنے پانی کے گھڑے کو بھی ہاتھ لگانے نہیں دیتی تھیں آج تمہیں بیٹی پاگل نظر آرہی ہے۔"

اور جب ڈاکٹر سمیع الحق نے دل آویز کی عمل ہسٹری لی۔ اس سے چند سوالات کیے تو انہوں نے یہی سوال اٹھایا۔

"دیکھیں! بچے کی جو غیر معمولی حرکات ہوتی ہیں۔ ان سے سب سے پہلے ماں آگاہ ہوتی ہے اور عادتیں محض مسلسل ایک ہی عمل کو دہرانے کا نام ہیں جو رفتہ رفتہ ہماری شخصیت کا حصہ بنتی جاتی ہیں۔ اگر یہ بچی بچپن سے ہی بہت سی چیزوں سے الرجک تھی تو یہ بات آپ لوگوں سے پوشیدہ نہیں ہوگی۔"

ابراہیم صاحب نے بیوی کی طرف دیکھا مجبوراً دلشاد بیگم کو ہی بولنا پڑا۔

"میں نے بھی محسوس نہیں کیا کہ یہ کن چیزوں سے الرجک ہے۔ ہاں البتہ یہ بچپن سے ہی الگ تھلگ رہنے کی عادی تھی۔ کم گو ہونے کی وجہ سے اس کی کسی سے دوستی بھی نہیں تھی۔ یہ اپنے بہن بھائیوں میں چونکہ بڑی بھی تھی۔ اس لیے ان کے ساتھ بھی زیادہ کھیل کود پسند نہیں کرتی تھی۔ اور سچ پوچھیں تو مجھے اس کی یہ سب عادتیں اچھی لگتی تھیں کہ اس نے مجھے بچپن سے لے کر اب تک بالکل نہیں ستایا اور اسی وجہ سے ہمارے دل میں اس کی خاص جگہ ہے۔"

ڈاکٹر سمیع ان کی بات کو بغور سن رہے تھے آخر میں تھوڑا سا مسکرائے۔

"کیا آپ کے باقی سب بچوں میں بھی ایسی ہی عادتیں ہیں؟"

"نہیں ہمارے دوسرے بچے ویسے ہی ہیں جیسے نارمل بچے ہوتے ہیں۔ لیکن دل آویز بچپن سے ہی محتاط رہا کرتی تھی۔ یہ اپنی صفائی کا بھی بہت دھیان رکھتی تھی اور۔۔۔" یہ کہتے کہتے ابراہیم صاحب خاموش ہو گئے۔

"جی ہاں بتایئے اور کیا؟"

ڈاکٹر صاحب! مجھے ایک بات کھٹکتی تھی۔ جب دل آویز نہانے جاتی تھی تو بہت وقت لگاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ یہ بار بار ہاتھ بھی دھویا کرتی تھی اور یہ بات میں اپنی مسز سے بھی کہا کرتا تھا۔ پھر دیگر بچوں میں الجھ کر ہم نے اس بات پر دھیان دینا چھوڑ دیا۔"

"کیا آپ کی اب بھی یہی عادت ہے؟" ڈاکٹر سمیع نے دل آویز کی طرف دیکھا۔

دل آویز نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

"کیا آپ کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ صاف نہیں ہوئیں اور اسی وجہ سے آپ ہاتھ دھونے کا عمل بھی دہراتی رہتی ہیں۔"

"جی نہیں ڈاکٹر صاحب! لیکن اب یہ عادت اتنی پختہ ہو گئی ہے کہ نہ کروں تو بے چینی سی محسوس ہوتی رہتی۔"

دل آویز کے اعتراف پہ ڈاکٹر سمیع نے ابراہیم اور دلشاد بیگم کی طرف دیکھا۔

"بظاہر آپ خوش حال خاتون لگتی ہیں۔ لیکن پھر بھی پچھلے کسی دباؤ، کسی ذہنی ٹینشن میں تو مبتلا نہیں رہیں آپ؟"

ڈاکٹر سمیع کا یہ سوال کرنا تھا اور دلشاد بیگم کی نظروں میں اپنے ماضی کی فلم چل پڑی۔

☼ ☼ ☼

کیسا وقت تھا وہ جب اسے محض بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی سزا میں علیحدہ کر دیا گیا تھا۔ ان کے برتن ان کا سب کچھ بالکل الگ تھلگ ہو کر رہ گئی تھیں وہ۔

حالانکہ یہ کوئی بڑی خرابی نہیں تھی۔ اماں جی چاہتی تو اس بات کو نظرانداز بھی کر سکتی تھیں۔ ابراہیم

صاحب ماں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے کہ اماں جی گوارہ نہیں کرتی تھیں کہ وہ اپنی بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھائیں اور ابراہیم صاحب نے بھی اس بات پہ احتجاج نہیں کیا۔

اس دوران ابراہیم صاحب کا کاروبار زوال پذیر ہونے لگا تو اماں جی نے برملا کہنا شروع کر دیا۔

"بہو کا پاؤں اچھا ثابت نہیں ہوا۔" دلشاد بیگم گھٹ کر رہ گئیں۔

یا تو تنہائی میں وقت گزرتا یا والدین کے گھر۔ اسی دوران دل آویز پیدا ہوئی۔

دلشاد بیگم کے ساتھ سسرال میں بدسلوکی کی وجہ سے ان کے گھر والوں کا رویہ ان کی بچی کے ساتھ کھنچا کھنچا سا رہتا۔ خصوصاً ان کی ماں دل آویز کو پسند نہیں کرتی تھیں۔ بیٹی کو وہ دل جان سے اپنے ہاں رکھتیں لیکن نواسی انہیں کانٹے کی طرح چبھتی وہ برملا کہتیں یہ اپنی دادی جیسی ہے اپنی بچی کے ساتھ میکے والوں کے رویے پر دلشاد بیگم زیادہ تر سسرال میں ہی رہنے لگیں۔

دل آویز ابراہیم صاحب کی پہلی اولاد تھی۔ اس لیے دادی اسے اپنے پاس رکھا کرتیں اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتیں اور دلشاد کو بار بار ٹوکتی رہتیں کہ اسے بھی الٹے ہاتھ سے کھانا نہ کھلائے۔

پھر جلد ہی دلشاد دوبارہ امید سے ہو گئیں۔ دل آویز مستقل دادی کے پاس رہنے لگی۔ بار بار کی روک ٹوک کی وجہ سے دل آویز ڈری سہمی سی رہا کرتی تھی۔

کیونکہ اماں جی بھی وقت کے ساتھ ساتھ ذرا چڑچڑی ہو گئی تھیں۔ ان ہی دنوں دلشاد بیگم کا پانچ ماہ کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ چارپائی میں لگ کر رہ گئیں۔ تب ابراہیم صاحب نے دلشاد کی طرف توجہ دینا شروع کی۔

وقت گزر رہا تھا۔ دل آویز نے چلنا، بولنا کھانا پینا سیکھ لیا تھا۔ اب دلشاد کے بیٹی کی وجہ سے اماں جی سے تعلقات استوار ہو رہے تھے۔ دل آویز کے بعد جلد ہی طارق بھی آگیا۔ پوتے کی ولادت پہ اماں جی کی خوشی دو چند ہو گئی تھی۔

طارق کے بعد دلشاد کی صحت گری گری رہتی تھی جس کی وجہ سے ان کی توجہ بیٹی پہ نہ تھی۔

اسی دوران اسماعیل کی بھی شادی ہو گئی۔ گھر میں دوسری بہو آگئی۔ شازیہ نے گھر میں آتے ہی اپنی جگہ بنالی۔ وہ اماں جی کے دل سے لے کر گھر بھر میں چھا گئی۔ دلشاد بڑی بہو ہوتے ہوئے بھی وہ حیثیت نہ پا سکیں جو شازیہ کے حصے میں آئی۔ اس وجہ سے سب سے زیادہ جلن اور کھنچاؤ کا شکار دلشاد رہا کرتیں ان حالات کو دیکھتے ہوئے ابراہیم صاحب نے خاموشی سے علیحدگی کا فیصلہ کر لیا۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ دلشاد کے ساتھ اماں جی کا رویہ ٹھیک نہیں تھا اور اسی وجہ سے دلشاد کی صحت بھی متاثر ہوئی تھی۔ انہوں نے علیحدہ رہائش اختیار کر لی۔

اپنا گھر اپنی راج دھانی پا کر دلشاد بہت خوش تھیں۔ لیکن اس خوشی کو پاتے پاتے اس نے کیا کچھ کھویا تھا انہیں آج وقت گزر جانے کے بعد احساس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ابراہیم صاحب بیوی اور بیٹی کے ہمراہ ڈاکٹر کے ہاں سے واپسی پر سوچوں میں ڈوبے تھے انہیں احساس ہو رہا تھا ان سے کتنی کوتاہیاں ہوئی ہیں اپنے مسائل میں الجھ کر ان کو یہ بھی ہوش نہیں رہتا کہ بچے کن عادتوں کو اپنا رہے ہیں۔ وہ عادتیں درست بھی ہیں۔ یا نہیں۔

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
ائیرہوسٹس
اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار کراچی۔
فون نمبر: 2216361

www.pkdigest.com

"کیا سوچ رہی ہو دل آویز؟" تادیر خاموشی کے بعد دلشاد بیگم نے بیٹی سے کہا۔

"کچھ نہیں ماما۔۔۔! سوچ رہی ہوں کیا مجھے سایکاٹرسٹ کے پاس بہت پہلے چلا جانا چاہیے تھا اگر ایسا ہو جاتا تو کیا۔ میری زندگی میں مسائل نہ آتے۔"

دلشاد نے تڑپ کا بیٹی کے سر اپنے سینے سے لگا لیا۔

"تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو کہ تم بیمار ہو اور تمہیں واقعی کسی نفسیاتی معالج کی ضرورت تھی۔ یہ تو ہم لوگ بس یونہی تمہیں یہاں لے آئے تھے۔ تم بالکل ٹھیک ہو۔ ہے ناں ابراہیم! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

دلشاد نے ابراہیم صاحب کو خاموش پا کر متوجہ کیا۔

"ہوں!" ابراہیم صاحب کی ہوں توقف کے بعد ابھری جو سوچوں سے بوجھل ہو رہی تھی۔

"اچھا بات سنیں۔ یہیں کسی اچھے سے ہوٹل میں چلتے ہیں۔ آج ڈنر اور کافی باہر ہی پیتے ہیں کیوں دل آویز؟" دلشاد نے مسکراتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا تو دل آویز نے برا سا منہ بنا لیا۔

"نہیں ماما۔۔۔ آپ کو پتا ہے۔ میں کبھی بھی ہوٹلنگ پسند نہیں کرتی میں نے تو کبھی گھر میں آنے کے بعد ہوٹل کا کھانا نہیں کھایا۔ نجانے کیسے کیسے گندے ہاتھ یہ لوگ استعمال کرتے ہیں۔"

دلشاد بیگم اور ابراہیم کو یکدم دھچکا سا لگا تھا۔

یہ کچھ نیا تو نہیں تھا طارق یا ولید کبھی سوپ فرائی فش رائس یا کچھ اور لے آتے سوائے اس کے سب ہی چکھ لیتے تھے۔ صرف وہی ناک منہ چڑھاتی اور کہہ بھی دیتی تھی۔

"معلوم نہیں تم لوگ اسے کیسے کھاتے ہو۔۔۔ مجھے تو دیکھ کر ہی کراہت آتی ہے۔" تب بھی اگر ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا نوٹس لیا جاتا تو آج یہ مسئلہ اتنا بڑا نہ ہوتا۔

ابراہیم صاحب اور دلشاد دل ہی دل یکساں سوچ میں گھرے ہوئے تھے۔

"اگر آپ لوگوں نے ڈنر کرنا ہے تو آپ لوگ چلے جائیں۔ اتنے میں میں تھوڑا سا میوزک سن لوں گی۔ ویسے بھی مجھے بھوک تو ہے نہیں۔ گھر جا کر دودھ کا ایک گلاس ہی پیوں گی۔"

دل آویز نے ماں باپ کو گم صم پا کر ٹوکا تو ابراہیم صاحب کو بولنا ہی پڑا۔

"تم چڑیا جتنا کھانا کھاتی ہو۔ جب ہی تمہاری صحت اتنی کمزور ہے اور وشنیں تم سے بڑی لگنے لگی ہے۔"

"فار گاڈ سیک بابا! آپ کو اچانک میری صحت کی فکر کیوں ہو گئی۔ میں بالکل ٹھیک ہوں ایک دم فٹ۔"

"نہیں دل آویز! تم ٹھیک نہیں ہو۔ اچھی صحت اچھی سوچ کے باعث ہوتی ہے۔ دراصل ہم نے تمہاری صحت پہ ہی توجہ نہیں دی۔ ورنہ آج تم ایسی نہ ہوتیں۔"

"کیا مطلب ہے بابا! میں کیسی نہ ہوتی؟ کیا کمی ہے مجھ میں۔ کیا میں ابنارمل ہوں۔ کم شکل ہوں کم تعلیم یافتہ ہوں۔ ذہنی مریضہ ہوں کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" دل آویز یک دم چڑ گئی۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" ابراہیم صاحب نے رسان سے سمجھانا چاہا۔

"آپ کا مطلب یہی تھا جب ہی تو آپ مجھے ڈاکٹر کے پاس لے گئے تھے۔"

"لیکن "ڈاکٹر نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی۔" ابراہیم صاحب نے بیٹی کو بکھرا دیکھ کر بہلانا چاہا۔

"ڈاکٹر نے ایسی بات نہیں کی تو وہ رمیض کیوں کرتا تھا۔ کیوں مجھے وہی کہتا تھا۔ کیوں مجھے زچ کرتا تھا ان باتوں سے جن سے مجھے نفرت تھی۔ یہ میری زندگی ہے میں جیسے مرضی چاہوں جیوں۔ کسی کو کوئی اختیار نہیں میری زندگی پہ جبر کرنے کا اور اس جبر کی ابتدا آپ نے کی۔ مجھے اس جاہل کے پلے باندھ دیا جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا۔ میری زندگی برباد کر دی ہے آپ لوگوں نے۔" یہ کہتے کہتے دل آویز پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

باقی آئندہ شمارے میں

www.pkdigest.com

۲
دوسری قسط

میمونہ خورشید علی

کسی راستے کی تلاش میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی، جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزو مند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنادیا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دلشاد بیگم کا پھوہڑ پن مشہور کردیا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے بھی جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی دل آویز شادی کے کچھ عرصے بعد ہی میکے آبیٹھی، ماں باپ کی ناچاقی نے اسے نفسیاتی مریض بنادیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند نہیں کرتی تھی۔ طارق نسبتاً "صلح جو" ہے۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حورالعین سے طے ہے۔ جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باک اور پر اعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس کا واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بیوی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حورالعین سے کر دیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حورالعین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید حورالعین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باکی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے دبتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند ہفتوں میں ہی ہو جاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حورالعین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کرتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

ناولٹ

www.pkdigest.com

دروازے پہ ٹھک ٹھک ہو رہی تھی۔ جب دل آویز کو آنسو اپنے گالوں پہ بہتے محسوس ہوئے۔ نجانے کب سے دروازہ بج رہا تھا اور وہ خیالات کی یورش میں اتنی بہہ گئی تھی کہ اسے وقت کا بھی پتا نہ چلا۔ دل آویز نے آنسو صاف کیے اور دروازہ کھول دیا۔ سامنے ملازمہ کھڑی تھی۔

"دل آویز بی بی! آپ کو بڑی بیگم صاحب بلا رہی ہیں۔ کہہ رہی ہیں کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔ کھا لیں آکر۔"

دل آویز نے اچٹتی سی نگاہ ملازمہ پہ ڈالی۔ پھر واپس اپنے بستر میں آ گئی۔

"ان سے کہو مجھے بھوک نہیں ہے اور ہاں ذرا ہیٹر جلاتی جانا۔ ٹھنڈ بہت ہو رہی ہے اور یہ جگ میں پانی بھی گدلا ہو رہا ہے۔ ہاتھ دھو کر اس جگہ کو بھی اچھی طرح صاف کر کے پانی رکھ جانا۔"

یہ کہہ کر دل آویز نے لحاف منہ پہ ڈال لیا۔ ملازمہ کمرے میں آ گئی پہلے اس نے ہیٹر آن کیا۔ پھر جگ دھو کر پانی بھر لائی۔ پھر کشمکش و پیچ میں کھڑی رہی پھر ہمت کر کے بول پڑی۔

"دل آویز بی بی!"

دل آویز نے منہ پہ سے لحاف ہٹایا۔

"ایک بات کہوں آپ سے۔ آپ اس طرح کب تک بھوکی پیاسی رہ کر زندگی گزاریں گی۔ اس کمبخت نے آپ کی قدر نہیں کی تو اس کا مطلب ہے آپ اپنی جان کو یوں ہلکان کریں گی؟"

"تم سے کس نے کہا ہے کہ میں اس کے غم میں ایسا کر رہی ہوں؟" دل آویز کا لہجہ ترش تھا۔

ملازمہ گڑبڑا گئی۔

"نہ جی مجھے کون کہے گا۔ مجھے تو آپ کی حالت پہ خود ہی ترس آتا ہے۔" دل آویز نے چبھتی ہوئی نگاہیں ملازمہ پہ جما دیں۔

"تم کون ہوتی ہو مجھ پہ ترس کھانے والی؟"

"نہ بی بی جی! توبہ توبہ میں بھلا کی کمین آپ پہ ترس کی باتیں کروں۔ وہ تو جی مجھے آپ سے اور دل

نشین بی بی سے دلی لگاؤ ہو گیا ہے۔ اس لیے بول بھی پڑتی ہوں۔ گناہ گار زبان ہے ناں جی اس لیے پھسل بھی جاتی ہے۔ ویسے ایک بات کہوں۔ اپنی نئی نویلی بھاوج کو دیکھیں دو دن ہوئے ہیں اس گھر میں رہتے ہوئے اور کیسے دندناتی پھر رہی ہے۔ جیسے برسوں سے اسی گھر میں رہ رہی ہو۔"

"ہو گئی تمہاری بکواس ختم؟"

"جی جی!" ملازمہ کے لب سل گئے۔

"اب تم جا سکتی ہو۔" ملازمہ کے جانے کے بعد دل آویز نے اپنا سر تھام لیا۔

☆ ☆ ☆

طارق لاؤنج سے گزر رہا تھا کہ دلنشین کو فون پہ محو پا کر اس کے قدم رک گئے۔

آج کل وہ دلنشین میں بہت سی تبدیلیاں محسوس کر رہا تھا۔ خصوصاً فون پہ مصروفیت تو اس کی کچھ زیادہ ہی ہو گئی تھی۔ تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ پردے کے پیچھے کھڑا رہا۔

دلنشین ابھی منہمک تھی کہ اس نے کسی کی آہٹ محسوس ہی نہیں کی۔

"دیکھو بات یہ ہے۔ اس روز جو کچھ بھی ہوا اس میں سراسر عامر کا قصور تھا۔ اسے تو اپنے رویے پہ ذرا بھی ندامت نہیں ہوئی اور تم تھے کہ ندا سے معافیاں مانگنے چلے گئے۔"

"ہاں مجھے برا لگا۔ تمہیں اچھی طرح پتا ہے ندا کتنی پراؤڈ لڑکی ہے۔ اس نے صرف مجھے زچ کرنے کے لیے تمہیں نیچا دکھایا ہے۔"

"راحیل تم نہیں سمجھ سکتے اس بات کو۔ لیکن میں تمہیں وارن کر رہی ہوں۔ آئندہ تم ندا سے دوستی نہیں رکھو گے۔"

"فار گاڈ سیک، تمہیں پتا ہے اپنے گروپ میں کس طرح اترا اترا کر تمہیں ڈیل کیا ہے اس نے؟"

"اس بات کی تکلیف سب سے زیادہ مجھے ہو رہی تھی۔ اچھی طرح جانتی ہے وہ۔"

"ہاں سب جانتے ہیں کہ میں تمہارے لیے حساس ہو جاتی ہوں۔" دلنشین کا لہجہ دھیما اور معنی خیز تھا۔ پھر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"یعنی میرے منہ سے سننا چاہتے ہو تم...؟ بائی دا وے اتنے نادان تو تم بھی نہیں ہو۔" یہ کہہ کر دلنشین پھر ہنسنے لگی۔ اس کی ہنسی میں شرارت تھی۔

طارق پردے کے پیچھے سے نکل کر سامنے آ گیا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے دوسرے صوفے پر جا کر بیٹھ گیا۔

دلنشین نے طارق کو دیکھ کر بات مختصر کرتے ہوئے فون بند کر دیا اور چپ چاپ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ طارق تذبذب میں بیٹھا رہا کہ کیا کرے۔

ماں اور باپ کی توجہ دلنشین اور معیز پہ بالکل بھی نہیں تھی۔ ولید کو وہ ایک طرح سے اپنے ہاتھوں سے کھو چکے تھے۔ معیز بظاہر ماں باپ کے سامنے جی حضوری کرتا رہتا لیکن در پردہ اس کے حالات بھی ٹھیک نہیں تھے۔

طارق نے اس کے دوستوں سے مل چکا تھا اور معیز کو برا بھلا بھی کہہ چکا تھا جس کا اثر یہ ہوا تھا کہ اس نے طارق کے سامنے آنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

طارق کچھ سوچتے ہوئے دلنشین کے کمرے میں آ گیا۔ دلنشین یونیورسٹی جانے کے لیے اپنے کپڑے پریس کر رہی تھی۔

"آج کوئی خاص فنکشن ہے یونیورسٹی میں، جو خاص تیاری ہو رہی ہے؟" اس کے لباس کی طرف دیکھتے ہوئے طارق نے ملائمت سے پوچھا تھا۔

دلنشین نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور کندھے اچکا کر ہنستے ہوئے بولی۔

"آج صبح صبح میرے کمرے میں آنے کی کوئی خاص وجہ ہے کیا؟"

وہ پہلے ہی یہ بات محسوس کر چکا تھا جب سے اس کی شادی ہوئی تھی۔ دلنشین اس کی پہلے کی طرح عزت نہیں کرتی تھی۔

"کیوں کیا میں پہلے تمہارے کمرے میں کسی خاص وجہ کے تحت آتا تھا؟" طارق مسکراتے ہوئے بیٹھ گیا۔

اس کے بیٹھنے پہ دلنشین کو سنجیدہ ہونا پڑا۔

"طارق بھائی! کوئی کام تھا مجھ سے؟"

"کام تو میں تم سے پہلے بھی نہیں کرواتا تھا۔ ہاں البتہ ضروری بات ضرور کرنی ہے۔ میں نے ابھی تمہاری فون پہ گفتگو سنی تھی۔" یہ کہہ کر طارق نے ذرا توقف کیا پھر دلنشین کی طرف دیکھ کر بولا۔

"یہ بات شاید میں نظر انداز کر بھی دیتا۔ لیکن کچھ دن سے میں تمہارے اندر غیر معمولی تبدیلیاں محسوس کر رہا ہوں۔ جب گھر کی گاڑی اور ڈرائیور تمہیں پک اینڈ ڈراپ کرتے ہیں تو اس کے باوجود تم اپنی دوستوں کے ساتھ کیوں آتی ہو؟"

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" دلنشین انجان بن کر بولی۔

"کبھی کبھار میرے پیریڈز فری ہوتے ہیں۔ تب میں اپنی دوستوں کے ساتھ آ جاتی ہوں۔"

"جانتا ہوں لیکن فی میل دوستوں کے ساتھ آنا جانا اور بات ہے اور میل دوستوں کے ساتھ آنا جانا اور بات۔"

"فار گاڈ سیک۔" دلنشین نے گویا مذاق اڑایا۔

"جب میں کو ایجوکیشن میں تعلیم حاصل کر رہی ہوں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے میرے دوست میل ہوں یا فی میل۔"

"فرق پڑتا ہے۔ کیوں فرق نہیں پڑتا، ہم لوگ کتنا بھی ترقی پسند بن جائیں لیکن اپنی روایات سے انحراف نہیں کر سکتے۔"

"میں جانتی ہوں ان سب باتوں کو۔" دلنشین کو جیسے اکتاہٹ محسوس ہوئی تھی "اور ماما، پاپا بھی جانتے ہیں سب کچھ انہوں نے مجھ پہ اعتماد کیا ہے میرے لیے یہی بہت ہے۔"

"ان کا اعتماد کرنا سب کچھ نہیں ہے۔ تمہارا اعتماد برقرار رکھنا سب کچھ ہے۔ لڑکوں سے اس طرح باتیں کرنا اور مراسم بڑھانا۔ ہمارے خاندان کا شیوہ نہیں

www.pkdigest.com

ہے۔ اگر تم نے اپنا رویہ تبدیل نہ کیا تو سمجھ لینا تمہیں پہلے ہی سال یونیورسٹی کو خیرباد کہنا پڑے گا۔ کیونکہ 'ماما' بابا نے میری ہی سفارش پہ تمہیں یونیورسٹی جوائن کرنے کی اجازت دی تھی۔"

یہ کہہ کر طارق کمرے سے نکل گیا اور دلنشیں حق دق رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"اصل میں بات یہ ہے کہ آپ سے بات کر کے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔"

"اچھا!" حور العین' ولید کی بات پہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"حالانکہ آج تک مجھے تو ایسا نہیں لگا کہ تم نے مجھ سے اپنے دکھ سکھ شیئر کیے ہوں۔"

"ارے بابا! دکھ سکھ تو دور کی بات ہے یہاں تو نارمل بات چیت کے لیے بھی انسان نہیں ملتے۔"

"حالانکہ تم لوگ یعنی تم بہن بھائیوں کی عمروں میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔" حور العین نے تعجب سے کہا۔ "اس کے باوجود بھی ہم لوگوں میں بے تکلفی نہیں ہے۔ مل بیٹھ کر ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرنا۔ دکھ درد شیئر کرنا یا کچھ اور۔ ایسا ماحول ہمارے گھر میں کبھی بنا ہی نہیں۔"

"اس کی کوئی خاص وجہ....؟" حور العین' ولید کے مقابل بیٹھ گئی۔

دل آویز آپا شروع سے ہی الگ تھلگ رہنے کی عادی تھیں۔ رہی سہی کسر ان کی شادی نے پوری کر دی۔ ان کی شادی ناکام ثابت ہوئی۔ ایک تو کریلا اوپر سے نیم چڑھا۔ طارق کو شروع سے ماما بابا کی نظروں میں اچھا بننے کا شوق تھا۔ اس لیے وہ ہمیشہ ان کی چمچہ گیری میں لگا رہتا تھا۔ مجھے اپنے دوست گھر سے باہر بنانا پڑے۔"

"یہ اور بات ہے کہ تمہیں سب ہی دوست لڑکیاں ملیں لڑکے نہیں۔" حور نے گویا اس کا مذاق اڑایا تھا۔

ولید اس بات پہ دل کھول کر ہنسا۔

"لڑکے بھی دوست ہیں لیکن لڑکیوں کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں ناں وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ بس انہی میں وقت گزر جاتا ہے۔"

"خیر سے کتنی ہیں؟" حور نے چھیڑا۔

"یوں تو بہت ساری ہیں۔ مگر خاص دو تین ہی ہیں۔"

"دو تین یعنی ایک بھی خاص نہیں ہے۔" اس نے جتایا تو ولید ہنسنے لگا۔ "کیا تمہاری اس ہابی پہ لے دے نہیں ہوئی؟" وہ یکدم سنجیدہ ہوئی۔

"روز مجھے گھر سے نکل جانے کا حکم ملتا تھا۔ لیکن اب یہ چیپٹر بھی کلوز ہو گیا۔ وہ اب کچھ نہیں کہتے۔ وہ کہتے ہیں وہ میرے مرنے کی حد دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"اور تم مر کر دکھا رہے ہو؟" حور نے افسوس سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں صرف اپنی من پسند زندگی گزار رہا ہوں۔ میں کسی دوسرے کی زندگی نہیں جی سکتا۔ زندگی کے چار دن ہیں اور بس۔" ولید کی بات پہ حور کے چہرے پہ اداسی چھا گئی۔

"میں بھی یہی سمجھتی تھی کہ زندگی کے چار دن ہیں اور بس۔"

"لیکن شادی کے بعد آپ کا سارا جوش ختم ہو گیا۔ ہے نا۔ یہاں کی آب و ہوا ہی ایسی ہے۔ زندہ انسانوں کا سانس رکنے لگتا ہے۔" ولید نے حور کی بات مکمل کی۔ پھر اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"ایک بات پوچھوں آپ سے 'سچ سچ' کہیں گی؟" حور نے استفہامیہ نگاہ ڈالی۔

"طارق کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے؟"

حور ہنس پڑی۔ اس کے لیے یہ سوال غیر متوقع ہی نہیں دلچسپ بھی تھا۔

"تمہیں زیادہ اندازہ ہونا چاہیے۔ آخر کل وہ تمہارا بھائی ہے۔"

"ایک بات کہوں۔ وہ جو کچھ کر رہا ہے ٹھیک نہیں ہے۔ ایک دن وہ خود پچھتائے گا۔ خیر چھوڑیں اس

بوسیدہ موضوع کو چلیں میں آپ کو کہیں گھما پھرا لاتا ہوں۔ جو آپ کی من پسند جگہ ہو وہاں سے آئس کریم کھا کر آتے ہیں۔" وہ کہتے ہوئے اٹھا تو حور نے ہچکچاتے ہوئے اس کی طرف دیکھا پھر گھڑی کی طرف۔ شام کے ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

"میرا خیال ہے پھر کبھی چلیں گے۔" فی الحال اسے یہی جواب بن پڑا۔

"کیا مطلب؟ آپ کو میرے ساتھ جاتے ہوئے ڈر لگ رہا ہے؟ برا سہی لیکن رشتوں کا احترام کرنا جانتا ہوں۔"

"ارے بھئی تم میری بات کا غلط مطلب سمجھے۔ میرا مطلب تو صرف اتنا تھا کہ ... کم از کم ماما سے تو پوچھنا پڑے گا اور وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

"کم آن۔ اتنی سی بات تھی۔ آپ ایسا کریں۔ طارق سے فون پہ پوچھ لیں۔ پوچھنا بھی کیا ہے۔ بس اسے بتا دیں کہ آپ میرے ساتھ ذرا باہر تک جا رہی ہیں۔ کتنے دن ہو گئے ہیں۔ اس نے خود تو اس بات کا خیال نہیں کیا شاید میرا ساتھ دیکھ کر اسے خیال آ جائے۔"

ولید کی کہنے پہ حور منہ کھولے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کیسے طارق سے پوچھ سکتی تھی۔ طارق اور اس کے درمیان ایسا رشتہ ہی کب بنا تھا۔ ابھی تک تو ڈھنگ سے بات چیت بھی نہیں ہوئی تھی۔ حقوق و فرائض تو دور کنار۔

"کہاں کھو گئیں؟" اسے متذبذب پا کر ولید نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ تو وہ کچھ کھسیانی سی ہو گئی۔

"پتا نہیں 'یہ سب ٹھیک بھی ہے یا نہیں؟"

"گویا اندر سے آپ بھی وہی بودی 'بے وقوف اور بزدل ہیں۔" پھر یکدم سنجیدہ ہو کر بولا۔ "میں تو آپ کو بہت مختلف لڑکی سمجھتا تھا۔ آئی مین بولڈ اینڈ بریو تب ہی تو آپ نے سلامی میں بابا سے کیمرے والا موبائل فون مانگا تھا۔ اگر آپ معمولی لڑکی ہوتیں تو سسر سے ایک دم ایسی فرمائش نہ کرتیں۔"

نجانے ولید اس پہ طنز کر رہا تھا یا اسے سراہ رہا تھا۔

"وہ میرے سسر ہی نہیں ماموں بھی ہیں۔" حور چیخ سی گئی تھی۔ نہ جانے ولید طنز کر رہا تھا یا اسے سراہ رہا تھا۔

حور کو بہرحال دھچکا لگا تھا۔

"گویا اس بات کو گھر میں سب نے برا سمجھا ہے۔" شاید اسی لیے موبائل فون دیتے ہوئے طارق غصے میں تھا۔

"تم نے بابا سے موبائل فون کی فرمائش کی تھی؟" وہ غصے سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سے قبل وہ کچھ بولتی وہ بھڑک کر بول پڑا۔

"اپنی ضرورت کی اشیاء کی مجھے لسٹ بنا دیتیں۔ اپنی ضرورتوں کے لیے میں نے کبھی ماں باپ کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا ہے اور تمہاری لیے بھیک نہیں مانگوں گا۔" اس کے الفاظ تھے کہ تیر۔ حور کی روح لہولہان ہو گئی۔

"میں نے کسی سے بھیک نہیں مانگی۔ ماموں ہیں وہ میرے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"تو اپنی زبان کو لگام دو۔ اگر تم بابا سے بیس لاکھ کی گاڑی مانگتیں تو بھی وہ تمہیں انکار نہ کرتے۔ یہ تو صرف بیس ہزار کا موبائل سیٹ تھا۔"

طارق کی کنپٹیاں غصے سے سلگ رہی تھیں۔

"مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اپنی ضرورتوں کا ڈھنڈورا پیٹ کر تم مجھ پہ کیا جتانا چاہتی ہو؟"

"بس کریں پلیز بس کریں طارق!" حور رو پڑی تھی۔ "یہ سلامی کا تحفہ تھا۔ جو انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ فرمائش کر کے لوں۔"

"سلامی... ہاہا!" طارق طنزیہ مسکرایا۔

"اگر ایسا کچھ معاملہ تھا تو انہوں نے خود زحمت کیوں نہیں کی مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹا۔ یہ تحفہ تھا تو وہ تمہیں اپنے ہاتھ سے دیتے۔ میرے ہاتھ کیوں بھجوایا۔ صرف تمہاری نیچر مجھ پہ ثابت کرنے کے لیے فار گاڈ سیک۔"

طارق نے عالم طیش میں سر تھام لیا۔

"کیا تم اتنی نادان ہو۔ جس گھر میں تمہیں کسی نے خوش آمدید نہیں کہا۔ وہ لوگ تمہیں سلامی دینے کی

www.pkdigest.com

چاہ میں بیٹھے ہوں گے؟ تم نے خود مانگ کر تحفہ لیا، کتنی گھٹیا ہو تم یہی مسئلہ ہے تمہارا کہ تم معاملات کو سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتیں۔"

ولید نے اس کے سامنے ہاتھ لہرایا۔ تو وہ چونک پڑی۔

"کہاں کھو گئیں بھابی جان۔۔۔؟"

"کہیں نہیں۔ میرا خیال ہے۔ پھر کبھی چلیں گے۔"

"پھر کبھی نہیں۔ آج اور ابھی۔۔۔"

ولید نے ضد کرتے ہوئے حور کا ہاتھ پکڑ لیا۔ تب ہی کمرے کا دروازہ کھلا۔ سامنے ہی دلنشیں کھڑی تھی۔

وہ ولید کو حور کے کمرے میں دیکھ کر دنگ رہ گئی۔

"دلنشیں! آؤٹنگ کے لیے جا رہے ہیں ہم لوگ۔ تم چلوگی ہمارے ساتھ؟" ولید لاپروا انداز میں بولا۔

"آج کل کیا باہر کی دوستیاں ختم کر دیں۔ جو گھر میں نظر آنے لگے ہو۔"

دلنشیں کی آنکھیں چبھتی ہوئی اور لہجہ معنی خیز تھا۔

"سب پتہ چل جاتا ہے۔" ولید لاپروائی سے کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔

دلنشیں طنزیہ مسکرائی۔ اس کی آنکھوں میں چنگاریاں سلگ رہی تھیں۔ حور تو پہلے ہی جانا نہیں چاہتی تھی دلنشیں کے تاثرات سے مزید ٹھٹک گئی۔

"اگر تم جانا چاہ رہی تو چلی جاؤ۔ میں تو یہ بتانے آئی تھی کہ تمہارے گھر سے فون آیا تھا۔ غالباً" تمہاری اسٹیپ مدر تھیں۔" دلنشیں نے چباتے ہوئے کہا اور جانے کے لیے مڑ گئی۔ حور اس کے پیچھے پیچھے نیچے آ گئی۔

"فون ہولڈ پہ رکھا ہوا ہے یا۔۔۔؟" اس نے پوچھا۔ دلنشیں نے کوئی جواب نہیں دیا اور صوفے پہ بیٹھ کر ٹی وی آن کر لیا۔

حور نے فون اٹھایا۔ لائن کٹ چکی تھی۔

"شاید لائن کٹ گئی۔" حور نے زیر لب کہا۔

دل آویز اور دلنشیں دونوں ہی صوفے پہ ایستادہ تھیں۔

"تم فون ملالو۔ کیا تمہیں اپنے میکے کا فون نمبر یاد نہیں؟" دل نشیں طنزیہ مسکراہٹ سے بولی۔

"ویسے اتنی آسائش میں آنے کے بعد تو تم اپنے پچھلوں کو بھی بھول گئی ہوگی۔ فون نمبر تو بہت معمولی سی چیز ہے۔" یہ کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑی۔

حور کا جو دل چاہا تھا کہ ان کے پاس بیٹھے اور ان سے باتیں کرے یکدم ٹوٹ سا گیا تھا۔

وہ اسے جواب دے سکتی تھی مگر چپ چاپ مڑنے لگی۔ تب ہی دل نشیں بولی۔ "بائی دا وے تم لوگ جا کہاں رہے تھے؟" دل آویز نے ٹی وی کی آواز کم کر دی اور بہن کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"یہ ولید کے ساتھ آؤٹنگ پہ جا رہی تھی۔"

"میں۔۔۔ نہیں جا رہی تھی۔ ولید خواہ مخواہ کی ضد کر رہا تھا۔" حور نے دل نشیں کی بات کاٹی۔

"ایسی ضد اس نے کبھی ہمارے ساتھ تو نہیں کی۔" دل آویز کا لہجہ تیکھا تھا۔

"یہ تو آپ ولید سے ہی پوچھیں۔" حور کو یوں کھڑے میں کھڑے ہونا بالکل اچھا نہیں لگا تھا۔ یہ کہہ کر وہ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔

"ماما اور بابا کی بریفنگ دل آویز کے مسئلے کا حل نہیں ہے۔ آپ جیسی لڑکی سے دوستی اس کے مسئلے کا حل ہے۔ اگر آپ کی تھوڑی سی بولڈنیس دل آپا میں منتقل ہو جائے تو اس گھر کے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔"

"ہونہہ!" اس نے ولید کی گزشتہ گفتگو کو ذہن سے جھٹکا تھا۔

"دیکھا اس کا طمطراق۔۔۔" حور کے جانے کے بعد دلنشیں نے دل آویز کو اکسایا۔

"کیسے قابو کر رہی ہے یہ ایک ایک فرد کو، جبکہ ماما کہتی تھیں۔ اول تو وہ اس گھر میں آئے گی نہیں اور آ بھی گئی تو صرف ملازمہ بن کر رہے گی اور اب ماما کو پروا ہی نہیں ہے۔"

"تو تمہیں کیا ضرورت پڑی ہے ایسے لوگوں کی پروا کرنے کی۔" دل آویز نے بظاہر بے نیازی ظاہر کی

www.pkdigest.com

تھی۔ جبکہ اندر ہی اندر وہ بھی حور کے وجود سے چڑتی تھی۔

"آپ کی تو ایسی ہی عادت ہے۔ ہر چیز سے یکدم قطع تعلق ہو جانا۔ آپ بھی تو سسرال میں رہتی تھیں۔ اتنی آزادی کون دیتا ہے جس طرح یہ دندناتی پھرتی ہے۔"

"دلنشیں! ہزار بار کہا ہے تم سے میری ذات کو درمیان میں مت گھسیٹا کرو۔ اب ان گئے گزرے لوگوں کے لیے کیا میں ہی مثال بنوں گی۔"

دلنشیں۔۔۔ دل آویز کے رویے پہ اندر ہی اندر کڑھ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

طارق کمرے میں داخل ہوا تو حور بیڈ پر بیٹھی کپڑے تہہ کرنے میں مصروف تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ اس نے طارق کے کپڑے خود دھوئے تھے۔ اب تہہ کرتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی کہ وہ سوٹ پریس کر کے ہینگر کر دے گی۔ اسی خیال کے تحت اس نے وہ سوٹ دوسری جانب رکھ دیے۔ وہ طارق کا ہر کام خود کرنا چاہتی تھی۔ مگر حالات کو دیکھتے ہوئے خاموش تھی۔

صبح جب وہ آفس جانے کے لیے تیار ہوتا تھا۔ تو وہ اسے کن انکھیوں سے دیکھتی رہتی اور من ہی من میں سوچا کرتی کہ وہ اسے کوٹ پہنائے اپنے پسند کے رنگ کی ٹائی باندھے۔ اپنے ہاتھوں سے کلون چھڑکے۔ اپنے ہاتھ سے بنا ناشتا کھلائے۔ اس دوران طارق کی والہانہ نظروں کی رم جھم پھوار اس پہ برستی رہے۔ وہ جو بچپن سے ہی من ہی من میں طارق کو چاہتی آئی تھی۔ آج اس کے قریب ہو کر بھی کتنا دور تھی۔

وہ طارق کی قمیص ہاتھ میں لیے سوچوں میں گم تھی۔

"یہ میرے کپڑے یہاں کیا کر رہے ہیں؟" طارق صوفے پہ بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے بولا۔

حور چونک گئی۔ پھر سنبھلتے ہوئے بولی۔

"دھوئے تھے میں نے۔ تہہ کر رہی ہوں۔"

"تم نے۔۔۔ تم نے دھوئے تھے کپڑے؟" طارق کو خاصا اچنبھا ہوا تھا۔ حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں کچھ پوچھ رہا ہوں کہ تم نے میرے کپڑے کیوں دھوئے؟" طارق اس کے جواب نہ دینے پر چڑ گیا تھا۔

"ماما نے ماسی سے کہلوایا تھا کہ میں آپ کے کپڑے نیچے نہ بھیجوں اوپر ہی دھو لیا کروں۔" وہ کپڑے الماری میں رکھنے لگی تھی۔

طارق کو دھچکا لگا لیکن غصہ حور پہ ہی آیا۔

"تم نے غور کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟"

"میں کیا سوچتی اس بارے میں۔ انہوں نے کہہ دیا۔ سو میں نے کر لیا۔"

اس کی بے نیازی پہ طارق کے چہرے پہ تلخ مسکراہٹ بکھر گئی۔

"ہونہہ۔۔۔ اپنا وقار و عزت قائم رکھنا ہر ایک کا مزاج نہیں ہوتا۔ حقیقت تو یہی ہے کہ تم ان ہی معمولی کاموں کے لائق ہو۔" یہ کہتے ہوئے طارق نے موزے اتارے اور پاؤں سیدھے کرتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگا لی۔

حور کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ جو الماری میں کپڑے رکھ رہی تھی۔ پلٹ کر طارق کے سامنے آ گئی۔

"میرے ساتھ اتنا ہی کرو طارق! جتنا میں برداشت کر سکوں۔ اچھی طرح جانتے ہو تم مجھے۔ میں کیا ہوں اور کیا کر سکتی ہوں۔"

وہ غصے سے آگ بگولا ہو رہی تھی۔ اس کے سرخ ہوتے چہرے کو طارق نے بغور دیکھا۔

"کیا ہو تم۔۔۔ اور کیا کر سکتی ہو۔ بتاؤ؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔ حور نے منہ پھیر لیا۔ وہ یک دم کھڑا ہو گیا۔ بالکل اس کے مقابل۔

"بتاؤ۔ کیا کچھ کر سکتی ہو تم۔۔۔؟"

حور کی آنکھیں چھلک پڑیں۔ اس نے اپنا چہرہ جھکا لیا۔

"کیا میرا تمہاری زندگی میں آنا تمہارے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا؟" اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔

"ان جذباتی باتوں سے تم مجھے متاثر کرنا چاہتی ہو تو سنو۔ میں اس طرح متاثر نہیں ہو سکتا۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"میں کیوں متاثر کرنے کی کوشش کروں گی تمہیں۔" وہ بھڑک کر بولی۔ "میں اس طرح یہاں نہیں رہ سکتی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر چلی جاؤ یہاں سے۔ یہاں تو سب کچھ ایسا ہی رہے گا۔ حتیٰ کہ میں بھی۔۔۔"

اپنی ہتک پہ وہ لب کاٹ کر رہ گئی۔

وہ اسے ٹوٹتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

"میں، میں چلی جاؤں گی یہاں سے، ایک دن ضرور چلی جاؤں گی لیکن تمہیں اس چیز کا احساس دلا کر جاؤں گی طارق۔ کہ محبت کس کو کہتے ہیں۔ آج میں تڑپ رہی ہوں کل تم تڑپو گے۔ بس تمہارے اس خول کو توڑنا ہے جسے تم نے خود پہ حور العین سے بچنے کے لیے چڑھا رکھا ہے۔" اشکوں سے بھری آنکھیں اس نے بے دردی سے ہتھیلی سے رگڑ ڈالی تھیں۔

"یہ رومال لے لو۔ آنسو اس میں چھپ جاتے ہیں۔" وہ گویا اس کی بے بسی سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"اس میں آنسو ہی نہیں۔۔۔ اکثر چہرے بھی چھپ جاتے ہیں اس لیے اس کی ضرورت آپ کو زیادہ ہے۔"

وہ پلٹنے لگی تو طارق نے اسے بازوؤں میں لے لیا اور اس کی نم آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بولا۔

"کیوں آنسو بہا رہی ہو کون سے مظالم ڈھا رکھے ہیں میں نے تم پہ۔۔۔"

حور حق دق رہ گئی اور بلبلا کر اس کے بازوؤں کا گھیرا توڑنے کی کوشش کی۔ تو وہ طنزیہ مسکرا کر بولا۔

"یہی تو منافقت ہے تمہاری۔ بات کرو تو تمہیں غصہ آ جاتا ہے۔ قریب آؤں تو تم بھاگنے کی کوشش کرتی ہو پھر کس بات کی شکایت ہے تمہیں مجھ سے؟"

حور ابھی تک خود کو سنبھال نہیں پائی تھی۔ اس کی سانسیں اتھل پتھل ہو رہی تھیں۔

"یہ اکڑ لمحوں میں ختم ہو جائے گی اور میرے اوپر تمہارا کچھ قرض بھی باقی نہیں رہے گا۔ تھوڑا سا اپنی سطح سے نیچے اترنا تو پڑ رہا ہے لیکن۔۔۔ مجبوری اور بس۔۔۔" وہ بے چارگی سے ڈرامائی انداز سے ہنسا تھا۔

حور جل کر خاک ہو گئی۔ "مجھے تمہارے کسی احسان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اچھا۔۔۔!" وہ اس کی طرف دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ کہاں اس کا لمبا چوڑا سراپا اور کہاں اس کا دھان پان سا وجود۔۔۔ اتنی سختی تھی اس کے حصار میں کہ وہ اس کے سینے سے جا لگی تھی۔

اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ تب ہی اس نے طارق کے بازو میں دانت گاڑ دیے۔ طارق اس حملے کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ یک دم اس کے بازو ڈھیلے پڑے اور وہ آزاد ہو گئی۔ وہ درد سے بلبلا اٹھا تھا۔

"حور العین۔۔۔ اتنی معمولی نہیں ہے۔ وہ پورے وقار کے ساتھ تمہارے گھر میں آئی ہے۔ اور اسی وقار کے ساتھ تمہاری زندگی میں بھی شامل ہو گی اور اس کے لیے تمہیں اپنی سطح سے نیچے نہیں سطح پہ رہ کر اس کا استقبال کرنا ہو گا۔ بصورت دیگر وہ ساری عمر یونہی بھی گزار سکتی ہے۔" اس کی آنکھوں میں کھلا چیلنج تھا۔

طارق ہنس پڑا۔ جیسے کسی بچے کی بات پہ ہنس پڑتے ہیں۔ پھر مزے سے بیڈ پہ نیم دراز ہوتے ہوئے بولا۔

"ایک بات کہوں تم سے۔۔۔ شاید تمہیں میری نرمی نے خوش فہمی میں مبتلا کر دیا ہے کہ تم بہت بہادر ہو اور ایسے معمولی ہتھکنڈوں سے پناہ کا راستہ اختیار کر لو گی۔" وہ اپنے بازوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ لیکن مسز طارق! بات سنو۔۔۔ یہ صرف تب تک ہے جب تک میں چاہوں۔ جب میں ہی ہٹ دھرمی پہ اتر آؤں گا تو تم کیا کرو گی۔"

اس کی ہنسی۔۔۔ حور العین کو نہایت ہی گھٹیا لگی تھی۔

"میں سمجھتی تھی۔۔۔ تم پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے

www.pkdigest.com

انسان ہو لیکن یہ میری غلط فہمی تھی۔ تم بھی عام سے گھٹیا مرد ہو جو عورت کی عزت کرنا نہیں جانتا۔ اسے صرف ایک "چیز" سمجھتا ہے۔ لیکن حور العین تمہاری کسی ضرورت کا سامان نہیں بنے گی۔"

وہ ہنس پڑا۔ "تم یوں کرو ماما کی تنظیم جوائن کرلو۔ اچھی خاصی تقریر کرنا آتی ہے تمہیں۔"

اس کے طنز پہ حور کلس کر رہ گئی اور دروازہ پٹختے ہوئے باہر نکل گئی۔

طارق اب بھی مسکرا رہا تھا۔ "بہت بے وقوف ہو حور العین! تمہاری یہی بے وقوفیاں مجھے نقصان پہنچا رہی ہیں۔ لیکن تم سمجھنا ہی نہیں چاہتیں۔" اس نے اپنے بازو پہ ہاتھ رکھا۔ جہاں اب بھی میٹھا میٹھا درد محسوس ہو رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بہت دنوں سے میں سوچ رہی تھی کہ آپ سے بات کروں لیکن آپ کی مصروفیت شاید ایسی ہے کہ گھر کے لیے آپ کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔"

وہ ابراہیم صاحب کے اسٹڈی روم میں ان کے مقابل بیٹھی ہوئی تھی۔

"آج سب لوگ باہر گئے ہوئے تھے۔ تو میں نے سوچا۔"

وہ جھجکتے۔۔ ہوئے بول رہی تھی۔ جو اس کی فطرت کو جانتے ہوئے ابراہیم صاحب کو بہت مختلف لگا تھا۔

"ہاں۔۔ ہاں۔۔ کیوں نہیں۔ دراصل میری مصروفیت کچھ ایسی ہی ہے۔ رات دیر سے گھر آنا۔ صبح جلدی چلے جانا۔ اکثر میرے بچوں کو بھی مجھ سے یہی شکایت ہوتی تھی لیکن اب سب نے حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے۔ تم سناؤ۔ تمہارا دل لگ گیا یہاں۔۔۔؟"

"دل۔۔۔!" حور کو یہ لفظ عجیب سا لگا تھا۔

"کیا بات ہے تم بہت چپ چپ سی رہنے لگی ہو یا میں ہی محسوس کررہا ہوں۔"

حور نے سر جھکالیا۔

یہ وہی ماموں تھے۔ جو سب سے زیادہ نانو کے پاس آتے تھے اور سب سے زیادہ اسے پیار کرتے تھے اور اس کے منہ سے نکلا ہر لفظ پورا کرتے تھے وہ۔ کبھی ان کے کاندھوں پہ جھول رہی ہوتی تھی۔ تو کبھی ان کی گود میں بیٹھی نانو کی اور ان کی باتیں محویت سے سن رہی ہوتی تھی۔ نانو کے بعد سب ہی بدل گئے تھے۔ حتیٰ کہ ماموں بھی۔

"میں جانتا ہوں کہ تم کیا سوچ رہی ہو؟" ابراہیم صاحب نے کتاب بند کرکے؟ ساری توجہ اس کی طرف کرلی۔ حور نے چہرہ اٹھایا اور سوالیہ نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔

"یہی کہ میں نے تمہاری سلامی کا تحفہ تمہیں خود کیوں نہیں دیا۔ حور بیٹا! بات یہ ہے۔ بہت سی مجبوریاں انسان کو بری طرح بے بس کردیتی ہیں۔ میں خدانخواستہ کسی کے زیر اثر نہیں ہوں لیکن میں اپنی دونوں بچیوں کے معاملے میں بہت حساس ہوں۔ دل آویز کو سسرال میں وہ خوشیاں نہیں ملیں جو اس کا حق تھا۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے کسی عمل سے دل آویز کا دل دکھے اور وہ خود کو تنہا محسوس کرے۔ وہ بہت حساس ہے اور دن بدن اکیلی ہوتی جارہی ہے۔" یہ کہتے ہوئے ابراہیم کے چہرے پہ دکھ کی پرچھائیاں گہری ہوگئیں۔

"فی الحال میں نے طارق کا ہنی مون کا پروگرام بھی کینسل کروادیا ہے۔ صرف اسی وجہ سے۔ میرا خیال ہے تم سمجھ دار ہو۔ سمجھ سکتی ہو۔"

حور نے حیرت سے ابراہیم صاحب کی طرف دیکھا۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی۔ آنسو گویا دل پہ گرا تھا۔ کیا حساس دل آویز ہی ہے؟ کیا دل آویز کے ہی سینے میں دل دھڑکتا ہے؟ کیا صرف وہی انسان ہے؟ کیا صرف اسی کا استحصال ہوا ہے؟ میرے ساتھ جو ہورہا ہے۔ وہ کیا ہے؟

وہ صبح کے واقعہ کو یاد کرتے ہوئے انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے بیٹھی تھی۔

طارق نے صبح اسے یہ حکم دیا تھا کہ وہ کچن کی ذمے داری سنبھالے کہ وہ یہاں صرف روٹیاں توڑنے نہیں آئی ہے۔

وہ کام چور کبھی بھی نہیں تھی اور اسے تو دل لگانا تھا، وقت گزارنا تھا۔ خواہ کاموں میں ہی لگ کر۔

جب وہ کچن میں آئی تو دل آویز اپنے لیے ناشتا بنا رہی تھی۔

"لائیں آپی! میں بنادیتی ہوں آپ کا ناشتا۔"

"آ۔۔۔پ۔۔۔!" دل آویز نے حیرت سے حور کی طرف دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ آپی۔۔۔ میں آپ کا ناشتا بنادیتی ہوں۔"

"واٹ ڈو یو مین۔ تم مجھ سے بڑی ہو۔ ماما بتاتی ہیں۔ ماما کی تو شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ تب سے تم دادو کے پاس ہوا کرتی تھیں۔"

وہ ہنس پڑی۔ "آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے۔ نانو بتاتی تھیں۔ میں تو لیدے سے بھی چھوٹی ہوں۔"

"ضرورت سے زیادہ اسمارٹ بننے کی کوشش نہ کرو۔"

"میں نے ایسی کون سی بات کی ہے۔ جس سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا۔"

حور کا اتنا کہنا تھا کہ دل آویز نے چلانا شروع کردیا۔

"ماما۔۔۔ ماما۔۔۔ ماما! کہاں ہیں سب لوگ؟"

دلشاد فوراً کچن میں آگئیں۔

"کیا مسئلہ ہے دل۔۔۔! اتنی صبح کیوں چلا رہی ہو؟"

یکدم وہ حور کو دیکھ کر چپ ہوگئیں۔

"ماما! کیا اب میں کچن میں بھی نہیں آسکتی؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" دلشاد نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے بیٹی کی طرف دیکھا پھر اس کی جانب کڑی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"تم نے کیا کہا ہے دل کو؟"

"میں نے تو کچھ نہیں کہا۔"

"تم نے کچھ نہیں کہا تو یہ ناشتا ایسے ہی چھوڑ کر چلی گئی۔" حور نے دیکھا، دل آویز کچن سے نکل چکی تھی۔

"تمہاری کچھ نہیں لگتیں۔ صرف اس کی لگتی ہو جو تمہیں خدا ترسی میں بیاہ کرلایا ہے۔ یتیم و مسکین سمجھ کر۔"

ان کا اشارہ ابراہیم صاحب کی طرف تھا۔

"مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم میری بیٹیوں سے برابری کرو۔"

"نانی! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔" حور نے وضاحت کی کوشش کی۔

"میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں تم کو جو تربیت ملی ہے اسے اپنے تک ہی محدود رکھنا۔ تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہوگا۔"

پھر باہر جاتے جاتے مڑیں۔

"دل آویز بارہ سے ایک کے درمیان ناشتا کرتی ہے اور دن بھر میں وہ صرف ناشتا ہی لیتی ہے۔ اس کے سر پر سوار ہو کر اس کی واحد غذا بھی ختم مت کروینا۔"

ان کے جانے کے بعد حور کو اپنا آپ نہایت کمتر لگا تھا۔

اس کی آنکھیں نم ہونے لگی تھیں اور اسے پتا ہی نہیں چلا کب یہ قطرے اس کی جھولی میں گر کر اس کا دامن تر کرنے لگے۔

ابراہیم صاحب کی نگاہ پڑی تو وہ یکدم خاموش ہوگئے۔

"تم رو رہی ہو بیٹا؟" چند ساعتیں خاموشی سے سرک گئیں۔ "تم خوش نہیں ہو بیٹا!"

ان کی نگاہیں حور کے چہرے پہ ٹکی تھیں۔

وہ چاہتے ہوئے بھی نظریں نہ چرا سکی۔

☼ ☼ ☼

"سنیئر رات ہی آیا ہے۔ اس کے لیے خصوصی ڈشز تیار کروالینا۔ شام کو ماما کے چند گیسٹ بھی آئیں گے۔ کھانا اچھا بننا چاہیے۔ لاؤنج کی صفائی تمہیں خود کھڑے ہو کر کروانا پڑے گی۔ کیونکہ ماما کے خصوصی گیسٹ آرہے ہیں۔ میرے کپڑے بھی شام کو تیار ہونا چاہئیں اور ہاں اپنا حلیہ بھی درست کرلینا۔ کام کاج کے لیے اتنے ملازمین موجود ہیں۔ اس کے باوجود

تم ماسی بنی پھرتی ہو۔ تمہیں شاید پتا نہیں ماما کو ایسے بکھرے اور گندے حلیے سے کتنی چڑ ہے۔ کسی دن انہوں نے غور کر لیا ناں تو تمہاری اچھی خاصی کلاس ہو جائے گی۔"

وہ آئینے میں ٹائی باندھتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔ جو بستر کی چادر درست کر رہی تھی۔

لمبی سی بالوں کی چوٹی ایسے ہی بکھری الجھی پڑی تھی۔ گہرے نیلے رنگ کا پرنٹڈ سوٹ، جو وہ تین دن سے دیکھ رہا تھا۔

"گھر کے ملازمین بھی کیا سوچتے ہوں گے۔" کڑھتے ہوئے وہ جوتے پہننے لگا تھا۔

"تو گویا میں اپنا حلیہ اس لیے درست رکھوں کہ ملازمین آپ کے بارے میں کیا سوچیں گے اور ماما۔ انہیں گندگی سے نفرت ہے۔ اس لیے مجھے بج سنور کر رہنا چاہیے۔ ہے نا...؟" وہ جھٹکے سے سیدھی ہو چکی تھی۔ "تو میری بات سنیں۔ ماما کے چہیتے فرزند۔ میں ماما کے نکاح میں نہیں آئی ہوں۔ میں جس کے نکاح میں آئی ہوں۔ جب اسے ہی پروا نہیں تو مجھے دوسروں کے لیے بجنے سنورنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تمہاری یہ ہٹ دھرمی مجھے ہمیشہ سے زہر لگتی ہے اور تم یہ اچھی طرح سے جانتی ہو۔"

"اور آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہٹ دھرمی نہیں ہے۔ بائی دا وے یہ گھریلو کاموں کی ذمہ داری آپ نے اٹھا رکھی ہے۔ جو بھی کام ہوتا ہے۔ آپ ہی آرڈر جاری کرتے ہیں۔ یہ آپ سے آپ کی ماما کہلواتی ہیں یا بچپن سے یہ آپ کی ذمہ داریوں میں شامل تھا؟"

وہ حور کی بات پہ چکرا سا گیا۔ ظاہر ہے دل میں شرمندگی بھی محسوس ہوئی تھی۔ مگر اس شرمندگی کو ظاہر کر کے وہ چھوٹا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"جب گھر میں خواتین کی کارکردگی صفر ہو گی تو ظاہر ہے مردوں کو تو الو ہونا ہی پڑے گا۔"

اسے کہنے کے بعد احساس ہوا کہ وہ یہ جملہ کہہ کر خود پھنس گیا ہے۔

"اوہ، ہو، اچھا۔ اب سمجھی۔ اس گھر کی خواتین اتنی پھوہڑ اور غیر ذمے دار ہیں کہ آپ کو یہ کام سنبھالنا پڑتا ہے۔ تو پہلے بتاتے نا۔ اب آپ بے فکر ہو جائیں۔ میں آگئی ہوں ناں۔ ملازموں کے سارے عیش ختم۔" وہ چٹکی بجا کر بولی تو وہ بھنا گیا۔

"ضرورت سے زیادہ ہوشیار بن رہی ہو حالانکہ میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کتنی قابل ہو۔"

"ظاہر ہے۔ آپ تو میرے بچپن کے استاد رہ چکے ہیں۔ یہ جو میں تھوڑی بہت آپ کی عزت کرتی ہوں صرف اسی بنیاد پہ کرتی ہوں۔ ورنہ آپ کو آتا ہی کیا ہے۔ سوائے غرانے چلانے اور......"

اس کے ساتھ ہی حور کی زبان بند ہو گئی۔ طارق نے سختی سے اس کی کلائی دبوچ لی تھی۔

"اور......؟" وہ غراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

تب ہی طارق کا موبائل فون بج اٹھا۔ حور جو یک دم سہم گئی تھی۔ فوراً "متحرک ہو گئی اور جھک کر بولی۔ "فون اٹینڈ کریں۔ ہو سکتا ہے ماما کا ہی ہو۔ انہیں مزید کام نہ یاد آگیا ہو۔"

اور یک دم اسے کو یاد آیا کہ ماما نے پارلر جانا تھا اور وہ اس کا انتظار کر رہی ہوں گی۔

اس نے جھٹکے سے حور کی کلائی چھوڑ دی اور اپنے سیل فون پہ نمبر دیکھتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

حور تاسف سے اس کی پشت دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"پورے لان کا ستیاناس کر رکھا ہے۔ کم از کم بے موسمی پودوں کو تو ایک طرف کر دیا کریں۔ تاکہ یہاں جنگلی گھاس نہ نکلے۔"

وہ مالی سے الجھتے ہوئے مٹی کی گوڈی کر رہی تھی۔ پھر تھک گئی تو کھرپی مالی کو تھمایا۔

"مجھے تو اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں۔ آپ کیا یہاں میری شکل دیکھنے کو کھڑے ہیں۔ جلدی جلدی کام نمٹائیں۔ میں نے ابھی لاؤنج کی صفائی بھی کرانی

ہے۔" وہ ہاتھوں سے مٹی جھاڑ رہی تھی۔
دل آویز کسی کام سے باہر نکلی تھی۔ وہ حور کو لان کی صفائی کرتا دیکھ کر بھڑک گئی۔
"مالی بابا! کیا ڈراما ہو رہا ہے یہاں۔۔۔؟"
مالی حور کی شکل دیکھنے لگا۔
"انہیں بتاؤ کہ ہم لان کی صفائی کر رہے ہیں اور بلکہ تقریباً" کر چکے ہیں۔" حور نے مالی سے کہا تو وہ پریشان ہو گیا۔
"یہ جواب آپ خود دے دیں تو زیادہ بہتر ہو گا۔"
"یہ سارے لان کا کیا ستیاناس کر ڈالا ہے اور یہ کیا کیا ساری ہی بیلیں کاٹ دیں۔" دل آویز چیخ پڑی۔
"میں اندر جا رہی ہوں۔ فارغ ہو جاؤ تو مجھ سے مل لینا۔ میں نے نئے پودے منگائے ہیں۔" حور یہ کہہ کر اندر چلی گئی۔
مالی اپنی شامت کے لیے منتظر کھڑا تھا۔
"کس نے کہا تھا تم سے یہ سب کرنے کے لیے؟"
دل آویز بری طرح بھڑک چکی تھی۔
"کسی نے نہیں جی۔ میری ہی مت ماری گئی تھی۔ اس لیے میں نے سارا لان چٹیل کر دیا۔ یہ میں جوتی اور یہ میرا سر۔" مالی سر پکڑ کر دل آویز کے سامنے بے چارگی سے بیٹھ گیا تھا۔ دل آویز غصے سے اسے گھورتی رہی پھر جز بز ہوتی اندر چلی گئی۔
مالی نے سر اٹھایا بلا ٹل چکی تھی۔ تشکر سے آسمان کی طرف دیکھا۔ لاؤنج کی سیٹنگ کرانے کے بعد حور بے حد مطمئن تھی۔
اب اسے دل جمعی سے کھانا پکانا تھا اور اس کے بعد پھر اپنی تیاری۔

☆ ☆ ☆

مکمل تیاری کے بعد اس نے تنقیدی نگاہ خود پہ ڈالی۔ نمایاں قد، چھریرا جسم جس پہ بلیک ساڑھی غضب ڈھا رہی تھی۔ بالوں کو کھلا چھوڑنا اچھا نہیں لگا تو اس نے انہیں جوڑے کی شکل دے دی تھی۔ ہلکے سے میک اپ نے اس کو ایک منفرد شکل دے دی تھی۔ پاؤں میں نفیس سی چھوٹی ہیل والی چپل تھی جسے پہن کر چلنے پھرنے میں اسے کسی قسم کی کوئی دشواری نہیں تھی۔ کانوں میں چھوٹے چھوٹے آویزے اور چھوٹا سا نیکلس۔ کانچ کی چوڑیاں البتہ اس نے کلائیاں بھر کر پہنی تھیں۔
وہ کمرے سے نکل رہی تھی۔ تب ہی طارق سے سے ٹکراؤ ہو گیا۔
وہ تو اس کا روپ دیکھ کر ساکت ہی رہ گیا تھا۔ وہ اسی بے نیازی سے آگے بڑھنے لگی تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
"تم۔ اتنی جلدی تیار ہو گئیں۔ تمہیں پتا ہے ابھی صرف آٹھ بجے ہیں۔ جبکہ گیسٹ دس بجے تک آئیں گے۔" وہ شاید اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔
"تو مجھے ایسا کون سا کام کرنا ہے جو میری تیاری خراب ہو جائے گی اور گیسٹ دس کے بجائے نو بجے بھی تو آ سکتے ہیں۔"
"تمہیں تمہیں معلوم۔ ماما کے سارے فنکشن لیٹ ہوتے ہیں۔ اس لیے اس حلیے میں باہر چلنے پھرنے سے بہتر ہے بیٹھی رہو۔" کسی نہ کسی بہانے سے اسے باہر جانے سے روکنا تو تھا نا۔
"کچن میں بہت سا کام پڑا ہے۔ اوون میں روسٹ رکھا ہے، کھیر پہ ابھی بادام کاٹ کر ڈالنا ہیں اور ہاں گرین ٹی بھی بنانا ہے۔"
"اوف! سارے کام کیا تمہارے ہی ذمہ ہیں۔" وہ جھنجلا کر بولا تو حور حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئی۔
طارق کو فوراً" ہی احساس ہو گیا کہ وہ کیا کہہ گیا ہے۔
"اچھا۔ جاؤ۔ مجھے بھی تیار ہونا ہے۔" حور کھڑی رہی۔ پھر توقف سے بولی۔
"کیا مو بھی ہوں گے اس پارٹی میں۔۔۔؟"
"پتا نہیں۔" وہ جھنجلا کر بولا تھا۔
حور نے پھر حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ وہ

اسی طرح جھنجلاتا واش روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

حورالعین پوری محفل میں ہر لحاظ سے نمایاں تھی۔ جہاں کھانے کی تعریف ہوتی تھی۔ وہاں حورالعین کے حصے میں داد آئی تھی۔
"آخر مہمانوں کو یہ بات کس نے بتائی ہے کہ کھانا ان محترمہ نے بنایا ہے۔" دل نشیں کلستے ہوئے دل آویز سے پوچھ رہی تھی۔
جبکہ دل آویز جواب دینے کے بجائے سوچ رہی تھی کہ آئے دن ماما کی ایسی تقریبات ہوتی ہیں۔ بھی اتنی کھما کھمی نہیں ہوئی جتنی آج ہے۔ اگر وہ بھی ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں دلچسپی لے تو حور سے بھی زیادہ داد حاصل کر سکتی ہے اور اگر آج کی سب کچھ اس نے کیا ہوتا تو آج پوری محفل کی جان وہ ہوتی۔ ہر ایک اس میں دلچسپی لے رہا ہوتا۔ اس کا لباس، اس کا انداز کچھ بھی تو ایسا نہیں تھا کہ پہلی بار تعارف کے بعد کوئی اس سے بات بھی کرے۔ آخر اس نے ایسی بات پہلے کیوں نہیں سوچی۔
حور اب سب کو قہوہ پیش کر رہی تھی۔ اس کا لباس، اس کا انداز، وہ ہر ایک سے اس طرح مل رہی تھی جیسے برسوں سے انہیں جانتی ہو۔ وہ پورے ماحول پہ چھا گئی تھی۔
دل آویز کا دل چاہا اٹھ کر جائے اور اسے ابھی کہیں غائب کر دے۔ منظر سے ہٹا ڈالے۔
"دل! قہوہ لو گی؟" حور کی آواز پہ وہ چونک پڑی۔ دل آویز کو اس کے سامنے اپنا آپ بہت چھوٹا اور معمولی لگا۔
"مو بہت ہی خوبصورت ہے تمہاری۔ ایسی بہو اگر میرے بیٹے کے لیے مل جائے نا تو میرا بڑھاپا سنور جائے۔" کوئی خاتون کہہ رہی تھیں۔
دلشاد بیگم مسکرا مسکرا کر مبارک باد وصول کر رہی تھیں اور دل ہی دل میں اپنی بیٹیوں پہ کڑھ رہی تھیں۔ جو خوش شکل اور پڑھی لکھی ہونے کے باوجود اس صلاحیت سے محروم تھیں۔

☆ ☆ ☆

"مو وھوکا میں نے دل آویز کے معاملے میں کھایا ہے۔ اب میں اس سے پچھتا رہی ہوں۔ میں پڑھا لکھا اور سلجھا ہوا گھرانہ تلاش کر رہی ہوں اور تم لوگ ہو کہ بالکل بھی آگے نہیں آتیں۔ پیچھے پیچھے رہتی ہو۔"
"آپ کا کیا مطلب ہے۔ ہم ملازموں کی طرح جھک جھک کر لوگوں کی خدمتیں کریں گے۔ تب ہی انہیں نظر آئیں گے۔ کم از کم میں نے اتنا گر کر نظر نہیں آنا۔ میں سیٹھ ابراہیم کی بیٹی ہوں۔ میرے لیے یہ تعارف ہی بہت ہے۔"
یہ دل نشیں تھی۔ جسے ماں کا لیکچر صرف اس لیے برا لگا تھا کہ ماں نے ان کا موازنہ حورالعین سے کیا تھا۔ دلشاد بیگم بیٹی کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔
وہ مہمانوں کے درمیان ایسے چمک رہی تھی جیسے وہی گھر کی مالکہ اور اصل میزبان ہے اور یہ بات سب کو کس نے بتائی تھی کہ کھانا اس نے پکایا ہے۔ ظاہر ہے اس نے خود ہی بتائی تھی۔
انہوں نے کہا تو دل نشیں ڈر گئی۔
"ماما! آپ نے بھی تو حد کر دی۔ سارا گھر اسے سونپ دیا۔"
"اصل میں بات یہ ہے کہ ماما کو اپنی سرگرمیوں کو برقرار رکھنے کے لیے ایک گھر سنبھالنے والی کی ضرورت تھی۔"
معیز جو بہت دیر سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ درمیان میں بول ہی پڑا۔
"تو یہ کام دل آویز کریں گی۔ کم از کم میں تو اتنی فارغ نہیں ہوں کہ گھریلو سیاست کے چکر میں باورچن بن جاؤں۔" دل نشیں کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔
دلشاد بیگم نے پہلی بار سوچا کہ دل نشیں بہت منہ پھٹ اور بدتمیز ہو چکی ہے۔ دلشاد بیگم اتنا بھی صرف اس لیے سوچ سکتی تھیں کہ وہ فلاحی این جی او سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ جہاں دن رات اخلاقیات پہ لمبی چوڑی بحث

www.pkdigest.com

ہوا کرتی تھی۔ دلشاد بیگم نے بذات خود کبھی کوئی تقریر نہیں کی تھی۔ انہیں لکھنا تو کیا پڑھنا بھی نہیں آتا تھا لیکن کچھ کچھ کرنا ضرور آگیا تھا۔ ابراہیم صاحب مختلف تنظیموں کو فنڈ دیا کرتے تھے۔ اسی توسط سے لوگوں کا ان کے ہاں آنا جانا تھا۔ ان کے دوستوں کی اکثر بیویاں بھی ان تنظیموں میں کام کرتی تھیں۔ ان ہی میں ملاقاتوں سے انہوں نے گھر سے باہر نکلنا سیکھا اور یونہی ایک تنظیم کی ممبر بن گئیں۔ پھر تو ان کا ایسا دل لگا کہ وہ اپنا سارا ماضی ہی بھول گئیں۔

ابراہیم صاحب نے ان کے اس شوق پہ کبھی پابندی نہیں لگائی تھی۔ بذات خود ابراہیم لبرل ذہن کے مالک تھے لیکن جب تک ان کے والدین حیات رہے۔ زندگی والدین کی من پسند گزاری۔ کبھی اختلاف رائے نہ کیا۔ لیکن اماں جی کے بعد انہوں نے اپنی فیملی کو ہر آزادی مہیا کی۔ اس کے باوجود وہ دل آویز کے ذہن سے ماضی کے اثرات دور نہ کرسکے۔ دلشاد بیگم اپنے ہاتھوں سے سونے کی چوڑیاں اتارنے لگیں تو ان کی نگاہیں اپنے ہاتھوں پہ جم کر رہ گئیں۔ بڑھاپے کی جھریاں ان کے ہاتھوں پہ نظر آنے لگی تھیں۔

بائیں ہاتھ سے کام کرنے کی عادت کی پاداش میں کتنی سزا بھگتی تھی۔ زندگی نے اس حصہ میں آکر وہ خود کو احساس کمتری کی سلاخوں سے باہر نہ نکالتیں شاید ان کا حال۔۔۔ دل آویز سے کم نہ ہوتا۔

انہوں نے سوچ کر جھرجھری لی اور تب ہی ابراہیم صاحب کی موجودگی کو محسوس کرکے مسکرادیں۔

"کیا بات ہے بڑی گہری سوچ میں مبتلا تھیں؟"

"دل آویز کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اگر وہ میرے ساتھ باہر آنا جانا شروع کردے اور کسی این جی او کی ممبر بن جائے تو اس کی زندگی کا سکوت ٹوٹ سکتا ہے۔ پڑھی لکھی ہے، سمجھ دار ہے۔ مگر یہ لڑکی نجانے کیا چاہتی ہے۔"

ابراہیم نے تاسف سے ان کی طرف دیکھا۔

"بیمار ذہن کا حل فلاحی تنظیم نہیں ہوتا۔"

"میری بچی بیمار نہیں ہے اور اگر وہ بیمار ہے تو اس کے ذمے دار آپ اور آپ کی ماں ہے۔ جنہوں نے مجھے ان حالات پہ پہنچایا اور میری بچی کے ذہن پہ ان باتوں کا اثر پڑا۔"

ابراہیم صاحب تلخی سے ہنس پڑے۔ "یہ بحث اب پرانی ہوچکی ہے۔" انہوں نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور کروٹ بدل لی۔ مگر ان کا دل چلا چلا کر کہنا چاہتا تھا یہ زندگی کا سب سے بڑا سچ ہے۔

کمزور لائف پارٹنر سب سے زیادہ نقصان اپنے ساتھی کو پہنچاتا ہے۔

☼ ☼ ☼

سرخ سگنل پہ ٹریفک کا اژدھام بے کراں تھا۔ طارق کو فوری طور پہ بینک پہنچنا تھا۔ جس کے بند ہونے میں صرف ایک گھنٹہ ہی باقی تھا۔ اگلے دو روز کی چھٹی تھی۔ سوا سے بہت سے معاملات نمٹانا تھے۔ وہ کبھی گھڑی دیکھتا تھا اور کبھی ہارن بجاتا تھا۔ تب ہی اچانک اس کی نگاہ دلنشیں پہ پڑی۔ وائٹ سٹی کار میں وہ کسی انجان لڑکے کے ساتھ بیٹھی محو گفتگو تھی۔ اس کی نگاہیں اس پہ ٹھہر گئیں۔ وہ دونوں اتنے مصروف تھے کہ انہیں اردگرد کا بھی ہوش نہ تھا۔ پھر اچانک وہ گاڑی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوگئی اور بے تحاشا ٹریفک نے سارا منظر بدل دیا۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کہ سگنل کھل چکا ہے اور پیچھے سے ہارنز کا شور صرف اسے اپنی جگہ سے ہلانے کے لیے دیا جارہا ہے۔

اس نے فل اسپیڈ میں گاڑی آگے بڑھادی۔

کام سے فراغت کے بعد بھی اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ وہ جلد ہی گھر آگیا۔ اس وقت پانچ بج چکے تھے۔ اس نے آتے ہی سب سے پہلے دل نشیں کے بارے میں پوچھا۔ پتا چلا کہ وہ اپنے کمرے میں ہے تو اس نے بے چینی سے اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا۔

دوسری دستک پہ دل نشیں نے دروازہ کھولا۔

"بالکل یہی کپڑے پہن رکھے تھے اس وقت اس نے۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھاسکتیں۔ وہ کوئی اور نہیں دل نشیں تھی۔"

دل نشیں نے آنکھیں مسلتے ہوئے طارق کی طرف دیکھا۔ "کیا بات ہے طارق بھائی ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟" وہ سو کر اٹھنے کی ایکٹنگ کررہی تھی۔ کیونکہ اس نے بھی طارق کو دیکھ لیا تھا۔

اور طارق سوچ رہا تھا کہ اس سے کیسے بات کرے۔ پھر اسے یکدم خیال آیا۔

"تمہاری یونیورسٹی کس وقت آف ہوتی ہے؟"

"یہی دو بجے۔" جواب لاپروائی سے ملا۔

"تم آج گھر کس وقت آئی ہو؟"

"تقریباً ڈھائی بجے۔" صاف جھوٹ بولا گیا۔

اس نے تیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں؟"

"کچھ نہیں۔ میں یہ بتانے آیا تھا۔ کل سے میں خود تمہیں پک اینڈ ڈراپ کیا کروں گا۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دل نشیں نے بے حد مشتعل ہو کر دروازہ بند کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

حور نے مچھلی میں مسالا لگا کر صبح سے رکھ دیا تھا۔ آٹا بھی گندھا رکھا تھا۔ بس املی کی چٹنی بنانا تھی اور تھوڑا سا سلاد۔

مچھلی کی خوشبو اتنی اشتہا انگیز تھی کہ دل آویز بے چین ہو کر کمرے سے نکل آئی۔ لیکن جب حور کو کچن میں مصروف پایا تو دروازے میں ہی ٹھٹک گئی۔

حور نے دل آویز کو دیکھ لیا تھا۔ سو فوراً وضاحت کردی۔

"طارق آگئے ہیں۔ میں ان کے لیے کھانے کا انتظام کررہی تھی۔"

"چھ بجے۔" دل آویز نے استہزائیہ کہا۔ "طارق کب سے ڈنر چھ بجے کرنے لگے۔ وہ تو اکثر لیٹ نائٹ ڈنر کرنے کا عادی رہا ہے اور وہ بھی باہر۔"

حور کھسیانی سی ہوگئی پھر بھی اعتماد سے بولی۔ "پتا نہیں۔ شاید ایسا ہی ہو۔"

"مگر نانو کہتی تھیں مرد جیسے ہی گھر لوٹیں انہیں اسی وقت گرم کھانا پیش کردینا چاہیے۔ اس طرح وقت۔۔۔" حور نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"کیا۔۔۔؟" دل آویز کی دلچسپی عروج پہ تھی۔

"اس طرح وہ باہر کا رخ نہیں کرتے۔"

دل آویز کو یہ بات دلچسپ بھی لگی اور عجیب بھی۔ کیونکہ اس نے بچپن سے جوانی تک کبھی نہیں دیکھا تھا کہ ابراہیم صاحب کے آنے کے بعد دلشاد بیگم ان کے کھانے پینے کے لیے بھاگ دوڑ کرتی ہوں۔ سب ہی رات کا کھانا دیر سے کھاتے تھے۔

کوئی باہر کھا کر آجاتا تھا اور کوئی ملازموں کے ہاتھ کا پکا گھر میں ہی کھالیتا تھا۔ دلشاد بیگم نے کھانا پکانے میں بھی دلچسپی نہیں لی۔ شروع سے ہی ان کے ہاں خانساماں کھانا بناتا تھا اور اس چیز کو کوئی محسوس بھی نہیں کرتا تھا۔

"تو گویا تم روایتی ہتھکنڈوں سے طارق کے دل پہ حکمرانی کرنا چاہتی ہو۔"

حور کو حیرت ہوئی۔ خوشگوار سی حیرت۔ اسے امید ہی نہیں تھی کہ دل آویز کبھی اس طرح کی بات بھی کرے گی۔ حور نے مسکرا کر کاندھے اچکادیے اور اعتماد سے بولی۔

"اگر عورت چاہے تو مرد کے دل ہی پہ نہیں دماغ پہ بھی حکومت کرسکتی ہے۔"

"ان معمولی خدمتوں سے۔" دل آویز قہقہہ لگا کر ہنسی تو حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

"جذبے کبھی معمولی نہیں ہوتے۔ طارق مجھ سے محبت نہیں کرتا نہ ہی وہ مجھے اپنانا چاہتا تھا مگر میں اتنی بے صلاحیت بھی نہیں ہوں کہ اس کی زندگی میں آنے کے بعد اسے اپنے ہونے کا احساس بھی نہ دلا سکوں۔"

دل آویز کو اس کے اعتراف پہ خاصی حیرت ہوئی تھی۔

"تم یہ بات جانتی ہو پھر بھی اتنا خوش اور مطمئن نظر آتی ہو؟" دل آویز مچھلی کا ایک ٹکڑا اٹھا کر کھانے لگی تھی۔

www.pkdigest.com

"ہاں۔ وہ اس لیے کہ میری زندگی میں اول و آخر صرف طارق ہی تو نہیں ہے۔ بہت سے لوگ ہیں جو مجھے چاہتے ہیں، میری قدر کرتے ہیں اور مجھے اپنا سمجھتے ہیں۔ یہ خوشی اور اطمینان ہی کا دیا ہوا ہے۔"

"تو پھر تم طارق کے ساتھ کیسے رہ رہی ہو؟ جب تمہیں اس سے اور اسے تم سے محبت نہیں ہے۔"

حور نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ وہ طارق سے محبت نہیں کرتی لیکن اس نے فی الحال اس کی تردید نہیں کی اور دل آویز کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"وہ اس لیے کہ عورت مرد کے بنا اور مرد عورت کے بنا مکمل نہیں۔"

دل آویز نے حور کی اس بات کو گویا نظر انداز کر دیا اور رشک سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"ویسے تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں طارق جیسا جیون ساتھی ملا اور ایسا گھر۔ کوئی بھی لڑکی یہاں با آسانی ایڈجسٹ ہو سکتی ہے۔"

اس کی خوش فہمی پہ حور کو ہنسی آتے آتے رکی تھی۔

"میرے تو مسائل ہی بڑے عجیب تھے۔" دل آویز نے کہا تو حور گنگ رہ گئی۔ کیا وہ اس قابل تھی کہ دل آویز اس سے اپنے مسائل ڈسکس کر سکے۔

"کھانا ٹھنڈا ہو جائے گا۔ تم طارق کا کھانا لے جاؤ۔" یک دم دل آویز نے بات بدل دی اور کہتے ہوئے کچن سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"رمیز کا فون آیا تھا۔ وہ آپ لوگوں سے ملنا چاہتا ہے۔" طارق کی اطلاع پہ دل شاد ہی نہیں ابراہیم بھی مشتعل ہو گئے۔

"کیا کہہ رہا تھا وہ؟" دلشاد نے سوال کیا۔

"پتا نہیں۔ وہ جب آپ سے ملے گا تب ہی پتا چلے گا۔ ویسے سنا ہے کہ اس کی بہن بیمار ہے اور وہ بہت پریشان ہے۔"

"تو وہ اس لیے ملنا چاہتا ہے کہ اسے دل آویز کی خدمتوں کی ضرورت ہے۔ میری بیٹی ملازمہ نہیں ہے جو اس کے بھانجا بھانجی اور بہن کو سنبھالے گی۔ اب وقت پڑا تو اسے دل آویز یاد آ گئی۔ اس سے پہلے دل آویز اس کے قابل ہی نہیں تھی۔ تم نے جواب کیوں نہیں دیا اسے کہ ہم اس سے ملنا نہیں چاہتے۔" ابراہیم نے سختی سے کہا۔

"نہ ملنا مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔" طارق نے مشورتاً کہا۔

"تو گویا تم اس مسئلے کا حل نکالنا چاہتے ہو۔ چاہتے ہو کہ وہ جھوٹے منہ یہاں آئے اور ہم دل کو اس کے ساتھ روانہ کر دیں۔"

"بابا! میں نے ایسا تو نہیں کہا۔"

"تو پھر۔ رمیز کی ہمت کیسے ہوئی تم سے رابطہ کرنے کی۔ ہم بڑے بیٹھے تھے۔ اس نے ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا۔ اس لیے نا کہ تم نے اس سے تعلق ختم نہیں کیا تھا۔"

"بابا! اتنی بدگمانی۔" طارق کے لہجے میں غم و غصہ تھا۔

"ہاں۔ اتنی ہی بدگمانی۔ اعتبار ہی نہیں رہا مجھے تمہارے اور۔۔۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔ کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" طارق کا چہرہ شدت جذبات سے سرخ ہو رہا تھا۔

"تمہیں دل آویز ہی نہیں دلنشیں بھی کھٹک رہی ہے۔ کون سا جرم سرزد ہو گیا تھا اس سے کہ تم نے اس سے اس کا موبائل فون لے لیا۔ اس پہ پابندی لگا دی کہ وہ کسی لڑکے سے دوستی نہ کرے۔ نہ صرف پابندی بلکہ دھمکی بھی دے ڈالی کہ وہ آگے نہیں پڑھے گی۔ پھر یہ کہ اسے لانا لے جانا شروع کر دیا۔ کیا ہو گیا ہے طارق تمہیں۔ کیا وہ دس بارہ سال کی بچی ہے۔ کیا سوچیں گے اس کے فرینڈز اس کے بارے میں۔ وہ کو ایجوکیشن میں پڑھ رہی ہے۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے اس کے فرینڈز فیمیل ہوں یا میل۔" طارق دم بخود سا باپ کو دیکھ رہا تھا کہ ابراہیم غیظ و غضب میں بولے۔

www.pkdigest.com

”اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے سراسر میری معصوم بچی پہ بد اعتمادی کی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اتنا بد دل ہو گئی ہے کہ اس نے مزید نہ پڑھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔“

”وہ مجھے غلط سمجھ رہی ہے بابا! میں اس کا بھائی ہوں اور میں نے اس سے کوئی ایسی بات نہیں کی۔ جس سے وہ دل برداشتہ ہو۔ لیکن وہ نا سمجھ ہے۔ ہم لوگ اس کے بارے میں زیادہ بہتر سوچ سکتے ہیں۔“

”بہتر سوچ سکتے تھے جب تک تم اکیلے تھے۔“ دلشاد بہت دیر کے بعد ان کی گفتگو میں شامل ہوئی تھیں۔

”کیا مطلب ہے ماما آپ کا۔؟“ طارق کچھ نہیں سمجھا تھا۔

”دراصل تمہاری سوچ کا زاویہ بدل گیا ہے۔ اس کم حیثیت لڑکی نے تمہاری سوچ بھی پست کردی ہے۔“

پھر وہ ابراہیم کی طرف متوجہ ہو کر بولیں۔

”ضرور اس نے ہی اس کے الٹے سیدھے کان بھرے ہوں گے۔ ورنہ اس سے پہلے تو اس نے ایسا کبھی نہیں کہا۔“

”ماما۔!“ غم و غصے سے طارق کی کنپٹیاں پھٹنے لگی تھیں۔ وہ کیا بتاتا۔ حور کو وہ کیا حیثیت دیتا ہے۔ کتنی اہمیت دیتا ہے اسے۔

بے ساختہ اس نے باپ کی طرف دیکھا اور اسی لمحے ابراہیم نظریں چرا گئے۔ یعنی ان کی بھی ایسی ہی سوچ تھی۔

”میرے خدا۔!“ طارق کو لگ رہا تھا جیسے اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

”حالانکہ اسے خود اس گھر میں کس قدر آزادی مل رہی ہے اس کے باوجود وہ میری بچیوں کی خوشیوں کی دشمن بن رہی ہے۔“

”بس کریں ماما۔ بس کریں۔“ طارق نے اپنا سر تھام لیا۔ ”میرے کسی بھی معاملے میں اس کا کیا عمل دخل ہے۔ آپ خوامخواہ اسے گھسیٹ لائی ہیں۔“

”دیکھ رہے ہیں آپ؟ کس طرح حمایت کررہا ہے یہ اس کی۔ چار دن میں اتنا اس کا ہو گیا ہے کہ اس کے خلاف کچھ نہیں سن سکتا۔ ایک آپ تھے جنہوں نے ساری عمر میری برائیاں سنیں اور کبھی اپنی ماں کو جواب نہیں دیا۔“

دلشاد ابراہیم سے الجھنے لگیں۔ تو طارق غصے میں باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

سردی بہت زیادہ تھی اور رات گہری ہو چکی تھی۔ وہ سڑکوں پہ بے مقصد گاڑی دوڑا رہا تھا۔ گھر جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ جس باپ کے لیے اس نے قربانی دی تھی۔ آج اسی نے اتنا ذلیل کردیا تھا۔ کم از کم وہ ماما کی سوچ کو رد کرسکتے تھے۔ مگر وہ کیوں ایسا کرتے۔؟ ماما کی خوشنودی کے لیے ہمیشہ ہی وہ جائز و ناجائز کرتے آئے ہیں اور وہ کتنا بے وقوف ہے۔ بلاوجہ اپنی زندگی کو خود اجیرن کررہا ہے کیا ملا اسے اور مل بھی کیا سکتا تھا۔ ہر انسان اپنی زندگی میں مگن ہے۔ ہر ایک دل اور یزے لے کر صحن تک اور وہ نیشیں جسے وہ معصوم اور نا سمجھ سمجھتا رہا ہے۔ کتنا کاری وار کیا ہے اس نے۔ کیا وہ نا سمجھ ہو سکتی ہے۔ گھر میں ہر ایک کو صرف حور سے تکلیف ہے۔ کوئی بھی حور کو اچھا نہیں سمجھتا۔ کتنے تحقیر آمیز جملے تھے ماما کے۔ اس کم حیثیت لڑکی نے اس کی سوچ بھی پست کردی ہے۔

اوف ماما۔

طارق کو شدید تکلیف پہنچی تھی ان جملوں سے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی ماں کسی انسان کے بارے میں ایسی سوچ بھی رکھ سکتی ہیں۔

اس نے اسٹیئرنگ موڑ لیا اسے گھر تو آنا ہی تھا۔ گھر آکر وہ چپ چاپ کپڑے بدل کر اپنے بستر میں پڑ گیا۔ صبح وہ جلدی اٹھنے کا عادی تھا لیکن آج صبح وہ بستر پر پڑا رہا۔ اٹھنے کو دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اسے سوتا دیکھ کر حور کو حیرت ہوئی۔

وہ دیر سے سوتا اور جلدی اٹھتا تھا۔ وہ اس کے معمولات دیکھتی آرہی تھی۔ وہ ناشتا کرکے واپس آگئی، وہ تب بھی سو رہا تھا۔ اب اسے گڑبڑ محسوس ہونے لگی تھی۔ پھر اچانک اسے خیال آیا۔ کہیں اس کی طبیعت تو خراب نہیں ہے۔ جو وہ بے سدھ پڑا ہوا ہے۔

وہ بہت دیر تک متذبذب کیفیت میں ادھر ادھر چکراتی رہی اور پھر اس سے رہا نہ گیا۔ ذرا سا لحاف اس کے چہرے سے ہٹایا۔ وہ بے خبر سو رہا تھا۔ پیشانی پہ بال بکھرے پڑے تھے اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ حور نے بے ساختہ اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پہ رکھا تو وہ انگاروں کی طرح دہک رہی تھی۔

وہ پریشان ہو گئی۔ پھر لحاف میں سے اس کا ہاتھ باہر نکالا اور نبض دیکھنے لگی۔ اس کا ہاتھ بھی گرم ہو رہا تھا اور نبض بھی تیز چل رہی تھی۔

تب ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ وہ مضمحل سا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ شرمندگی محسوس کرتے ہوئے وضاحت کرنے لگی۔

”میں آپ کا ٹمپریچر نوٹ کررہی تھی۔ ایسا لگا جیسے آپ کی طبیعت خراب ہے لیکن واقعی آپ کو بخار ہے۔“

طارق نے دوبارہ آنکھیں بند کرلیں اور کروٹ لے کر لیٹا رہا۔ حور بے چین ہو گئی۔

”اگر آپ کی طبیعت خراب ہے تو آپ ڈاکٹر کے ہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟“

طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

”اگر آپ کہیں تو میں کسی کو بلاؤں؟“

”مر تو نہیں رہا ہوں۔۔۔ کیوں سوار ہو رہی ہو میرے سر پہ۔“

لہجہ روکھا تھا اور آواز سے لگ رہا تھا جیسے اس کا گلا بھی خراب ہے۔

”میں تو ہمدردی کررہی تھی۔“ وہ ٹھٹک کر بولی تھی۔

”کیوں کررہی تھیں مجھ سے ہمدردی تم۔؟“ وہ پلٹ کر بولا۔

حور کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

”کبھی میں نے کی ہے تم سے کوئی ہمدردی؟“

”کیا مطلب؟“ حور حیرانی سے اس کا سرخ چہرہ دیکھنے لگی۔

طارق چپ ہو گیا پھر توقف سے بولا۔

”کوئی مطلب نہیں۔“ یہ کہہ کر اس نے واپس لحاف اپنے منہ پہ ڈال لیا۔ اب کی بار اس کا لہجہ بہت نرم تھا۔

حور نے نہ سمجھتے ہوئے پریشانی سے اسے دیکھا تھا۔

☼ ☼ ☼

”دوپہر میں ماما نے حلیم بنانے کو کہا تھا۔ انہوں نے شاید اپنی کسی دوست کے ہاں بھجوانا تھا لیکن شاید ماما بنوا کر بھول گئی ہیں۔ آپ کے پاس اگر ان کا موبائل نمبر ہے تو انہیں اطلاع کردیں۔ تاکہ میں اسے ڈشوں میں نکال کر گارنش کردوں۔“

حور نے دل نشیں سے کہا تھا۔

”واٹ۔۔۔ حلیم۔۔۔ کیسی بکواس چیزیں پکنے لگی ہیں اب ہمارے گھر میں۔ کون کھائے گا وہ حلیم۔“ دل نشیں نے ناک منہ چڑھا کر بیزاری کا اظہار کیا۔ پھر بہن کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”کیا ماما نے خانساماں کی چھٹی کردی ہے جو ہمیں یہ تجربے بھگتنا پڑ رہے ہیں۔“ دل نشیں کی اکتاہٹ عروج پہ تھی۔

دل آویز نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور لاپروائی سے حور کی طرف دیکھ کر بولی۔

”تم سے ماما نے جو کہا تھا تم نے وہ پورا کردیا ہے ناں۔ اب تمہیں زیادہ اپنی ہنسی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ ماما کو ضرورت ہوگی تو منگوالیں گی۔ اب تم اپنے کمرے میں جاؤ۔“

حور کو ان دونوں کی بدتمیزی پہ غصہ تو بہت آیا۔ لیکن اس نے کمال برداشت کا مظاہرہ کیا اور چپ چاپ کمرے سے نکل گئی۔ وہ ان کے منہ لگ کر کوئی بدمزگی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ کیونکہ طارق گھر پر تھا اور اس کی طبیعت خراب تھی۔ جب طبیعت ٹھیک نہیں ہوتی تو اچھے اچھوں کے مزاج بگڑ جاتے ہیں اور وہ تو اپنی

www.pkdigest.com

دونوں بہنوں کے معاملے میں ضرورت سے زیادہ حساس تھا۔ اس لیے خاموشی کو ہی بہتر جانا اور رات کے کھانے کے لیے چاول صاف کرنے لگی۔ چاول صاف کرتے کرتے اسے خیال آیا کہ طارق صبح سے کمرے میں بھوکا۔ پیاسا پڑا ہے' کیوں نہ اس کے لیے چائے بنا کرلے جائے۔ جب وہ اوپر کمرے میں چائے لے کر گئی تو طارق بستر میں نہیں تھا۔ واش روم کا دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔

اسے حیرانی ہوئی کہ وہ اچانک بخار کی حالت میں کہاں چلا گیا۔

وہ بے دلی سے خود ہی چائے پینے لگی۔ تب ہی وہ گیلری سے نمودار ہوا۔ حور کو زور کا اچھولگا اس نے تیزی سے چائے کا کپ ٹیبل پہ رکھ دیا۔

"میں تو سمجھی تھی کہ آپ کہیں چلے گئے ہیں۔ م۔ میں۔ یہ چائے آپ کے لیے لائی تھی۔"

طارق نے استہزائیہ انداز میں چائے کے کپ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کی طرف۔ پھر جیسے اس کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔ کاجل' سرمے سے بے نیاز آنکھیں' خشک ہونٹ' چوڑیوں سے خالی ہاتھ اور ملگجے کپڑے۔ وہ اس کی شریک سفر تھی۔ یا۔ اس گھر کی معمولی ملازمہ تھی۔۔۔؟

وہ چپ چاپ چائے اٹھا کر پینے لگا۔

اس کے بعد اس نے دراز میں سے ٹیبلٹ نکال کر پانی کے ساتھ لیں اور واپس گیلری میں چلا گیا۔ جہاں سے لان کا سارا نظارہ نظر آتا تھا۔

سردی اس قدر تھی کہ ٹھنڈی ہوائیں اس کے وجود میں اتر رہی تھیں۔ اس کے باوجود اس نے صرف ایک قمیص شلوار پہنی ہوئی تھی۔

اس کی خاموشی حور کو بری طرح کھٹک رہی تھی۔ وہ پوچھنا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ لیکن ہمتیں مجتمع نہیں کرپاتی تھی۔ حالانکہ وہ اس سے ہمیشہ ہی بے تکلفیات کرتی تھی لیکن آج عجیب و غریب کیفیت ہو رہی تھی۔ وہ خود اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

پھر اپنی بے چین طبیعت کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ اس کی گرم چادر لے کر اس کی طرف بڑھی۔

"اتنی ٹھنڈ ہو رہی ہے اور آپ نے گرم کپڑے بھی نہیں پہنے ہوئے۔ یہ چادر شانوں پہ ڈال لیں۔ ورنہ ٹھنڈ لگ جائے گی۔"

وہ یونہی گم صم کھڑا سامنے دیکھتا رہا۔

"جب انسان کی روح جل رہی ہو تو جسم کو ٹھنڈک محسوس نہیں ہوتی۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"کوئی پریشانی ہے آپ کو۔۔؟" اس نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

طارق نے گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر اس کے ہاتھ سے چادر لے کر ایک طرف پھینک دی۔

"تم نے کتنے گرم کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔۔۔؟"

اس کے بے ساختہ سوال پہ حور نے خود کو دیکھا اور ہنس پڑی۔

"مجھے زیادہ سردی نہیں لگتی۔ ویسے بھی میں ابھی ابھی تو کچن سے آرہی ہوں۔ کام کاج کرتے ہوئے سردی کہاں لگتی ہے۔ سردی تو فارغ بیٹھ کر لگتی ہے۔" وہ جواب دیتے ہوئے خود ہی شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

"تو سارا دن تم فارغ نہیں ہوتیں۔۔۔؟ کیا مصروفیت رہتی ہے تمہاری جو آج رہی ہے؟" وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کبھی اس سے بھی زیادہ مصروف ہو جاتی ہوں اور کبھی بالکل فارغ۔ کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔۔؟"

"تمہیں ایسا نہیں لگتا کہ یہاں تمہاری کوئی عزت نہیں کرتا۔ حتیٰ کہ میں بھی۔ اس کے باوجود تم یہ سب نوکری کس کے لیے کرتی ہو؟"

"تمہارے لیے۔ اپنی محبت کے لیے۔" وہ کہنا چاہتی تھی لیکن چپ رہی۔

وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔ حور کو گیلری میں کھڑے

کھڑے سردی لگنے لگی تھی۔

"آپ یہ سوال وجواب کمرے میں بھی کرسکتے ہیں۔ یہاں بہت سردی ہو رہی ہے۔" وہ اس سوال کو گویا ٹال رہی تھی۔ طارق ہنس پڑا۔

"ابھی تو تم نے یہ کہا تھا کہ تمہیں سردی نہیں لگتی۔"

"سردی لگنا اور بات ہے اور سردی میں خوا مخواہ کھڑے رہنا اور بات۔" یہ کہتے ہوئے وہ کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کچھ سوچتے ہوئے طارق بھی اس کے پیچھے پیچھے آگیا۔

"تب پوچھیے۔ کیا پوچھنا چاہتے ہیں آپ۔۔؟"

"کچھ نہیں۔" وہ یکدم پھر اجنبی ہو گیا۔

وہ اس کی بدلتی کیفیت کو محسوس کرکے خاموش ہو گئی۔ وہ بستر میں لیٹ کر ٹی وی دیکھنے لگا تھا۔

اسے رات کے کھانے کی تیاری کرنا تھی۔ اس لیے وہ بھی باہر نکل گئی۔

رات کھانے پہ ابراہیم کے چند دوست مدعو تھے۔ اس لیے اسے کچن سے دیر سے فراغت ہوئی۔ جب وہ کمرے میں آئی تو۔ طارق بری طرح بخار میں پھنک رہا تھا۔ اسے گھر والوں کے سرد رویوں پہ سخت حیرت ہو رہی تھی۔ کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ طارق گھر میں ہے تو کیوں ہے۔ کیا اس کی طبیعت خراب ہے یا کوئی اور وجہ۔ عجیب بات تھی۔ کسی کو کسی کی پروا ہی نہیں تھی۔ کوئی تو پوچھتا۔

اگر یہی سب کچھ اس کے گھر میں ہوتا تو باوجود رشتوں کے سب بے چین ہو جاتے۔ وہ بہن بھائیوں میں سے بڑی تھی سب ہی اس کی عزت کرتے تھے۔ نہیں بنتی تھی تو صرف ماں سے۔ کیونکہ وہ محسوس کرتی تھیں کہ اطہر سب سے زیادہ حور العین کو چاہتے ہیں۔ اور پھر اس کا وقت ہی کتنا گزرا تھا ان کے درمیان۔ نانو کے فوت ہونے کے بعد چند سال' ورنہ پلی بڑھی تو وہ ننھیال میں ہی تھی۔ "اس نے اپنی سوچ کو جھٹکا۔

وہ ولید کے پاس آگئی اور طارق کے بخار کا بتایا۔

"لیکن بارہ بجے کون سا ڈاکٹر بیٹھا ہوگا۔ اگر طارق کی اتنی ہی طبیعت خراب تھی تو آپ مجھے فون کردیتیں۔ میں نے اپنا نمبر تو دے رکھا ہے ناں آپ کو۔"

"اگر ڈاکٹر نہیں ہے تو کوئی میڈیسن ہی لا دو۔" وہ بے چارگی سے بولی۔ تو ولید ہنس پڑا۔

"بہت فکر ہو رہی ہے آپ کو۔۔؟" ولید کا انداز شرارتی تھا۔ حور جھینپ گئی۔

"سردی اتنی ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی سے آپ بھی بیمار ہو سکتی ہیں۔ اس لیے آپ طارق کے پاس جائیں۔ میں میڈیسن لے کر آتا ہوں۔"

کوریڈور کی لائٹس آف تھیں۔ حور ولید کے کمرے سے نکلی تو دل نشیں کچن کی طرف جا رہی تھی دونوں کا تصادم ہوتے ہوتے بچا۔ حور جلدی میں تھی۔ سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔ اس نے بالکل توجہ نہ دی کہ دل نشیں اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔

☼ ☼ ☼

ساری رات بے چینی میں گزری تھی۔ وہ اس کے ماتھے پہ پانی کی پٹیاں رکھتی رہی۔ یہ تو ولید ہی تھا جو دوا پلا گیا تھا۔ ورنہ اس کے بس میں کہاں تھا کہ وہ اس مدہوشی کی حالت میں دوا پلاتی۔

رفتہ رفتہ اس کا ٹمپریچر کم ہو رہا تھا اور وہ مطمئن ہو رہی تھی اور نجانے کب اس کی آنکھ کھل گئی۔

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اس کا سر طارق کے بازو پہ تھا۔ طارق نے اس کی جانب کروٹ لے رکھی تھی اور اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا۔ وہ اتنا منہمک اتنا مگن تھا کہ اسے حور کے جاگنے کا پتا ہی نہ چلا۔ اس کی نگاہ کلاک پہ پڑی تو دنگ رہ گئی۔ دس بج رہے تھے۔ یکدم جھٹکے سے اٹھی اور بستر سے نکلنے لگی تو طارق نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

حور کی ساری جان سمٹ کر ہاتھ میں آگئی۔ بے قراری سے اس نے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ کیا کہنا

چاہتا تھا۔

طارق اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔ کچھ دیر اس کا ہاتھ پکڑے رہا پھر چھوڑ دیا۔ وہ خود کو سنبھالتی واش روم میں چلی گئی۔

وہ واش روم سے نکلی تو طارق بستر میں نیم دراز تھا۔

"اب کیسی طبیعت ہے۔ آپ کی۔۔۔؟"

طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔

وہ تو ان لمحوں سے مسحور ہو رہا تھا جو کچھ دیر قبل اسے سکون پہنچا رہے تھے۔

اس نے جلدی جلدی چوٹی بنائی۔

"ناشتا کریں گے آپ۔۔۔؟"

طارق نے استحقاق بھری نگاہ اس پہ ڈالی۔

"میرا مطلب ہے ناشتا لے آؤں آپ کے لیے؟"

وہ اس کی نظروں سے نروس ہونے لگی تھی۔ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اتنی دیر میں طارق آفس جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد آئی تو اس کے ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی۔ اس نے طارق کے سامنے رکھ دی اور چائے بنانے لگی۔

"چینی کتنے چمچے۔۔۔؟" چائے میں چینی ڈالتے ہوئے حور کے ہاتھ رک گئے۔

طارق نے ہاتھ بڑھا کر اس کے کومل ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا پھر اپنے پیار کی مہر اس پہ ثبت کرتے ہوئے بولا۔

"بس خالی چمچہ ہلا دو مٹھاس پوری ہو جائے گی۔"

حور کی جان مٹھی میں آگئی۔ یہ اچانک ایک دم کیا ہو رہا تھا۔ کیا یہ سب کچھ سچ تھا یا وہ خواب دیکھ رہی تھی۔ وہ ہکا بکا طارق کی طرف دیکھ رہی تھی۔

طارق نے اس کے سامنے ہاتھ ہلایا۔ تو وہ حواس میں آگئی اور چپ چاپ ناشتہ کرنے لگی۔

"میرے ساتھ پہلی بار ناشتہ کر رہی ہو ناں۔ لگتا ہے تمہیں پریشانی ہو رہی ہے۔ اب میں یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ تم اکیلے بیٹھ کر کھا لو۔ اب تو روزانہ میرے ساتھ ہی بریک فاسٹ اور ڈنر کرنا پڑے گا۔ البتہ لنچ میں ہلکا پھلکا آفس میں ہی کر لیا کرتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے طارق نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

حور نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ہی نہیں لبوں پہ بھی شریر سی مسکراہٹ تھی۔

"میں کیوں پریشان ہونے لگی۔ آپ اتنے خوف ناک تو نہیں ہیں۔" وہ خود کو بہت حد تک سنبھال چکی تھی۔

"اچھا!" طارق زیر لب مسکرایا۔ "پھر ابھی تک یہ سلائس ایسے ہی کیوں پڑے ہوئے ہیں۔ جبکہ میں انڈے سمیت چار سلائس کھا چکا ہوں۔"

"اس لیے کہ میرا دل نہیں چاہ رہا۔" اس نے بے دلی سے کہتے ہوئے نظریں چرائی تھیں۔

"اب اس دل کو سمجھا لو۔ ہم سے پنگا نہ لے ورنہ بہت برا ہو گا۔" وہ اس کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ حور کی سانس اٹک گئیں۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ طارق اس کے ساتھ کبھی اس طرح کی بات کرے گا۔

حور نے بمشکل چائے اپنے اندر اتاری تھی۔ وہ خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اپنے چہرے اور کانوں کی سرخی کو طارق کی نگاہوں سے پوشیدہ بھی نہیں رکھ سکتی تھی۔ چائے کا کپ رکھ کر وہ برتن اٹھانے لگی تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"آج سے تم کوئی کام نہیں کرو گی۔" وہ محبت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "اس گھر میں پہلے بھی ملازم تھے اور اب بھی ملازم موجود ہیں۔ تم یہاں طارق لائف پارٹنر بن کر آئی ہو۔ ملازمہ نہیں۔"

حور نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ اس کایا پلٹنے کو اپنی خوش قسمتی سمجھ سکتی تھی۔ ہواؤں میں اڑ سکتی تھی۔ لیکن اس نے اپنے قدم زمین سے اٹھنے نہ دیے اور اعتماد سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"گھر کے کام گھر کی عورتیں ہی کرتی ہیں۔ اس میں ملازماؤں والی کون سی بات ہے؟"

"لیکن اس گھر میں ایسا ہی سمجھا جاتا ہے۔ تم یہاں

گر کر کبھی بھی اپنا آپ نہیں منوا سکتیں۔ آج سے جو تمہارا حق اور حیثیت ہے تم اس پہ قائم رہو گی۔"

حور الجھ رہی تھی۔ ایکدم اچانک ایسا ہو جانا۔ یا تو وہ پہلے ڈراما کر رہا تھا۔ یا اب۔ لیکن اس کی آنکھوں سے محبت چھلک چھلک جاتی تھی۔ حور نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے نظریں چرا لیں۔

"شام کو تیار رہنا۔ ہم کہیں باہر گھومنے چلیں گے۔ ساتھ ہی تمہارا چھوٹا سا قرض ہے۔ وہ بھی ادا کرنا ہے۔" وہ حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تمہاری رونمائی کا تحفہ جو مجھ پہ آج تک ادھار ہے لیکن آج میرے ساتھ چل کر تم خود ادھار چکا کراؤ گی۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حور کی سماعتیں یقین و بے یقینی کی کیفیت میں مبتلا تھیں۔

اچانک طارق کو اس سے محبت ہو گئی تھی۔ یا۔ اس پہ رحم آ گیا تھا۔ یا۔ اپنے ہونے کا احساس دلا کر وہ اسے چھوڑنا چاہتا تھا۔ وہ بہت دیر تک واہموں اور وسوسوں میں گرفتار رہی۔

پھر اس نے خود کو سنبھالا اسے خود کو بہت سنبھل کر چلنا ہے۔ اگر وہ یوں طارق کے کہنے سے زندگی کا رخ پلٹنے کی کوشش کرے گی تو اس کے لیے مزید مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے خود کو ہلکا پھلکا محسوس کیا تھا اور بالکنی میں آ گئی تھی۔

یہاں سے لان کا منظر کتنا خوب صورت لگتا تھا۔ اس منظر میں اچانک دل آویز کو لان میں مصروف دیکھ کر حور کی نگاہیں ایک جگہ پہ ٹھہر گئیں۔ دل آویز پودوں کو خود اٹھا اٹھا کر ترتیب سے رکھ رہی تھی اور مالی مٹی کھودنے میں لگا ہوا تھا۔

حیرت کی بات تھی۔ آج سورج کس طرف سے نکلا تھا۔ دل آویز کا اس طرح مٹی میں ہاتھ ڈالنا۔ اسے لگا جیسے دل آویز کچھ کہہ رہی تھی۔ اس وقت وہ نہایت جذباتی کیفیت میں دکھائی دے رہی تھی۔ گھر کے سارے ملازم اس کے ارد گرد اکٹھا ہو گئے تھے اور اس کے ساتھ کام کروا رہے تھے۔

حور کو تجسس ہوا کہ وہ جا کر سنے وہ ملازموں کو کیا کہہ رہی ہے۔ وہ اتر کر نیچے آ گئی۔

"میں اس گارڈن کو ایسا بنانا چاہتی ہوں کہ لوگ یہاں آئیں تو حیران ہو کر اسے دیکھیں۔ یہاں مجھے یہ معمولی پودے نہیں لگانے۔ بہت نایاب قسم کے پودے لگانے ہیں۔" دل آویز کہہ رہی تھی۔

"وہ کیا سمجھتی ہے اچھے اچھے کھانے بنا کر سب کو اپنا گرویدہ کرے گی اور پھر رفتہ رفتہ سارے گھر پر چھا جائے گی۔ یہ ہمارا گھر ہے۔ یہاں کی ہر چیز ہماری مرضی پسند سے ہونی چاہیے۔ دل ٹھیک کہتی ہے۔ ماما نے تو ساس بننا سیکھا ہی نہیں لیکن وہ بھول میں ہے۔ اگر ماما گھر میں دلچسپی نہیں لیتیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر جگہ حور ہی حور ہو۔ میں اس کے خواب جلد ہی توڑ دوں گی۔"

اچانک دل آویز نے سر اٹھایا۔ تو حورالعین سامنے کھڑی تھی۔ دل آویز کے لب بھینچ گئے۔ اور وہ ملازموں پہ چلانے لگی۔

"کیا میں نے تم سب لوگوں کو یہاں منہ دیکھنے کے لیے بلایا ہے۔ یہ پودے درست کرو۔"

حور دلچسپی سے سارے عمل کو دیکھتی رہی۔ پھر سارے ملازم ادھر ادھر ہو گئے تو حور دل آویز کے قریب آ گئی اور اس کی محنت کو سراہتے ہوئے بولی۔

"بہت خوبصورت ترتیب دی ہے تم نے کیاریوں کی۔ شاید میں کوشش کرتی تب بھی ایسا نہ کر پاتی۔"

حور کی تعریف پہ دل آویز نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ پھر استہزائیہ بولی۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ اس جھوٹی تعریف سے میں بہل جاؤں گی۔ بے وقوف سمجھتی ہو تم مجھے۔ میں تمہاری برائیاں کر رہی ہوں اور تم مجھے مکھن لگا رہی ہو۔ مجھے تمہاری نہ کسی ہمدردی کی ضرورت ہے اور نہ ہی محبت کی۔ سمجھیں تم؟"

حور چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ دل آویز کے لہجے میں حور کے لیے نفرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

"محبت۔ ہمدردی کی۔ تمہیں نہیں مجھے زیادہ ضرورت ہے۔ جھوٹی ہی سہی۔ کوئی تعریف ہی کرے۔ اسی جستجو میں وقت گزر جاتا ہے۔ اپنائیت کے بول ہی مل جائیں۔ سماعتیں اسی کی تلاش میں رہتی ہیں۔ بچپن میں ماں باپ کا پیار نہیں ملا تو کیا ہوا۔ زندگی گزر ہی گئی۔"

دل آویز نے حیرت سے حور کی طرف دیکھا۔

حور کے چہرے پہ مایوسی اور آنکھوں میں محرومی تھی۔

دل آویز کو یقین نہیں آیا۔ کہ حورالعین اندر سے اتنی شکستہ بھی ہو سکتی ہے۔ وہ تو اسے بہت پر اعتماد اور بہت خوش سمجھتی آ رہی تھی۔

"تمہاری یہ محرومی تمہاری ماں کے نہ ہونے سے ہے۔ یا زندگی کی ان آسائشوں کے نہ ہونے سے جو تمہیں اب میسر آئی ہیں۔" دل آویز کی ہمدردی میں اب بھی طنز پوشیدہ تھا۔ حور نے نگاہ غلط دل آویز پہ ڈالی۔

"اگر ایسا ہوتا تو مجھے آج بہت خوش ہو جانا چاہیے تھا۔ کسی بھی چیز کی کمی تو نہیں تھی پھر میرے پاس۔" حور کے ہونٹوں پہ تلخ تبسم بکھرا اور پھر معدوم ہو گیا۔ وہ وہاں رکی نہیں۔ تیزی سے چلی گئی۔

دل آویز متحیر سی اسے جاتا دیکھتی رہی۔ وہ واپس اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئی۔ مگر اس کا دھیان اب بھی حور کی طرف تھا۔ اس نے بے دلی سے کھرپا پھینک دیا اور ہاتھ جھاڑتے ہوئے اندر آ گئی۔

اس کا ارادہ تھا کہ نہا کر کپڑے بدلے گی۔ پھر اپنے کمرے میں جائے گی لیکن حور کو کچن میں دیکھ کر وہ اسی طرف آ گئی۔ حور دوپہر کا کھانا بنانے میں مصروف تھی۔ اسے کھانا بناتا دیکھ کر دل آویز کو نئے سرے سے اس سے چڑ محسوس ہونے لگی۔

"تم دوپہر میں کھانا فضول بناتی ہو شاید میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا۔ یہاں کھانے والا ہوتا ہی کون ہے۔ میں اور تم۔ میں لنچ کرتی نہیں ہوں اور تم۔ کچھ بھی کھا کر پیٹ بھر سکتی ہو۔ فضول اتنا تکلف کرنے کی ضرورت کیا ہے؟"

وہ چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کے سامنے فریج سے نکلی کھانے کی اشیاء رکھ دیں۔ جس میں کچی سبزیاں تھیں جو خراب ہو رہی تھیں۔ چند بچے کھچے روزانہ کے سالن تھے اور کچھ چاول۔

"میں یہ سب کچھ گرم کر کے ملازموں کو دے رہی تھی۔ اور یہ سبزیاں وغیرہ خراب ہو رہی تھیں۔ فریج کی صفائی کرتے ہوئے میں نے یہ سامان باہر نکالا تھا۔"

دل آویز کو چپ ہونا پڑا۔

چپ چاپ وہاں سے پلٹنے لگی۔ تب ہی اس کی نگاہ دھوپ میں پڑی چارپائی پہ پڑی۔ جس پہ کچن کے برتن اور مسالوں کے ڈبے۔ فروٹ کی ٹوکریاں دھو کر سکھائی گئی تھیں۔ زمین پہ اوون کے اسٹینڈ اور جالیاں بھی سوکھ رہی تھیں۔

اس سے پہلے تو اس گھر میں ایسے کام نہیں ہوتے تھے اور ہوتے بھی ہوں گے تو کسی کو کہاں پتا چلتا تھا۔

"جان بوجھ کر کام پھیلاتی ہے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنا گھڑاپا دکھانے کے لیے سب کچھ کرتی ہے۔ لیکن اس کی چغلی نہ کروں تو میرا نام بھی دل آویز نہیں۔"

سوچتے ہوئے وہ نہانے چلی گئی۔ جتنی دیر اس نے غسل کیا اس کے ذہن میں یہی بات رہی کہ شام کا کھانا وہ خود بنائے گی اور کیا بنائے گی۔ یہ بھی اس نے سوچ لیا تھا۔

اب اسے جلدی بھی تھی۔ کہیں حور بیگم ساتھ ساتھ شام کے کھانے کی تیاری ہی نہ شروع کر دیں۔

پھر اسے پتا ہی نہ لگا کہ وہ کب نہا کر نکلی مگر آج پہلی بار بہت جلد باتھ روم سے نکلی تھی۔

اس نے بال سکھائے۔ اس دم اس کی نگاہیں آئینے سے الجھ گئیں۔ خشک روکھے سے بال اور روکھا پھیکا سا چہرہ۔ نحیف سا وجود اور نکلتا ہوا قد۔ یہ دل آویز ابراہیم ہی تھی یا کوئی اور۔ جس کے پاس آسائشوں کا ڈھیر تھا۔ رزق کی فراوانی تھی اور ملازموں کی لمبی قطار۔ اس کے باوجود وہ کتنی نحیف اور کمزور لگ رہی تھی۔

وہ آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ گھر میں سب ہی

www.pkdigest.com

کچھ تو ہے پھر وہ... کون سی کمی ہے۔ جس نے اسے ایسا بنا دیا۔ اسی پل حور کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آگیا۔

ہشاش بشاش چہرہ، کھلے گلابوں جیسے ہونٹ اور مسکراتی ہوئی جان دار آنکھیں۔ زندگی میں آسائشوں کی کمی کے باوجود وہ کتنی بھرپور تھی۔

ایک غریب گھرانے کی لڑکی۔ جسے دل آویز ابراہیم کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ وہ مقابلے میں آچکی تھی اور دل آویز کو پیچھے چھوڑ رہی تھی۔

"یہ میں کیا سوچنے لگی ہوں۔ کیا مجھے یہ سب سوچنا چاہیے... سلی گرل!" دل آویز نے گہرا سانس خارج کیا اور آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"میں حورالعین سے مقابلہ کیوں کرنے لگی ہوں۔ کیوں وہ میرے سر پر سوار ہوتی جارہی ہے۔" وہ بستر میں گر گئی۔

وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ کچھ بھی محسوس کرنا نہیں چاہتی تھی لیکن سوچیں خود بخود اس کا حصار کررہی تھیں۔ آج پھر رمیض کا رویہ اسے یاد آرہا تھا۔

"آخر ہمارا وقت ہی کتنا گزرا ہے ایک ساتھ... جو تمہیں بچے کی خواہش ہورہی ہے۔" وہ رمیض کے ساتھ خلوت میں ایسی ہی چڑچڑی ہوجاتی۔

"ایک ساتھ۔ یعنی تم اس بات سے خوب اچھی طرح واقف ہو جب ہی ہفتہ ہفتہ بھر ماں کے گھر جاکر بیٹھ جاتی ہو۔"

"یہ بات تم ماما سے پوچھو۔ مجھے اس معاملے میں ٹارچر کیوں کرتے ہو۔" وہ فرار کے پہلو نکال رہی تھی۔

"تو تم اپنی ماں سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ ہمارے معاملات میں مداخلت نہ کریں۔ کیوں انکار نہیں کرتیں تم وہاں جانے سے۔"

"میں... میں بھلا کیوں انکار کروں گی؟" اس نے نظریں چراتے ہوئے تنک کر کہا۔

رمیض غصے میں آگیا اور اس دم اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو اس کے وجود پہ سانپ بچھو رینگنے لگے۔

یک دم وہ بستر سے ایسے اٹھی جیسے ابھی یہ سب ہورہا ہو۔ اس کا گلا خشک ہورہا تھا اور وجود میں اب بھی کراہیت محسوس ہورہی تھی۔ بہت دیر تک وہ اپنے کپڑے جھاڑتی رہی۔ اپنے ہاتھوں سے چہرے گردن سے کسی نادیدہ شے کو ہٹانے کی کوشش کرتی رہی۔

وہ ایسی کون سی چیز تھی جو ہٹ نہیں رہی تھی۔ اس کے چہرے کی بے زاری اس بات کا پتا دے رہی تھی۔

حورالعین نے بڑی حیرانی سے اس منظر کو دیکھا تھا وہ چائے لے کر آئی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہونے لگی تو یک دم رک گئی۔ اسے دل آویز کی ذہنی حالت پہ شبہ ہونے لگا۔ بہت دیر تک وہ خود کو کسی نادیدہ شے سے آزاد کراتی رہی پھر واش روم میں گھس گئی۔ جس کا مطلب تھا کہ وہ اب دو چار گھنٹے وہاں سے نہیں نکلے گی۔

حورالعین بے تحاشا سوال دل میں لیے واپس کچن میں آگئی اور اگلے ہی پل وہ دنگ رہ گئی۔ دل آویز کچن میں آچکی تھی۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔ پتا نہیں آج بھوک کیوں لگ گئی۔" وہ فریج کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ جیسے اسے اپنے کہے گئے لفظوں پہ خود ہی شرمندگی ہورہی ہو۔

"میں نے ابھی چائے بنائی تھی۔ سوچ رہی تھی، اکیلے چائے پینا کتنا عجیب لگتا ہے لیکن اب آپ کے ساتھ پینے میں مزا آئے گا۔" وہ دوستانہ سے انداز میں کہتے ہوئے چائے کے کپ لیے ٹیبل کی طرف آگئی۔

دل آویز پہلے تو جھجکی۔ پھر خاموشی سے بیٹھ کر کپ اٹھالیا۔

☼ ☼ ☼

"کل تمہاری طبیعت خراب تھی اور تم نے کسی کو

بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔" ابراہیم نے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو طارق نے کوئی جواب نہیں دیا۔ سر جھکائے بیٹھا رہا۔

"طارق! میں تم سے بات کررہا ہوں... اور تم مسلسل مجھے نظر انداز کررہے ہو۔ اس سے قبل میں نے تمہارے اندر ایسی ہٹ دھرمی نہیں دیکھی۔"

اب کی بار طارق نے چہرہ اٹھالیا۔ اس کی آنکھوں میں شکوہ اور لبوں پہ تلخ تبسم تھا۔

"ماما کی طرح آپ بھی کہہ دیجیے۔ کہ یہ سب کچھ حورالعین کی وجہ سے ہورہا ہے۔" بیٹے کی بات پہ ابراہیم نے نظر چرالیں۔

پھر جیسے ٹالتے ہوئے بولے۔ "تمہیں اپنی ماں کا پتا تو ہے، وہ اول دن سے اس رشتے کے خلاف تھیں۔"

"اور میں اس رشتے کے لیے مرا جارہا تھا۔" طارق کا شکوہ چبھتے ہوئے نشتر کی طرح آیا۔

"نہیں۔ تم نے تو مجھ پہ احسان کیا ہے میرا کہا مان کر۔ میں عمر بھر تمہارا یہ احسان نہیں اتار سکوں گا۔"

ابراہیم قدرے تلخ اور چڑچڑے لہجے میں بولے تھے۔ طارق تاسف سے باپ کی طرف تکتا رہ گیا۔

"ماما کا تو رویہ سمجھ میں آتا ہے لیکن مجھے آپ کا رویہ سمجھ میں نہیں آرہا کہ اچانک آپ کو مجھ سے شکایتیں کیوں ہونے لگی ہیں۔ پہلے ہر معاملہ مجھ سے ڈسکس کیا جاتا تھا اچانک ہی میں غیر بن گیا۔ صرف آپ کے سامنے سر جھکا دینے کی وجہ سے۔"

ابراہیم نے تڑپ کر بیٹے کی طرف دیکھا اور پھر تھوڑے تھکے تھکے سے انداز میں اپنی کرسی پہ بیٹھ گئے۔

"میں نے اپنی لاپروائی کی وجہ سے اپنی ایک بیٹی کو زندگی سے دور کردیا ہے طارق! میں نہیں چاہتا دل نشیں بھی ایسی ہی کسی گھٹن کا شکار ہو۔ دل آویز کا دکھ میرے لیے کافی نہیں ہے کیا۔ جو میں دل نشیں کو بھی [illegible]۔"

"میں نہیں جانتا کہ دل آویز کن مسائل سے دوچار ہو کر یہاں تک پہنچی ہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ وہ زندگی کی طرف لوٹ سکتی ہیں۔ لیکن دل نشین جس راستے پہ چل رہی ہے۔ وہ راستے زندگی کی طرف نہیں آتے۔ اگر آپ پھر بھی یہی سمجھتے ہیں کہ آپ اس کی بھلائی میں سب کچھ کررہے ہیں تو مجھے فکر مند ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

طارق لاپروائی سے بولا تو ابراہیم بڑی فکر مند نگاہوں سے بیٹے کو دیکھنے لگے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے۔ طارق معمولی باتوں کو اہمیت دینے کا عادی نہیں تھا۔ کچھ نہ کچھ ضرور تھا کہ وہ اس حد تک پہنچا تھا۔

اور اس حد کو جانچنے کے لیے انہوں نے دل نشیں کی غیر موجودگی میں اس کے کمرے کی تلاشی لی تھی۔ جہاں اس کے کلاس فیلوز کے ہمراہ اس کی بہت سی تصاویر تھیں۔ ان کے خاندان میں تو جینز کا تصور بھی نہیں تھا۔ دل نشیں نے عجیب بے ہودہ ڈریسنگ کی ہوئی تھی۔ کیا وہ اس حلیے میں گھر سے جاتی تھی۔ اس سے بھی زیادہ وہ بے ہودہ قسم کے لڑکوں سے چپکی بیٹھی ہے تو کہیں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر بھاگ رہی ہے۔

اور پھر انہیں حیرت نے جکڑ لیا۔ جب ایک ہی تصویر انہوں نے بار بار دیکھی۔ وہ لڑکا کون تھا۔ کیا اس سے دل نشیں جذباتی وابستگی رکھتی تھی۔ یا وہ کوئی عام سا دوست تھا۔ اس چیز نے ابراہیم کو سوچنے پہ مجبور کیا تھا۔ اور بارہا انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اس سلسلے میں بچی سے پوچھیں۔

مگر پوچھ کرتا کیا۔

سو انہوں نے چپ چاپ ایک فیصلہ کرلیا تھا۔

"میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ میں تمہیں اپنے ایک اہم فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔" ابراہیم صاحب کی پرسوچ آواز کافی دیر خاموشی کے بعد ابھری تھی۔

"دل نشیں کے لیے رشتہ آرہا ہے۔ تمہاری ماں کی اور میری متفقہ رائے یہ ہے کہ ہمیں اس رشتے کو انکار نہیں کرنا چاہیے۔ ویسے بھی دل آویز کو غیروں میں دے کر ہمیں ایسا لگا ہے کہ اپنوں سے بہتر کوئی نہیں ہوتا۔ تمہاری خالہ... دل نشیں کو اپنے بڑے بیٹے

www.pkdigest.com

حافظ عباد سے لینا چاہتی ہیں۔"
طارق کو خوشگوار حیرت ہوئی۔
"لیکن... خالہ جان کا اور ہمارا اسٹیٹس زمین آسمان کا فرق ہے۔" طارق نے دبے لفظوں میں کہا۔
"اور کیا دل نشیں اس رشتے پہ راضی ہو جائے گی۔ حافظ عباد احمد مولانا ٹائپ آدمی ہیں۔ آج کل کی لڑکیاں روک ٹوک کہاں برداشت کرتی ہیں۔"
"یہ مسائل ان مسائل کے سامنے معمولی ہیں۔ جن کی بنیاد پہ گھر میں تلخی بڑھتی جا رہی ہے۔ تمہاری ماں کا اپنے بہن بھائیوں کی طرف شروع سے بہت رجحان رہا ہے۔ تمہارے لیے وہ اپنی بھتیجی لانا چاہتی تھیں۔ اسی وجہ سے وہ حور العین کو ناپسند کرتی ہیں۔ اس سرد جنگ کو ختم کرنے کا یہی واحد حل ہے کہ اب باقی رشتہ داریاں تمہاری ماں کی مرضی سے ہوں۔"
طارق حیرت سے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔
"ایک کی زندگی بچانے کے لیے کسی دوسرے کی زندگی داؤ پہ لگا دینا کہاں کی دانش مندی ہے بابا۔"
"اور پھر یہ ہم یعنی میں یا ولید ہم اپنے مسائل کو خود حل کر سکتے ہیں۔ جبکہ دل نشیں... دل نشیں تو..."
"تم دل نشیں کی فکر مت کرو۔ وہ نا سمجھ ضرور ہے مگر ہم سے محبت تو کرتی ہے ناں۔ اور عباد ایسا بھی کنزرویٹو نہیں۔ بڑا سلجھا ہوا، روشن خیال لڑکا ہے۔ اچھی طرح جانتا ہوں میں اسے۔"
"تو گویا آپ مطمئن ہیں...؟" طارق نے اطمینان سے باپ کی طرف دیکھا۔
"ہاں اور مجھ سے زیادہ تمہاری ماں... مطمئن اور خوش ہیں۔ ہم جلد ہی اس منگنی کا اعلان بھی کرنے والے ہیں۔"
"اور دل آویز... کیا اس کا معاملہ یونہی رہے گا؟"
"ہاں...!" ابراہیم کا لہجہ اتنا سرد اور مستحکم تھا کہ طارق کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔
"ماما کی سوچ آپ سے مختلف ہے۔ وہ دل آویز کی مکمل علیحدگی چاہتی ہیں اور اس کے بعد... شاید دوسری... شادی..."

طارق کا لہجہ دھیما اور جھجکا ہوا تھا۔
ابراہیم غصے میں کھڑے ہو گئے۔
"تمہاری ماں پاگل ہو گئی ہے جو ایسے سپنے دیکھتی ہے۔ دل آویز میری چوکھٹ پہ بوڑھی ہو سکتی ہے لیکن یہ داغ... ہماری سات نسلوں میں نہیں لگا۔ میں اپنی پیشانی پہ لگاؤں۔ نہیں ہرگز نہیں... یہ میرے جیتے جی نہیں ہو گا۔"
"آپ کو اپنے باپ دادا کے نام کی فکر ہے۔ دل آویز کی زندگی کی کوئی فکر نہیں۔ وہ ایک ذہنی مریض کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتی ہے۔"
"مت ناراض کرو مجھے طارق... مت تکلیف پہنچاؤ مجھے۔ زخم زخم ہو چکی ہے میری روح... مت لہولہان کرو مجھے۔ ذہنی مریض رمیض نہیں میری بیٹی ہے۔ وہ جہاں بھی جائے گی اس کے یہی مسائل ہوں گے۔ اس کے مسئلے کا حل دوسری یا تیسری شادی نہیں ہے۔ میں مزید رسوائیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں سکت..."
وہ رو رہے تھے بے آواز... صرف آنسوؤں سے... کرب ان کی روح تک سے ٹپک رہا تھا۔ طارق تیزی سے آگے بڑھا۔
"بابا... بابا...! خود کو سنبھالیے۔"
"میں بہت پچھتا رہا ہوں... کیا ہی بہتر ہوتا کہ ہم دل آویز کی شادی ہی نہ کرتے۔"
"کیوں سوچ رہے ہیں آپ ایسا؟ کیا کمی ہے دل آویز میں۔ جو ہم اس کی شادی ہی نہ کرتے۔ خوبصورت ہے پڑھی لکھی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس گھر کی بیٹی ہے۔ دراصل بابا... آپ نے بہت جلد بازی کا ثبوت دیا۔ دل آویز کے لیے آپ کو اعلا تعلیم یافتہ شخص دیکھنا چاہیے تھا۔ رمیض لاکھ دولت مند ہے۔ مگر اس کا ذہن وہی سطحی ہے۔ میں مانتا ہوں۔ دل آویز آپا۔ کچھ کچھ وہمی سی ہیں لیکن اگر رمیض کچھ پڑھا لکھا ہوتا تو سنبھال لیتا۔ آپ مان لیں وہ شخص احساس کمتری میں مبتلا ہے۔"
"بس کرو... طارق... مت میرے زخم چھیڑو۔"

"مان لیجیے۔۔۔ آپ نے یہ فیصلہ جلد بازی میں تھا کیا تھا۔" طارق پے در پے چوٹ مار رہا تھا۔ "آپ نے یا کسی نے ربیعہ کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔"

ابراہیم نے تاسف سے بیٹے کی طرف دیکھا۔ تلخ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بکھر گئی۔

"دراصل ہم نے دل آویز کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ کرسی کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے نہایت کمزور اور دل گرفتہ نظر آرہے تھے۔

طارق کو مصلحتاً خاموش ہونا پڑا۔

پھر جیسے انہوں نے توقف کیا۔۔۔ اور بیٹے کی طرف دیکھنے لگے۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں بابا؟"

"تم نے حور سے کیا تعلق رکھا ہوا ہے۔ دن بدن بجھتی جارہی ہے وہ۔"

طارق گنگ ہی تو رہ گیا۔۔۔

"وہ یہاں ناگفتہ حالات میں آئی تھی لیکن تمہیں تو اس کے ساتھ رویہ صحیح رکھنا چاہیے تھا۔" وہ جیسے شکایت کر رہے تھے۔

باپ کی بھانجی سے ہمدردی پہ طارق نے اندر سے خوشی محسوس کی لیکن بظاہر بے نیازی سے بولا۔

"میں کس لیے اس کے ساتھ رویہ بہتر رکھوں۔ مسلط کی گئی ہے مجھ پہ وہ۔"

وہ دانستہ رخ پھیر کر دیوار گیر شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ ابراہیم نے افسوس سے بیٹے کی پشت کو دیکھا۔

"اگر میں کہوں کہ ہٹ دھرمی میں تم اپنی ماں پہ گئے ہو تو بے جا نہ ہوگا۔" وہ شکستہ سے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ طارق نے یک دم رخ پھیر لیا اور ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا۔

"آپ میں بھی کچھ کم تو نہیں ہٹ دھرمی میں کیا یہ کہنا بے جا ہوگا؟"

"کیا چاہتے ہو تم۔۔۔؟" ابراہیم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

"اس کا جواب میں نے نکاح سے قبل دے دیا تھا۔"

"آخر برائی کیا ہے حور العین میں۔۔۔؟" ابراہیم زچ ہو گئے تھے۔

"اس سوال کا جواب آپ ماما سے لے دیں۔ میں سرینڈر کر دوں گا۔"

"تمہیں پتا ہے تمہاری ماں کو اس سے بلاوجہ نفرت ہے۔"

"اور آپ کو سمجھنا چاہیے کہ میں اس نفرت کا حصہ دار نہیں بن سکتا۔"

طارق نے بڑے اطمینان سے خود کو علیحدہ کر لیا تھا۔ ابراہیم کے چہرے پہ سوچ کے سائے گہرے ہو گئے۔ ان کی آنکھوں کی بے چینی طارق سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ اسی طرف تو وہ انہیں لانا چاہتا تھا۔ اتنی آسانی سے وہ کیسے جانب دار ہو رہے تھے۔ وہ سپر پاور تھے۔ ماما کو کسی طرح سے بھی اس مسئلہ پر راضی کر سکتے تھے۔ لیکن وہ دیکھ رہا تھا کہ بجائے مفاہمت کی طرف لانے کے وہ خاموشی سے ماما کی بے جا حمایت کرنے لگے تھے۔ جس سے اس کے لیے مشکلات بڑھتی جارہی تھیں۔

"میں گھر میں کسی بھی محاذ آرائی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔"

"جب آپ گھر کے بڑے ہو کر ایسا سوچ سکتے ہیں۔ تو میری حیثیت کیا ہے۔ میں بھی اپنی ذات کو متنازعہ نہیں بنا سکتا۔"

"اگر تمہاری جگہ ولید ہوتا تو وہ۔۔۔"

"کسی کی بھی پروا نہ کرتا۔۔۔ اور شاید اس کی خود سری سے سب خاموش ہو جاتے۔ ہمیشہ کی طرح باغی اور ہٹ دھرم۔ وہ یہ جنگ بھی جیت جاتا لیکن میں تو ازل سے صلح جو رہا ہوں۔ اس لیے شاید بزدل بھی ہوں لیکن یہ مت بھولیے گا اس بزدل نے ہی قربانی کے لیے سر جھکایا تھا۔ آپ کے وعدے کو ایفا کیا تھا۔" وہ سارا بوجھ باپ کے کاندھوں پہ ڈال کر کمرے سے نکل گیا تھا۔

اور اب اپنے آفس میں آکر وہ واقعی خود کو ہلکا پھلکا

محسوس کر رہا تھا۔

یہ بات کتنی خوش گوار تھی کہ بابا کو حور العین کی پروا تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اب اس پروا کو سامنے آنا چاہیے۔ اس نے مسکراتے ہوئے سر کرسی سے ٹکایا اور آنکھیں موند لیں۔ حور العین کا سراپا اس کی نگاہوں کے سامنے آگیا۔ بے باک اور لاپروا لڑکی، پھر خود سر بیوی اور پھر گھریلو کاموں میں مصروف ہو کر خود کو بھول جانے والی ہونے تک۔ کتنے روپ دیکھ لیے تھے اس نے لیکن کسی ایک روپ سے بھی وہ خود کو فتح یاب نہیں کرپائی تھی۔ فتح سے ہمکنار کیا تھا تو اس محبت نے جو وہ اس سے بچپن سے کرتی تھی۔ وہ مسکرا رہا تھا اور پھر اچانک اس کا شدت سے من چاہا۔ کہ حور سے بات کرے۔۔۔ اسے ستائے۔۔۔

اور دوسرے ہی پل وہ اس کے موبائل کا نمبر ملا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

حور العین لیٹی ہوئی تھی۔ سیل فون بجنے پہ چونک کر اٹھ گئی۔

یہ وہ فون تھا۔ جو اسے ابراہیم نے سلامی میں دیا تھا۔ ابھی تک اس نے اس فون کو استعمال نہیں کیا تھا۔ اسے نمبر دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔ آیا یہ رانگ کال ہے۔ یا اس کے کسی اپنے کا فون ہے۔ کون جان سکتا ہے اس نمبر کو۔۔۔

اس نے حیرت سے دیکھا اور کئی گھنٹیاں بجنے کے بعد بالآخر فون اٹینڈ کر ہی لیا۔

"بڑی دیر کے بعد فون ریسیو کیا۔ کیا سو رہی تھیں؟"

طارق کی آواز سن کر وہ چونکی تھی۔ طارق کا لہجہ بہت خوش گوار اور اپنائیت سے لبریز تھا۔

اس لہجے پہ وہ جاں نثار کر سکتی تھی لیکن کیوں۔۔۔؟ اس نے یک دم خود کو سنبھال لیا۔

"میرے پاس سونے کے علاوہ بھی اور بہت سے کام ہیں۔" وہ روکھے سے لہجے میں گویا ہوئی تھی۔

"جی ہاں۔۔۔ یہ مجھے معلوم ہے۔ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔" طارق ہنستے ہوئے بولا۔

"آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا ہے۔۔۔؟"

جہاں سے آپ کو فون ملا وہیں سے ہمیں نمبر مل گیا۔"

"کوئی کام تھا۔۔۔؟" اس کے اجنبی لہجے پہ طارق کے دل میں کسک سی ہوئی لیکن اگلے ہی پل وہ مسکراتے ہوئے شگفتہ سے لہجے میں بولا۔

"کیا میں تمہیں صرف کام کے لیے ہی یاد کرتا ہوں۔"

"آج تک تو ایسا ہی ہوا ہے۔" وہ بھی حور العین تھی۔ طارق کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

ناولٹ

۳

تیسری قسط

میمونہ خورشید علی

کسی راستے کی تلاش میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی، جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزو مند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنادیا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دلشاد بیگم کا پھوہڑپن مشہور کردیا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے بھی جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی دل آویز شادی کے کچھ عرصے بعد ہی میکے آبیٹھی۔ ماں باپ کی ناچاقی نے اسے نفسیاتی مریض بنادیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند نہیں کرتی تھی۔ طارق نسبتاً "صلح جو" ہے۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حورالعین سے طے ہے۔ جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باک اور پر اعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس کا واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بیوی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حورالعین سے کردیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حورالعین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید، حورالعین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باکی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے دبتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند گھنٹوں میں ہی ہوجاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حورالعین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود کو تیار کرلیتی ہے۔

حورالعین کو پہلے دن سے ہی سسرال میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل شاد بیگم ہی نہیں دل آویز اور دل نشین بھی اس سے جلن محسوس کرتی ہیں۔ صرف ولید اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اپنی اچھی فطرت سے مجبور ہو کر وہ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ طارق اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دل نشین اپنے کلاس فیلو راحیل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات طارق اور ابراہیم صاحب کے علم میں آجاتی ہے۔ دل نشین کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انہیں شدید تشویش ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

www.pkdigest.com

"چلو ایسا ہی سمجھ لو۔ سب سے پہلا کام اپنا لباس فاخرہ جو تم نے نجانے کتنے دن سے زیب تن کیا ہوا ہے۔ فوراً چینج کرلو اور اچھا سا لباس پہن کر خوشبوؤں سے آراستہ پیراستہ ہو کر میرے انتظار میں بیٹھ جاؤ۔"

طارق کے لہجے میں بہت سے اسرار پنہاں تھے۔ حور کے دل کو کچھ ہو رہا تھا۔

"اس کے بعد میری من پسند خوشبو "ہیوگو" سے خود کو معطر کرلو۔ تاکہ لہسن پیاز اور مسالوں کی مہک جو تمہاری آمد کی پیشگی اطلاع کردیتی ہے کم از کم وہ زائل ہو جائے اور ہاں۔ پلیز بالوں کو باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے تمہارے کھلے ہوئے بال ہی اچھے لگتے ہیں۔ شادی کے بعد مجال ہے جو تم نے ایک دن بھی بال کھلے چھوڑے ہوں۔ شادی سے پہلے تو ہر فنکشن میں تمہارے بال کھلے رہتے تھے اور خاص طور پہ عادل چاچو کی شادی میں۔ یاد ہے تم پہ سیاہ رنگ بے پناہ جچتا ہے لیکن آج میں تمہیں سیاہ لباس پہننے کے لیے اس لیے نہیں کہوں گا کہ آج ہم یوم سیاہ نہیں یوم محبت منانے جارہے ہیں۔"

حور کو اس کے پوشیدہ احساسات جان کر غشی آنے لگی تھی اور وہ یقین و بے یقینی کی کیفیت میں گنگ رہ گئی تھی۔

"ارے۔۔۔ ہیلو کیا پھر سے سو گئیں۔۔۔ ہیلو۔۔۔ ہیلو۔۔۔ مسز طارق! سن رہی ہیں آپ؟"

حور کو لگ رہا تھا وہ بے ہوش ہو جائے گی۔

"جی۔۔۔ میں۔۔۔ سن رہی ہوں۔۔۔" وہ بدقت بولی۔

"کم آن یار۔۔۔! صرف سنو تو نہیں کچھ کہو بھی۔"

"کیا کہوں۔۔۔؟" وہ جیسے خود کو نارمل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

طارق ہنس پڑا۔ "اب یہ مجھے حورالعین کو بتانا پڑے گا۔ جو بولنا شروع ہوتی ہے تو کسی کو بولنے کا موقع ہی نہیں دیتی۔ یہی کہتی تھیں ناں دادو تمہارے بارے میں۔"

"تو اس کا مطلب ہے کہ جو نانو کہا کرتی تھیں تم سب سنتے تھے لیکن جان کر انجان بنے رہتے تھے، صرف مجھے اذیت پہنچانے کے لیے۔ صرف یہی نہیں بہت سی اذیتیں ہیں جن کا جواب تمہیں دینا ہے۔"

"ہیلو۔۔۔ کم آن یار۔۔۔! تم نے تو سچ مچ بور ہی کردیا۔ مجھے کیا پتا تھا میری بیوی اتنی ڈل ہوگی۔ میں اس سے پہلی بار اپنے لگژری آفس میں بیٹھ کر خصوصی اپائنٹمنٹ چھوڑ کر عشق لڑاؤں گا۔ اور وہ مراقبے میں جا بیٹھے گی۔ کچھ تو بولو، پہلے تو تم بہت بولتی تھیں۔ بے تکان اور بے محل لیکن اب یوں لگ رہا ہے جیسے تمہارے منہ میں زبان ہی نہیں۔ کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔۔۔" وہ خود ہی اپنی بات سے محظوظ ہو رہا تھا اور چشم تصور سے حور کا شرمانا، جھینپنا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"وہ سب باتیں پرانی تھیں۔ اب نہ نانو ہیں اور نہ ہی حورالعین کی وہ شرارتیں۔ سب کچھ ماضی بن گیا ہے۔" اس کے لہجے میں انجانا سا درد تھا۔

جسے طارق نے صاف محسوس کیا تھا۔ وہ اس بوجھل پن کو دور کرنے کے لیے بے ساختہ بول پڑا۔

"دادو کی بہت سی باتیں تمہارے اندر پائی جاتی ہیں۔ اس بات کا اعتراف پاپا ہی نہیں میں بھی کرتا ہوں۔" وہ اب بالکل سنجیدہ تھا۔

حور کو پھر حیرانی نے آن دبوچا۔ آخر آج وہ کس کس چیز کا اعتراف کرنے والا تھا۔

"مجھے دادو کے ساتھ رہنے کا زیادہ موقع نہیں ملا ورنہ میں بھی ان سے بہت کچھ حاصل کرلیتا۔ میری بہت سی مصلحتوں نے مجھے ان کے قریب نہ ہونے دیا۔ آج مجھے اس چیز کا بہت افسوس ہوتا ہے۔ خیر۔۔۔! تمہارا ساتھ میرے لیے یقینی تھا۔ شاید اسی لیے مجھے دادو کا پیار بلاواسطہ نہیں بالواسطہ مل رہا ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔؟" حور تقریباً چیخ پڑی۔

طارق کا قہقہہ جاندار تھا۔ "ارے یار۔۔۔ تم تو واقعی ہوش میں آگئیں۔ مجھے تو لگ رہا تھا جیسے میں تمہیں لوریاں سنا رہا ہوں اور تم سو رہی ہو۔ ویسے بھی لگتا ہے تمہیں سونے کا بہت شوق ہے۔"

"بائی دا وے آپ کی یہ انفارمیشن غلط ہے۔ میں

صرف رات کو ہی سوتی ہوں۔ اگر آپ کو اس چیز پہ اعتراض ہے تو آپ خود ایک کام کریں۔ دن میں نہ سویا کریں۔ تاکہ آپ کو رات کو بے محل جاگنا نہ پڑے اور دوسروں پہ اعتراض کا موقع بھی نہ ملے۔" وہ جل کر بولی تھی۔

"کمال کرتی ہو۔ دن بھر یہاں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ہوتی اور تم کہہ رہی ہو کہ میں یہاں سوتا ہوں۔ محترمہ میں یہاں کام کرنے آتا ہوں۔ مکھیاں مارنے نہیں کہ جب موقع ملا ستالیے۔ یہاں تو ایک پل کی بھی فرصت نہیں ہوتی۔"

"جی ہاں، آپ کی مصروفیت کا تو مجھے پچھلے بیس منٹ سے خوب اندازہ ہو رہا ہے کہ آپ دن بھر کس قدر مصروف رہتے ہوں گے۔"

"ارے یار! وہ تو میں تم سے۔ ایسے ہی باتیں کرنے کو جی کر رہا تھا اور ہاں دیکھو، جس کام کے لیے تمہیں فون کیا تھا وہ تو میں بھول ہی گیا۔"

"شکر ہے۔ آپ کو کوئی کام کی بات بھی یاد آئی۔ ویسے بھی آج تک جتنا کام تو آپ نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کی۔"

"اے۔۔۔ لڑکی باز آجاؤ۔ بہت ہوگئی تمہاری سوئی کام، کام اور کام پہ اٹک گئی ہے۔ کام بتانے پہ آگیا تو تمہارے ہوش ٹھکانے آجائیں گے۔"

"میرے ہوش۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ آپ کیا سمجھتے ہیں، میں کام چور ہوں۔۔۔؟"

"دیکھ لو۔۔۔ کچھ ایسے کام بھی ہیں۔۔۔ جو تم سے ابھی تک لیے نہیں گئے ہیں۔" طارق کا لہجہ یک دم دھیما اور شرارتی ہوا تھا۔

حور نے بات فوراً بدل دی۔ "میری نماز قضا ہو رہی ہے، جو کچھ کہنا ہے، جلدی کہہ دیجئے۔"

طارق اس کی گھبراہٹ پہ ہنسنے لگا۔ "دل کر رہا ہے ابھی گھر آجاؤں۔"

"اس میں میرے لیے کون سا کام ہے۔" وہ انجان بنی۔

"وہ میں آکر بتاؤں گا۔ فی الحال مجھے کہیں جانا ہے۔ بزنس کے سلسلے میں رات میں دیر سے آؤں گا۔ اس لیے آج کا پروگرام کینسل ہے۔"

"کون سا پروگرام؟" پھر وہ انجان بنی تھی۔

"صبح میں نے کہا نہیں تھا کہ تمہیں ساتھ لے کر جانا ہے۔ تمہارا کچھ قرض ہے وہ اتارنے کے لیے فی الحال، آج وہ نہیں ہو سکتا۔ کل پرسوں پہ رکھ لیتے ہیں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے کل یا پرسوں پریشان تو آپ کو ملتی نہیں۔ اس لیے میرے سامنے بار بار شرمندہ ہونے سے بہتر ہے کہ اس پروگرام کو مستقل کینسل کردیں۔"

یہ کہہ کر حور نے فون بند کردیا۔ ہنسی ضبط کرنے کی وجہ سے حور کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ تیر ہی اس نے ایسا مارا تھا کہ طارق کا سارا موڈ ہی غارت ہو کر رہ گیا۔ وہ شدید غصے میں بند فون کو گھور رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ حور کو ابھی اسی وقت کیسے اس بات کا جواب لوٹائے۔ چونکہ کام بھی ضروری تھا۔ سوائے حور کا "تحفہ" برداشت کرنا پڑا۔

☼ ☼ ☼

"میری زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ اور آپ لوگوں نے مجھ سے پوچھے بغیر ہی کرلیا۔ کسی نے مجھے بتانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

دل نشین بری طرح تلملا رہی تھی۔

دل شاد کو بیٹی کا یوں اتاؤلا ہو کر چیخنا چلانا بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"دل نشین ہوش سے کام لو۔ آزادی دینے کا مطلب یہ نہیں کہ تم ماں باپ کی حیثیت کو ہی بھول جاؤ۔ ہم ماں باپ ہیں تمہارے۔ تمہارا اچھا برا خوب جانتے ہیں۔"

"میرا اچھا برا۔۔۔ آہ۔۔۔ میرا اچھا برا آپ کیا جانیں گی، آپ کے پاس تو ہمارے لیے وقت ہی نہیں ہے۔"

www.pkdigest.com

"دل نشیں۔۔۔ تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" دل شاد سخت غصے میں آگئیں۔

"آپ اس لڑکی کی لن ترانیاں سن رہے ہیں۔ دل آویز بھی تو ہماری بیٹی تھی۔ ذرا بھی چوں چرا کی تھی اس نے۔" دل شاد کا رخ ابراہیم صاحب کی طرف ہو گیا۔

"اپنی اسی خاموشی کو تو بھگت رہی ہے۔ اگر پہلے بول لی ہوتی تو آج اس حال میں نہ ہوتی۔" دل نشیں نے استہزائیہ کہا۔

"تو تم سمجھتی ہو تم ہم سے زیادہ بہتر سوچ سکتی ہو۔" ابراہیم صاحب نے پہلی بار گفتگو میں مداخلت کی تھی۔ دل نشیں لاجواب ہو کر رہ گئی۔

"ہماری بات کا جواب دو دل نشیں!" ابراہیم صاحب کے لہجے میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ دل نشیں کے وجود میں سنسناہٹ دوڑ گئی۔ وہ باپ سے ڈائریکٹ اپنی پسند کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے فی الحال تھوڑا سا وقت چاہیے تھا جس سے وہ کوئی راستہ نکال سکے لیکن ماں باپ اسی راستے کو بند کرتے دکھائی دے رہے تھے۔

"ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ تم اب یونیورسٹی نہیں جاؤ گی۔ گھرداری میں دلچسپی لو۔ تاکہ مستقبل میں تمہیں دشواریاں پیش نہ آئیں۔"

"واٹ ڈو یو مین بابا۔۔۔!" وہ بری طرح چیخ گئی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کیا کر ڈالے۔

"تو گویا آپ نے اپنے بیٹے کی بات کو درست جان کر یہ سب کچھ کیا ہے یوں کہیے۔ مجھ پہ اپنی بیٹی پہ یقین نہیں رہا آپ کو۔"

"یہ تمہاری غلط فہمی ہے دل نشیں! میں اس موضوع پہ تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔"

"مگر میں کرنا چاہتی ہوں۔ میرے بھائی اپنی من پسند زندگی گزار رہے ہیں۔ میں ان پہ کبھی اعتراض نہیں کرتی تو وہ کون ہوتے ہیں مجھ پہ اعتراضات کرنے والے۔"

"تمہارے رشتے سے ان کا کیا تعلق ہے؟ یہ سراسر ہمارا فیصلہ ہے۔" دلشاد کو بیٹی کا بڑھ بڑھ کر بولنا سخت ناگوار لگ رہا تھا۔

"میں دودھ پیتی بچی نہیں ہوں ماما! جو اس کھیل کو نہ سمجھ سکوں۔ پہلے طارق بھائی نے مجھ پہ شک کیا۔ اس کے بعد اچانک ہی میرا رشتہ کہیں سے آن ٹپکا اور آپ لوگوں نے فیصلہ بھی کر لیا کہ میں آگے نہیں پڑھوں گی۔ ان سب باتوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے ناں کہ مجھ میرے کردار پہ شک کرتے ہوئے آپ میرے لیے شادی کا فیصلہ کر رہے ہیں۔ مجھے اس قابل بھی نہیں سمجھا کہ مجھ سے پوچھ ہی لیا جائے اس سب کو میں کیا سمجھوں۔"

دل نشیں رونے لگی تھی۔ بیٹی کے احتجاج اور رونے پہ ابراہیم صاحب کے دل پہ بوجھ سا آپڑا۔ البتہ دل شاد بیگم کا دل نرم نہیں ہوا تھا۔ وہ ناگواری سے بیٹی کو دیکھ رہی تھیں۔ ابراہیم صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اور بیٹی کے سر پہ ہاتھ رکھ دیا۔

"فی الحال تم جاؤ اور آرام کرو۔ ہمیں بھی ابھی فنکشن میں جانا ہے۔ پھر بات کریں گے۔ ابھی ہماری طرف سے کچھ بھی حتمی نہیں ہے۔ لیکن تم اپنی طرف سے خوب سوچ سمجھ لو۔ جو پرپوزل ہم نے تمہارے سامنے رکھا ہے۔ اس پہ سوچ کر پھر ہمیں جواب دینا۔"

دل نشیں کے دل کو کچھ ڈھارس ہوئی تھی۔ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے چپ چاپ والدین کے کمرے سے نکل آئی تھی۔

اچانک ہی تمام مسائل کو پس پشت ڈال کر ماں باپ کا اس پر متوجہ ہو جانا۔ غیر معمولی نہیں تھا۔ وہ اپنے بستر پہ لیٹے ہوئے سوچ رہی تھی۔

خود پہ سے توجہ ہٹانے کے لیے اسے کوئی نہ کوئی قدم اٹھانا تھا۔

کس کے خلاف۔۔۔؟ اور پہلا دھیان اس کا حورالعین اور طارق کی طرف ہی گیا۔ رگ و پے میں نفرت امنڈ آئی۔ یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان ہی کی وجہ سے ہو رہا تھا۔

اس کے ماما اور بابا نے سوچ کیسے لیا کہ وہ عباد احمد کی شریک سفر خوشی خوشی بن جائے گی۔

راحیل کے بغیر میں جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اسے چھوڑنا تو میرے لیے موت سے کم نہیں ہو گا۔

اسی وقت اس نے فون اٹھایا اور راحیل کا نمبر ملانے لگی۔ مسلسل گھنٹیاں جا رہی تھیں لیکن فون اٹینڈ نہیں ہو رہا تھا۔

دل نشیں نے غصے میں آ کر فون ایک طرف پھینک دیا۔

☼ ☼ ☼

جب وہ کچن میں آئی تو وہاں حورالعین پہلے سے ہی موجود تھی۔

"تم نے کیا کچن میں مستقل قیام کرنے کا ارادہ کیا ہوا ہے؟" وہ سخت چڑچڑے انداز میں بولی تو حورالعین نے چونک کر اسے دیکھا۔

دل نشیں سخت غصے میں تھی۔

"نجانے کھول کر ماما اور بابا کو پلا دیا ہے کہ گھر کا نقشہ ہی بدل گیا۔ حور حیرانی سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہ گھر ہمارا ہے۔ یہاں جو کچھ ہو گا۔ ہماری پسند سے۔ آئندہ ہمارے لیے کچھ پکانے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔ سمجھیں تم۔"

یہ کہہ کر اس نے ملازموں کو چلا چلا کر میں اکٹھا کر لیا۔

"کیا اس گھر میں خانساماں تبدیل ہو گیا ہے تو تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس نے علی میاں کو کھڑے کھڑے شرمندہ کر دیا۔ "صرف باتیں بگھارنے آؤ یہاں یا لان میں بیٹھ کر دھوپ سینکیں۔"

علی میاں؟ گھر کا پرانا خانساماں تھا۔ دل نشیں کے بے عزت کرنے پہ سخت خائف نظر آرہا تھا۔

"ہمیں تو چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا تھا کہ کھانا وہ بنایا کریں گی۔ یہاں سارا دن دل آویز بی بی بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے تو کبھی اعتراض نہیں کیا۔"

"اس لیے کہ اسے گھر یا گھر سے متعلق کسی بھی الا بلا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ اور یہ چھوٹی بیگم صاحبہ تم کسے کہہ رہے ہو۔ اس کا جو نام ہے ناں۔ اسے اس کے نام سے ہی پکارا کرو۔ زیادہ بیگم صاحبہ کا دم چھلا لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ حقارت سے بولی۔ تو حورالعین کی برداشت کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

"میں اس گھر کے بڑے بیٹے کی بیوی ہوں۔ جتنی عزت و قدر طارق کی ہے اتنی ہی میری بھی ہے۔ میں اس کے ساتھ بھاگ کر نہیں آئی۔ باقاعدہ چار لوگوں کے بیچ عزت بنا کر لائی گئی ہوں۔ اب تم لوگ یہاں سے جا سکتے ہو۔"

سارے ملازم کچن سے نکل گئے۔

حورالعین کے جواب پہ دل نشیں سیخ پا ہو گئی۔

"باقاعدہ اور باعزت۔" وہ تنفر سے پھنکاری تھی۔ "باقاعدہ ضرور آئی ہو۔ مگر باعزت نہیں۔ ماما دل آویز اور میں نے کبھی اس رشتے کو قبول ہی نہیں کیا۔"

حورالعین ہنس پڑی۔

"مجھے جس نے قبول کرنا تھا، کر لیا ہے۔ باقیوں سے مجھے کچھ فرق نہیں پڑتا۔"

"تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" دل نشیں مشتعل ہو گئی۔ "ماما گھر پر ہوتیں تو میں تمہارا حشر کروا دیتی۔"

"شکر کرو۔۔۔ کہ وہ گھر پہ نہیں ہیں۔ ورنہ یہاں بہت کچھ ہو جاتا۔" حورالعین کچن سے نکلنے لگی۔ دل نشیں نے دل آویز کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چلا چلا کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔

مگر دل آویز گھر پہ ہوتی تو سنتی ناں۔ وہ تو بیوٹی سیلون گئی ہوئی تھی اور یہ بات حورالعین اچھی طرح جانتی تھی لیکن دل نشیں کو نہ بتائی۔ وہ کیوں بتاتی؟ وہ تو صرف یہ دیکھ رہی تھی کہ دل آویز ہی نہیں دل نشیں بھی ذہنی مریضہ بن چکی ہے۔

تھوڑی ہی دیر میں دل آویز۔۔۔ گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج میں دل نشیں غصے میں بھری بیٹھی تھی۔

"دیکھو۔۔۔ دل شاد۔۔۔! میں نے کیسا ہیئر اسٹائل بنوایا ہے۔ لگ رہی ہوں ناں اپنی عمر سے دس سال

www.pkdigest.com

چھوٹی۔۔۔" وہ پرس سے آئینہ نکال کر بالوں میں برش چلانے لگی تھی۔

اس کا دھان پان سا وجود اور سوکھا لمبوترا چہرہ اور ہر وقت جلتی کلستی آنکھیں۔۔۔ اور سوکھے ہونٹ آج کتنے مختلف لگ رہے تھے۔ چہرے پہ زندگی چمک رہی تھی۔ تن پہ کپڑے بھی خوش رنگ دکھائی دے رہے تھے اور آنکھیں بھی مسکرا رہی تھیں۔ دل نشیں حیرت سے اس کی تبدیلی کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو مجھے۔ کیا میں کوئی عجوبہ لگ رہی ہوں تمہیں؟" دل آویز متذبذب نظر آ رہی تھی۔ دل نشیں نے گہرا سانس خارج کیا۔ گویا اپنا غصہ کم کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔

"ہر شخص اپنی اپنی میں پڑا ہوا ہے کسی کو کچھ احساس ہی نہیں ہے۔" غصہ تھا کہ ایک طوفان جو امڈنے کو بے تاب تھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا کیا کہنا چاہتی ہو تم۔۔۔؟" دل آویز اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"کچھ نہیں۔"

"کچھ تو ہے دل نشیں جو تم۔۔۔" پھر دل آویز چپ سی ہو گئی۔ اس کی عادت ہی نہیں تھی کسی کے معاملے میں مداخلت کرنے کی۔ آج وہ کیسے دل نشیں کو ٹٹولنے جا رہی تھی؟

دل نشیں نے گہری نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔

"میں اس تبدیلی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟"

"کون سی تبدیلی کی؟" دل آویز حیرانی سے بولی۔

"آئینے میں خود کو جا کر دیکھو۔ لگتا ہی نہیں یہ وہی دل آویز ہے جو صرف ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گئی تھی۔"

دل آویز اس کی بات پہ ہنس پڑی۔

"اچھا لگنا کون نہیں چاہتا۔۔۔؟" وہ ایک ادا سے بولی تھی۔

"اس سے پہلے تو تمہیں اس بات کا خیال نہیں آیا۔" دل نشیں کا لہجہ کٹیلا تھا۔

"ہاں۔۔۔ لیکن اب آ گیا۔ آخر وہی ۔۔۔ وہ ہی۔۔۔ کیوں اس گھر میں۔۔۔ کیا صرف وہی۔۔۔ خوبصورت لگ سکتی ہے۔" دل آویز کے لہجے میں جلن تھی۔ "آخر وہ ہے کیا۔۔۔ ہمارے سامنے۔۔۔" پھر دل آویز سرگوشی سے بولی۔ "تمہیں پتا ہے اس گھر کے ملازمین بھی اس کی خوب صورتی اور فٹنس کی تعریف کرتے ہیں۔ کیا واقعی۔۔۔ وہ تمہیں بھی اتنی ہی خوب صورت لگتی ہے؟"

دل نشیں کے آگ ہی تو لگ گئی۔

"کیا ہو گیا ہے سب کو۔۔۔ جسے دیکھو وہی اس سے متاثر نظر آ رہا ہے۔"

"ہم۔۔۔ میں کوئی متاثر نہیں ہو رہی۔ میں نے تو تمہیں ایک بات بتائی ہے۔"

"آج ہمارے اوپر اتنا برا وقت آ گیا کہ ہم اسی کو موضوع بنائیں گے۔ جبکہ۔۔۔ جبکہ اس نے ابھی ابھی میرے ساتھ اتنی بدتمیزی کی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی اور اب میں سمجھ گئی ہوں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ وہ ہم سب کو باری باری اپنے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اور خود حکمرانی کرنا چاہتی ہے اس گھر پہ۔۔۔"

"تم کھل کر بات کرو۔ تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے اور تم کیوں منہ لگیں اس کے جو اس نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کی۔"

"میں اسے اس گھر میں قطعی برداشت نہیں کر سکتی۔" یہی کہتی تھیں ناں ماما بھی پھر کیا ہوا۔ بھول گئیں سب کچھ۔ گویا ہوش ہی نہیں ہے اور جب ہوش آئے گا وہ اپنا تسلط جما چکی ہو گی اور یہ سب کچھ طارق کرا رہا ہے۔ اسے پتا تھا میں۔۔۔ ماما۔۔۔ اور تم اسے قبول نہیں کرو گے۔ اسی لیے وہ تمہیں تمہارے گھر۔ اور مجھے میرے گھر بھجوانے پہ تل گیا ہے۔ مگر یہ سیاست کوئی نہیں سمجھ رہا۔"

دل آویز گہری سوچ میں پڑ گئی۔

"وہ میرا گھر کیسے بسا سکتا ہے۔ رمیض مرد ہی نہیں ہے۔ میں اس سے نفرت کرتی ہوں۔" دل آویز کی

بات پہ دل نشیں سکتے میں آگئی۔

حور العین کو سخت جھٹکا لگا تھا۔ وہ ان کی گفتگو چھپ کر سن رہی تھی۔

"یہ سچ نہیں ہو سکتا یہ دل آویز نے نئی چال سوچی ہے۔ رمیض سے پیچھا چھڑانے کے لیے۔ اسے بچپن سے وہم کی بیماری ہے۔ ناپاکی کا وہم' یہ نارمل لوگوں کی طرح زندگی نہیں گزار سکتی۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے یہ صرف ایک عادت ہوتی ہے۔ جسے جتنا دہرایا جائے وہ اتنی ہی پختہ ہوتی جاتی ہے اور اس کا دہرانا شعوری بھی ہو سکتا ہے اور لاشعوری بھی۔ رمیض مکمل انسان ہے لیکن وہ سطحی مزاج کا مرد ہے۔ وہ ان تکلفات میں کیوں پڑے گا۔ اسے کیا کنفیوژن ہے۔ بقول ڈاکٹر عبداللہ کے۔ اس نے شادی کی ہے اپنی ازدواجی خوشیوں کے لیے۔ جب وہ حاصل نہیں ہوں گی تو وہ کیسے خوش رہ سکتا ہے یا خوش رکھ سکتا ہے۔ یہ بات تو اس فریق کو سوچنا چاہیے کہ وہ کس الجھن میں اپنے ساتھی کو مبتلا کر رہا ہے۔ کیا وہ اس راستے سے فرار چاہتا ہے۔ یا اذیت دینا چاہتا ہے اپنے ساتھی کو..... وہ سوچ رہی تھی۔"

"اگر اذیت دینا چاہتا ہے تو کیوں؟ اس کا مطلب ہے وہ بالکل نارمل ہے اور اگر فرار چاہتا ہے۔ تو اس کیس میں گڑبڑ ہے کیونکہ وہ اپنی عادتوں کو اتنا پختہ کر چکا ہے کہ ان کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

اگر اس سے کہا جائے کہ وہ یہ کیوں کرتا ہے تو اس کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔ اگر اسے اس کے فعل سے روکا جائے گا تو وہ اپنے اندر ایک تناؤ کی کیفیت محسوس کرنے لگے گا۔ جو ضد اور چڑچڑے پن کی صورت ظاہر ہوتی ہے۔ ایسی صورت حال میں اسے اس کے حال پہ چھوڑ دینا یا اس کا الگ تھلگ زندگی گزارنے پہ آمادہ ہو جانا۔ اس کے لیے بہتری نہیں ہے۔ بہتری تب ہی آئے گی۔ جب چلتی پھرتی زندگی اس کے سامنے ہوگی۔

ایسا انسان بعض دفعہ اپنے آپ کو مظلوم بھی سمجھتا ہے اور اندر سے احساس کمتری کا شکار بھی ہوتا ہے۔

جب وہ لوگوں کو خوش اور مگن دیکھتا ہے تو اپنے آپ کو اور بھی کمتر محسوس کرنے لگتا ہے۔

وہ اپنی اصلاح کرنے کے بجائے لوگوں سے تقابلی جائزے پہ مصر ہو جاتا ہے اور اس سبجیکٹ کا یہی ایک کمزور پوائنٹ ہے۔ کہ اس کی جلن اور حسد کی کیفیت کو اجاگر کیا جائے۔ جلن اور حسد بھی احساس کی ایک شکل ہیں یہ اور بات ہے کہ وہ منفی احساسات کو اجاگر کرتے ہیں۔

جب یہ احساسات باہر آئیں گے۔ تو دو صورتیں درپیش ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس طرح جھگڑا فساد پیدا ہونے کا امکان ہو۔ دوسرے یہ کہ سبجیکٹ اپنی خامیاں چپکے چپکے دور کرنا شروع کر دے اور خود کو نمایاں کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ اگر سبجیکٹ اس طرح کرتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ اس طرح اس کی ذات کے دروازے کھلتے ہیں اور اس سے تعاون کیا جا سکتا ہے۔"

ڈاکٹر عبداللہ کی گفتگو اور رائے صحیح نہج پہ جا رہی تھی۔

اور اس میں صرف اس کی کوشش نہیں تھی۔ ابراہیم صاحب کا اسے مکمل تعاون حاصل تھا۔ یہ اور بات ہے کہ گھر میں کوئی بھی اس عمل سے باخبر نہیں تھا۔

حور العین وہاں سے ہٹ گئی تھی کیونکہ ان کی آوازیں آنا بند ہو گئی تھیں۔ لیکن ان کا ابھی موضوع بند نہیں ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

رمیض کے بارے میں اس نے دل آویز کے منہ سے یہ بات دوسری بار سنی تھی کہ رمیض میڈیکلی فٹ نہیں ہے۔

اس سے پہلے وہ یہ بات گھر کی ملازمہ کے سامنے اسے بتا چکی تھی کہ رمیض فٹ نہیں۔ یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ دل آویز اس کو اپنی انتہائی ذاتی زندگی کی کوئی بات بتاتی شاید وہ یہ بات سب میں اچھی طرح

پھیلا دینا چاہتی تھی تاکہ مزید اس سے کوئی سوال ہی نہ کر سکے۔

حالانکہ اس نے تو کوئی سوال بھی نہیں کیا تھا۔ اس کی اتنی مجال ہی کہاں تھی کہ اس کے نجی معاملے میں مداخلت کرنے کی جرأت کرتی۔ وہ اس گھر میں رچ بس جانا چاہتی تھی۔ برباد ہونا نہیں..... وہ دل آویز کی دل جوئی اور خوشامد تو کر سکتی تھی..... سوال و جواب نہیں۔

باقی گھر والوں کی غیر موجودگی میں غیر محسوس طریقے سے وہ یہی کر رہی تھی کہ ایک دن دل آویز خود ہی پھٹ پڑی اور کہنے لگی۔

"مجھ سے اپنے ماں باپ کا غم نہیں دیکھا جاتا۔ وہ میری وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ لیکن انہوں نے یہ پریشانی خود مول لی ہے۔ اب کوئی بھی مجھے ذمہ دار نہیں ٹھہرا سکتا کیونکہ جن حالات سے میں گزری ہوں۔ کوئی بھی لڑکی انہیں برداشت نہیں کر سکتی۔" ملازمہ نے ہمدردی کا اظہار کیا۔

"اگر اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد سے نواز دیتا۔ تو یہ رشتہ کوئی بھی نہیں توڑ سکتا تھا۔"

"اولاد!" دل آویز نے اس لفظ پہ بڑے اچنبھے کا اظہار کیا تو ملازمہ ہی نہیں حور العین بھی حیران ہو گئی۔

"ہاں جی اولاد' رب سوہنے نے آپ کو چار سال میں بھی اولاد نہ دی۔"

"چار سال میں 'وہ رہی ہی کتنا تھی وہاں۔" حور العین دل ہی دل میں حساب کتاب لگا رہی تھی۔

"اولاد کیسے ہوتی۔ وہ اس قابل ہی نہیں ہے۔" حور العین اچھل پڑی تھی اور ملازمہ ساکت رہ گئی تھی۔

یہ بات کہتے ہوئے دل آویز کی نظریں جھکی ہوئی تھیں اور لہجہ بھی اجنبی سا تھا۔ اس کے بعد وہ وہاں نہیں رکی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ملازمہ سے نگاہوں کا تصادم ہوا تو حور العین نے نگاہیں چرائیں لیکن سکینہ بوا تو ادھیڑ عمر خاتون تھیں۔ زمانے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف تھیں۔

جھاڑو پونچھا چھوڑ کر حور العین کے نزدیک آگئیں اور رازداری سے بولیں۔

"ہمیں یہاں کام کرتے ہوئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے۔ ہمیشہ اپنے کام سے کام رکھا لیکن آج آپ سے پوچھ رہی ہوں۔ آپ نے دل آویز بی بی کے شوہر کو دیکھا ہے کیا آپ کو دل آویز بی بی کی بات پر یقین آیا۔"

"سکینہ بوا! آپ مجھ سے اس موضوع پر بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ آپ جا کر ان ہی سے پوچھیں' جنہوں نے یہ کہا ہے۔"

"توبہ توبہ۔ مجھے کیا نوکری سے نکلنا ہے۔ میں تو خود حیران ہوں۔ یہ تو جی بہت بڑی بات ہے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو چار سال کیوں دل آویز بی بی وہاں رہیں۔ اس بات کا فیصلہ تو چار دن میں ہی ہو جاتا۔"

ایک ان پڑھ جاہل ملازمہ عورت چار سیکنڈ میں اس نتیجے پہ پہنچ گئی تھی تو دل آویز اور اس کے والدین کیا سوچ رہے ہوں گے؟"

☼ ☼ ☼

محمود نے آکر بتایا کہ اس کا فون آیا ہے۔ محمود تیرہ چودہ سالہ لڑکا تھا جو سکینہ بی بی کا ہی بیٹا تھا۔

"کیا دل آویز اور دل نشین لاؤنج میں ہی بیٹھی ہیں؟" اس نے پوچھا۔

"نہیں جی' وہ تو شاید کہیں چلی گئی ہیں۔"

"چلی گئیں!؟ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچتے ہوئے نیچے آئی۔ فون اس کی چھوٹی بہن کا تھا۔

"آپی! میں زینو بول رہی ہوں' ابو کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کو یاد کر رہے تھے۔"

"کب سے خراب ہے ابو کی طبیعت اور تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"ابو نے خود ہی منع کیا تھا کہ آپ پریشان نہ ہو جائیں۔ ویسے بھی آپ شادی کے بعد ایک دو بار ہی آئی ہیں۔ آپ تو خود فون بھی نہیں کرتیں۔ اس لیے آپ کے گھر فون کرتے ہوئے ہمیں بھی گھبراہٹ

www.pkdigest.com

ہوتی ہے۔"

"اچھا فضول باتیں نہ کرو میں ابھی آرہی ہوں۔"

وہ جھینپ مٹاتے ہوئے بولی اور فون بند کردیا۔

گھر میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ کس سے پوچھ کر جاتی اور کس کے ساتھ جاتی۔ وہ تذبذب میں مبتلا ہوگئی۔

ابراہیم صاحب بھی گھر پر نہ تھے وہ دل شاد بیگم کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ ان کا نمبر ملایا تو ان کا فون بند تھا۔ طارق سے بھی کانٹیکٹ نہ ہو سکا۔ وہ باپ کی بیماری کا سن کر سخت بے چین تھی۔

بالآخر وہ تنگ آگئی اور اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کا خیال تھا طارق کا فون ضرور آئے گا اور تب وہ اسے بتادے گی۔

☼ ☼ ☼

ڈرائیور کے ساتھ جب وہ گھر پہنچی تو رات کے نو بج رہے تھے۔ زنیو، زوہیب اور نوشین اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ان کی خوشی کا اظہار اتنا بے ساختہ اور دل موہ لینے والا تھا کہ وہ ساری ٹینشن بھول گئی۔

"آپی آپ تو جا کر ہمیں بھول ہی گئی ہیں۔" ان سب کی زبان پہ ایک ہی شکوہ تھا۔ حورالعین کو شرمندگی سی ہوئی۔ اس کے چاروں چھوٹے بہن بھائی جو کہ بے شک سوتیلے تھے۔ مگر وہ تھے تو ایک ہی باپ کی اولاد اور کتنا اسے چاہتے۔ کیوں وہ ایک ہی مخصوص دائرے میں قید ہو کر رہ گئی ہے۔ جہاں صرف لمبی تنہائی، نفرت اور حقارت کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

"اچھا میں ابو سے مل لوں۔"

"ابو تو گھر پر نہیں ہیں۔ ذیشان ابو کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گیا ہوا ہے۔"

"اور امی کہاں ہیں؟" اس نے زنیو سے پوچھا۔

"ظاہر ہے امی بھی ہمراہ ہی گئی ہیں۔ آپ سکون سے بیٹھیں ہمارے ساتھ کھانا کھائیں وہ لوگ ابھی ابھی نکلے ہیں دیر تو لگے گی آنے میں۔"

اور پھر پل بھر میں ہی زنیو اور نوشین نے انواع و اقسام کے کھانوں کی اشیاء اس کے سامنے سجا دیں۔

"زنیو! نوشی! یہ سب اتنا تکلف تم نے صرف میرے لیے کیا ہے؟ کیا ضرورت تھی اتنا سب کچھ کرنے کی۔"

"آپ ہمارے غریب خانے پہ اب نجانے کب تشریف لائیں گی۔ لہٰذا شرف بخش دیجیے۔" زوہیب نے کورنش بجالاتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں کے رویے سے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے ابو کی طبیعت بہت زیادہ خراب نہیں ہے۔" حور اب ذہنی طور پہ بالکل ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

زنیو سنجیدہ سی ہوگئی۔ پھر اس کے سامنے سالن کا ڈونگا رکھتے ہوئے بولی۔

"ابو کو شوگر ہوگئی ہے۔"

"ابو کی فیملی میں سب ہی شوگر کے مریض ہیں۔ فقط ابو ہی رہتے تھے۔ وہ بھی..." وہ پریشانی سے زیر لب بولی۔

"پھر ابو کی ڈائٹ وغیرہ تو بالکل تبدیل ہوگئی ہوگی۔" وہ سالن نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"سب کچھ ہی چینج ہو گیا ہے۔ ابو بہت احتیاط کر رہے ہیں۔ روزانہ صبح واک پہ جاتے ہیں۔ نہار منہ کالے چنوں کا پانی پیتے ہیں۔ بیسن کی روٹی ناشتہ میں لینے لگے ہیں۔"

"پھر شوگر کنٹرول ہوئی ابو کی؟"

"کہاں...؟ بہت ہی کمزور ہو گئے ہیں اور شوگر ایک منٹ میں آسمان پہ اور ایک منٹ میں زمین پہ آجاتی ہے۔ یہی سب سے بڑی پریشانی کی بات ہے۔" زنیو فکر مندی سے بتا رہی تھی۔ پھر نوشین کہنے لگی۔

"ابو کی وجہ سے امی بھی بہت ویک ہو گئی ہیں۔ ہر وقت امی کو بھی کچھ نہ کچھ ہوتا رہتا ہے۔" وہ اداس ہوگئی تو حور نے اسے اپنے پاس بٹھالیا۔

"کچھ نہیں ہوگا ابو کو۔ کیوں فکر مند ہو رہی ہو۔ اچھا اور بہتر علاج، خوراک اور ذہنی سکون انسان کو ان بیماریوں کے خطرناک نتائج سے بالکل محفوظ رکھتا ہے۔ اور لوگ سالہا سال جیتے ہیں۔"

وہ نوشین کو تسلی دے رہی تھی۔ زنیو کے چہرے پہ بھی فکر مندی دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ زوہیب بالکل چپ چاپ بیٹھا تھا۔

نوشین اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"آپ بہت بہادر ہیں آپی! ہم تو ابو کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔" حور کو کتنا رنج ہوا تھا۔

"ہم کتنے ہی بڑے ہو جائیں اور کتنے ہی بہادر لیکن اپنے ماں باپ کو کوئی نہیں بھولتا۔ آج میری امی ہوتیں تو... شاید میں بھی تم لوگوں کی طرح ہوتی۔ پُرجوش اور توانا۔" یہ کہتے کہتے وہ رنجیدہ سی ہو گئی تھی۔

"حور آپی! ہماری امی بھی تو آپ کی ہی امی ہیں۔" نوشین نے گویا اپنی طرف سے حور کو دلاسا دینے کی کوشش کی تھی۔ حور کو اس کی معصومیت پہ ہنسی آگئی۔

"ہاں کیوں نہیں تمہاری امی بھی میری ہی امی ہیں"

"پہلے تو آپ ایسا نہیں کہتی تھیں۔ آپ تو کہتی تھیں۔ منزہ تمہاری ہی امی ہیں۔ میری نہیں۔" نوشین نے بے ساختہ کہا تو حور یکدم سی ہو گئی۔

"نوشین! تمہاری یہی بے وقوفیاں ہیں الٹی سیدھی باتیں کرتی رہتی ہو۔"

"نہیں زنیو! اسے کہنے دو۔ مجھے اس کا بولنا بالکل برا نہیں لگا ہے۔" پھر وہ چپ چاپ کھانا کھانے لگی۔

"ہاں میں پہلے یہی کہتی تھی۔ منزہ میری ماں نہیں ہے۔ نہ میں ان کی عزت کرتی تھی اور نہ ان سے محبت بدلے میں انہوں نے بھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ سوائے نفرت اور بیزاری کے نہ وہ اپنا دل بڑا کر سکیں اور نہ ہی میں لیکن اب احساس ہوا ہے۔ زندگی میں جو سمجھوتا ہی سب کچھ ہے اب میں کیا کر رہی ہوں؟ اگر میں یہی کچھ اپنی سوتیلی ماں کے ساتھ بھی کرتی۔ تو شاید ان کے دل میں جگہ بنا لیتی۔ تب مجھے احساس نہیں تھا اور اب مجھے مکمل احساس ہے۔ اس بات کا کہ اپنائیت اور محبت کس چیز کا نام ہے۔" وہ سوچ رہی تھی۔

"کہاں کھو گئیں آپ کچھ بھی نہیں کھایا اور اٹھ کر کہاں جا رہی ہیں۔"

"میں ہاتھ دھونے جا رہی ہوں۔ شاید ابو آگئے ہیں باہر رکشہ رکنے کی آواز آئی ہے۔"

☼ ☼ ☼

وہ ارباب رحیم کے پاس بیٹھی تھی۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے آنے سے میری تکلیف ختم ہو گئی ہے۔" وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"طارق کو بھی آنا جانا چاہیے۔ مگر تم ہی نہیں آتیں تو وہ کیونکر آئے گا۔"

"آپ مجھے بے حد شرمندہ کر رہے ہیں ابو! میں سمجھتی تھی' امی میرا یہاں آنا پسند نہیں کرتیں۔ اب سوچتی ہوں۔ یہ میری غلط سوچ تھی۔ امی اتنی بری نہیں ہیں۔ جتنا میں انہیں سمجھتی تھی۔"

ارباب صاحب نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ جو سر جھکائے بیٹھی تھی اور چادر کی جھالر سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھی۔

"تم وہاں خوش تو ہو حور...؟" حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"میں نے سنا تھا دل شاد سخت مزاج عورت ہے اور اس کی بچیاں بھی مگر تمہاری نانو کے فیصلے کے سامنے" ارباب کو اندیشوں نے آگھیرا۔

"میں بہت خوش ہوں ابو... یہ فیصلہ نانو کا تھا اور انہوں نے ہمیشہ میرے لیے اچھا ہی سوچا تھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

اس کے چہرے کے سکون نے ارباب صاحب کو سکون کا احساس دلایا تھا تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے نمبر دیکھا فون طارق کا تھا۔ وہ فون اٹینڈ کرنے کی غرض سے باہر آگئی۔

"کیا بات تھی۔ تم نے مجھے فون بھی کیا تھا؟" طارق شاید جلدی میں تھا۔

"ہاں وہ میں نے بابا کو بھی فون کیا تھا اور ماما کو بھی مگر فون نہیں مل رہا تھا۔"

www.pkdigest.com

"کیوں خیریت تو تھی؟"

"ہاں وہ ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے میں اپنے ابو کی طرف آئی ہوئی ہوں بس یہی بتانے کے لیے فون کر رہی تھی۔ مگر۔۔۔"

"اب کیسی طبیعت ہے انکل کی' کیا ہوا ہے انہیں؟" طارق کے لہجے میں پریشانی تھی۔

حورالعین اسے تفصیل بتانے لگی۔

"ٹھیک ہے تم ایسا کرو۔ فی الحال وہیں رکو مجھے آج رات کام کے سلسلے میں آؤٹ آف سٹی جانا پڑ رہا ہے۔ ہو سکتا ہے ایک دو روز لگ جائیں۔" اسے طارق کے رکنے کی اجازت دینے پر خوشی ہوئی۔

"اچھا سنو انکل کا خیال رکھنا اور اپنا بھی۔۔۔"

حورالعین کو ہنسی آگئی۔

"اے ہیلو' سنو یہ کیا مسئلہ ہے۔ جب میں بولتا ہوں۔ تمہاری بولتی کیوں بند ہو جاتی ہے؟"

اب حورالعین کو جواب دینا ہی پڑا۔

"آپ کی اوٹ پٹانگ باتوں کا بھلا میں کیا جواب دے سکتی ہوں؟"

"آ۔۔۔ پ۔۔۔ اللہ رے۔ انداز تخاطب۔"

"میں کیا آپ کی عزت نہیں کرتی؟" وہ شکوہ کر رہی تھی۔

"نہیں!" وہ سچائی سے بولا "اور عزت تو تم میری جب بھی نہیں کرتی تھیں جب میں تمہارا استاد تھا۔ البتہ محبت۔۔۔ محبت تم مجھ سے شروع سے کرتی ہو۔"

حورالعین کو اس کا اترانا سخت زہر لگا تھا۔

"میں آپ کی عزت کرتی ہوں نہ آپ سے محبت۔"

"اب تو مجھے نباہ کرنا ہی پڑے گا مجھ غریب کو۔ داود سرمنڈھ کر جو گئی ہیں۔" طارق کے طنز پر حور کو غصہ آگیا۔

"اس بات کا جواب تو میں تب ہی دے سکتی تھی جب آپ کے روبرو ہوتی۔" وہ گویا دانت کچکچا کر بولی تھی۔ طارق نے بے حد لطف لیا تھا۔

"کوئی بات نہیں مسز طارق! ایسے مواقع بار بار آئیں گے۔ جب ہم آپ کے اور آپ ہمارے روبرو ہوں گی۔ تب آپ کی جرأتیں بھی دیکھ لیں گے۔" طارق کا لہجہ کچھ معنی خیز تھا۔

حور یک دم نروس ہو گئی۔ اسے گم صم پا کر طارق دل کھول کر ہنسا تھا۔

☼ ☼ ☼

"انسان کو اتنا بھی بزدل نہیں ہونا چاہیے کہ اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ نہ کر سکے۔ کس چیز کا دباؤ ہے آخر تمہارے اوپر جو تم کھل کر اپنی رائے کا اظہار بھی نہیں کر سکتے۔" دلنشیں راحیل کے رویے پہ بری طرح جھلس چکی تھی۔

"تم یہ چاہتی ہو کہ جس طرح تم سوچتی ہو' سب اسی طرح سے کریں۔ آخر میری بھی کچھ مجبوریاں ہیں۔" راحیل بری طرح بے بس دکھائی دے رہا تھا۔

"تم جو میرے سامنے اس قدر بے بسی کا اظہار کر رہے ہو مجھے یہ بتاؤ کیا میں تم سے نکاح کا مطالبہ کر رہی ہوں یا میں نے یہ کہا ہے کہ ہم کورٹ میرج کر لیں گے؟"

"میں نے ایسا کب کہا ہے؟"

"میں تمہارے لیے اتنا آگے آگئی ہوں کہ اب پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ سکتی تم مجھے صاف صاف بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔"

راحیل نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد آہستگی سے بولا۔

"میرے اور تمہارے اسٹیٹس میں بہت فرق ہے میں غریب شخص کی اولاد ہوں اور تم دولت مند باپ کی بیٹی۔ مجھے اپنا کیریر بنانے کے لیے تمہارے برابری کے لیے وقت چاہیے۔ کیا تم تب تک میرا انتظار کر لو گی؟"

دل نشیں اس کی طرف دیکھ کر لاپروائی سے ہنس پڑی۔

"بس اتنی معمولی سی بات تھی جسے تم نے اپنے دل کا بوجھ بنا رکھا تھا۔"

gest.com

"یہ بات معمولی نہیں ہے دلشی! ایسی باتیں تب تک معمولی لگتی ہیں، جب تک انسان پریکٹیکل زندگی میں قدم نہیں رکھ لیتا۔ پریکٹیکل لائف میں یہی بنیادی چیزیں کامیابی اور ناکامی کا سبب بنتی ہیں۔"

دل نشیں اس کی دلیل پہ چڑ سی گئی۔

"یہ باتیں اب کیوں کہہ رہے ہو۔ جب تم نے میری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا تب نہیں سوچا تھا کہ یہ دوستی دلوں کی زنجیر بھی بن سکتی ہے۔"

راحیل تڑپ کر بولا۔

"اچھا مجھے تھوڑا سا وقت تو دو۔ میں کوئی راستہ نکالتا ہوں۔" اس کا لہجہ بہت کمزور سا تھا۔

"تم تھوڑا سا وقت مانگ رہے ہو جبکہ میں تمہیں اس موضوع پہ سوچنے کے لیے ساری عمر بھی دے دوں تم تب بھی فیصلہ نہیں کر سکتے۔"

تنفر سے کہتے ہوئے دلنشیں اس کے پاس سے اٹھ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

اب وہ تنہا لائبریری میں بیٹھی تھی۔ اتنا گر کر اور جھک کر اس نے راحیل سے زندگی بھر کا ساتھ مانگا تھا۔ پھر بھی اس نے پذیرائی نہیں کی۔ اگر وہ اتنا ہی کہہ دیتا دل نشیں تم صرف میری ہو اور وقت آنے پہ اس چیز کا فیصلہ ہوگا کہ تمہیں کون اپنائے گا۔

"آہ!" دلنشیں اپنی خوش فہمیوں پہ خود ہی ہنس پڑی۔

"وہ تو اپنی مجبوریاں ظاہر کر رہا تھا۔ مجھ سے یقین دہانی چاہ رہا تھا کیا میں اس کا انتظار کر سکوں گی کیا مجھے نہیں پتا کہ اس کی مجبوریاں کیا ہیں۔ وہ سات بہنوں کا اکلوتا بھائی ہے۔ سب کی امیدوں کا مرکز۔ میں شاید اس کی ترجیحات میں آخری نمبر پر ہوں۔ وہ یہ کہنا تو شاید بھول ہی گیا۔" پھر دلنشیں اپنی بے وقوفی پہ خود ہی ہنس پڑی۔

"کیا مجھے راحیل سے بہتر اور اچھا نہیں مل سکتا۔ صرف اس کے حسن پہ مرمٹی ہوں میں۔ یا اس کی اس ذہانت پہ جس کی بنیاد پہ وہ ساری یونیورسٹی میں شہرت رکھتا ہے۔ ان دو چیزوں کے سوا تو اس میں کچھ بھی خاص نہیں ہے۔ لیکن یہی تو سب کچھ ہے جو اور لڑکیاں بھی اس پہ مرتی ہیں۔ مگر وہ کسی کو بھی لفٹ نہیں کراتا۔ اس کی دوستی ہے تو صرف دل نشیں ابراہیم سے ہے اسی وجہ سے ثوبیہ اور سارہ بھی مجھ سے جلن اور حسد کا شکار رہتی ہیں۔

میری منگنی کی خبر یونیورسٹی میں پہنچ گئی تو سب سے زیادہ ثوبیہ کو تکلیف ہوگی جو مجھے ہر وقت نیچا دکھانے کے لیے اپنے باپ کی دولت کی نمائش کرتی رہتی ہے۔ میرا باپ بھی مجھ پہ جان چھڑکتا ہے۔ لیکن اتنی آزادی نہیں دے سکتا۔ جتنی آزادی ان لوگوں کو حاصل ہے۔ پھر ان لوگوں کا لائف اسٹائل بہت مختلف ہے۔ لیٹ نائٹ ایک دوسرے کے ساتھ گھومنا پھرنا اور ہوٹلنگ کرنا۔ اب مجھے بھی زنجیروں میں جکڑا جا رہا ہے مگر یہ زنجیر عباد کے نام کی ہی کیوں؟ عباد جیسے انسان کے ساتھ میں اچھی اور بھرپور زندگی نہیں گزار سکتی۔ مولانا ٹائپ حلیہ اور لیا دیا انداز مگر میں راحیل جیسے انسان کے ساتھ بھی اچھی زندگی نہیں گزار سکتی۔ وہ بے چارہ تو مجھے بنیادی ضرورتیں بھی مہیا نہیں کر سکتا۔ لیکن کیا محبت اہم نہیں ہوتی؟" وہ الجھ رہی تھی۔

"ہیلو کہاں گم ہو؟" اس کے سامنے کرسی پہ کوئی آ کر بیٹھا تھا اور بڑے بے تکلفانہ انداز میں اس کے سامنے ہاتھ نچایا تھا۔ وہ یک دم چونک گئی۔

"مجھے شکیل باجوہ کہتے ہیں۔"

وہ اس کے نام ہی سے نہیں اس کے کردار سے بھی بخوبی واقف تھی۔ ناگواری کی لہر اس کے چہرے پر دوڑ گئی۔ میز پہ سے فائل اٹھا کر وہ کھڑی ہو گئی تو وہ سامنے آ گیا۔

"مجھے تمہاری یہ ادا بہت اچھی لگتی ہے۔ مگر آج کچھ اچھی نہیں لگی۔ دل نشیں۔" اس نے چبا چبا کر اس کا نام ادا کیا تھا۔ دل نشیں کے تو آگ لگ گئی۔

"اس سے پہلے بھی تم میرا راستہ روک چکے ہو۔ میں خاموش رہی مگر اب میں پرنسپل کو تمہاری شکایت کروں گی۔"

"کیوں؟ میں نے تمہیں ایسا کیا کہا۔ جو تم میری شکایت پرنسپل صاحب سے کرو گی؟"

دلنشیں نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور ایک طرف سے ہو کر چپ چاپ نکلنے لگی۔ شکیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ دلنشیں نے دوسرے ہی پل زوردار تھپڑ شکیل کے چہرے پہ جڑ دیا اردگرد اسٹوڈنٹ اکٹھے ہو گئے۔

شکیل یقیناً کوئی پیش رفت کرنا چاہتا تھا۔ مگر یک دم ہجوم کو اکٹھا پا کر گڑبڑا گیا اور تیزی سے وہاں سے نکل گیا۔

"کیا ہوا دلنشیں! خیریت تو ہے؟ سنا ہے شکیل باجوہ سے تمہاری لڑائی ہو گئی ہے۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں تم اس کے منہ کیوں لگیں؟"

"شٹ اپ!" مختلف سوالات پہ دلنشیں زچ ہو گئی۔ اسماء اور اقصیٰ خاموش ہو گئیں۔

"میں بھلا کیوں منہ لگوں گی ایسے لوگوں کے میں ابھی پرنسپل کے آفس میں جاؤں گی اور اس کی کمپلین کروں گی۔"

"میرا خیال ہے تم فی الحال گھر چلو۔ اس کے بعد سوچنا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔" راحیل نے اسے ہجوم سے نکالا تھا۔

وہ چپ چاپ راحیل کے ساتھ ہجوم سے نکل آئی۔

اب وہ راحیل کے ساتھ بیٹھی تھی۔ وہ سخت الجھا ہوا اور پریشان دکھائی دے رہا تھا جبکہ دل نشیں ابھی تک غم و غصے کا شکار تھی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا اس پہ ہاتھ اٹھا کر؟" راحیل سے بالآخر ضبط نہ ہو سکا تو یہ کہہ بیٹھا۔

"واٹ ڈو یو مین؟" دلنشیں نے اچنبھے سے اس کی طرف دیکھا۔ "کیا تمہاری غیرت گوارا کر سکتی ہے اس تمہاری منگیتر یا بہن کا کوئی ہاتھ پکڑے؟"

"وہ بات اور ہے۔ لیکن دلنشیں! ایک یونیورسٹی میں وقت گزارتے ہوئے ہم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔ بارہا ہم ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑتے ہیں۔ کبھی اس طرح کا تھپڑ تم نے مجھے تو نہیں مارا۔"

"راحیل..." دلنشیں کا غم و غصے سے برا حال تھا۔ اس کا بس نہیں چلا تھا کہ وہ اس کا سر پھاڑ ڈالے۔

"اول تو شکیل باجوہ میرا دوست نہیں ہے اور وہ کس کیٹگری کا لڑکا ہے یہ سب جانتے ہیں۔ بہر حال یہ میرا معاملہ ہے۔ میں خود اس سے نمٹ لوں گی۔"

"یہ صرف تمہارا ہی ذاتی معاملہ نہیں ہے۔ میری قسمت بھی داؤ پہ لگ چکی ہے۔ صرف اور صرف تمہاری وجہ سے۔ سنا تم نے اور یہی تھی میری لاتعلقی اور خاموشی کی وجہ۔ لیکن تم جیسی ہٹ دھرم لڑکیاں صرف اپنا بھلا دیکھتی ہیں۔ تمہارا کیا ہے۔ تم ایک لینڈ لارڈ باپ کی بیٹی ہو۔ تم تعلیم ادھوری چھوڑ بھی دو گی تو تمہاری زندگی پہ کچھ اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن میرا... میرا تو سب کچھ تباہ ہو جائے گا ناں۔"

دلنشیں نے حیرت سے راحیل کی طرف دیکھا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟" وہ بری طرح الجھ چکی تھی۔

راحیل کچھ نہیں بولا چپ چاپ کھڑا ہو گیا۔

"تمہیں... تمہیں شکیل باجوہ سے معافی مانگنا پڑے گی۔"

"واٹ!" دلنشیں اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ نفرت اور دکھ اس کے چہرے کے ہر نقش سے نمایاں تھا۔

"میں اور اس سے معافی مانگوں گی؟"

راحیل کی آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا۔

"ہاں تمہیں اس سے معافی مانگنا پڑے گی یہی تمہارے اور میرے حق میں بہتر ہے۔"

"تم شکیل باجوہ کو سجدے کرو مجھے پروا نہیں لیکن آج کے بعد جان لینا۔ میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہو گا۔ میں ساری زندگی شرمندہ رہوں گی کہ تمہارے ساتھ وقت گزارا۔ شکیل باجوہ کو میں نے تھپڑ مارا ہے اور وہ مجھ سے معافی مانگے گا یہ میں تمہیں دکھاؤں گی۔"

دل نشیں نے حقارت سے کہا اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی وہاں سے چل پڑی۔
راحیل نے بے چارگی سے اس کی پشت کو دیکھا اور پھر غصے سے زمین کو ٹھوکر مار کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ سو کر اٹھی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل نے اسے متوجہ کر لیا۔ پھر اسے یہی خیال آیا۔ ہو سکتا ہے ماما کی کوئی لیگز چائے پہ انوائٹڈ ہوں۔
ابھی وہ کسلمندی سے بستر میں پڑی سوچ ہی رہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ کھلا دلشاد کے ہمراہ دو لڑکیاں تھیں۔ ایک کی گود میں بچہ تھا اور ایک کنواری معلوم ہوتی تھی۔ دلنشیں انہیں دیکھ کر اٹھ بیٹھی۔ ان دونوں نے سلام کیا پھر باری باری بیٹھتے ہوئے بے تکلفانہ انداز میں بولیں۔
"خالہ! دل نشیں تو بالکل آپ پہ گئی ہے۔ ہم نے تو اتنا عرصہ کے بعد دیکھا ہے۔ ننھیال میں کہیں بھی تو نظر نہیں آتیں آپ کی بیٹیاں۔"
"پھر بھی دل آویز کو تو سبھی جانتے ہیں۔ دلنشیں کو تو ہم پہلی بار ہی دیکھ رہے ہیں۔"
ان کی گفتگو پہ دلشاد ہنس پڑیں۔ "ننھیال میں یہ نہیں جاتیں تو تم لوگ کون سا آتے جاتے ہو۔"
"چلیے یہ شکایت اب دور ہو جائے گی آپ کی۔" وہ دونوں یکے بعد دیگرے کھلکھلا ئیں۔
"دلشی بیٹا! یہ تمہاری خالہ کی بیٹیاں ہیں یہ بڑی رابعہ ہے اس کے تین بچے ہیں اور یہ ماریہ ہے؟ ایف اے کر کے گھر میں فارغ ہے۔"
"سنا ہے آپ یونیورسٹی جاتی ہیں؟" ماریہ نے چہکتے ہوئے دل نشیں کی طرف دیکھا۔
دل نشیں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل شاد فوراً بول پڑیں۔ "ہاں دلنشیں کا یونیورسٹی میں پہلا سال ہے۔ اسے پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے ہم نے بھی اسے روکا نہیں۔ ویسے تو دل آویز نے بھی ایف اے کیا ہوا ہے بس آنا" فانا" بچی کی شادی کر دی۔ آہ! کیا معلوم تھا کم عمری میں ہی بچی کو روگ لگا رہے ہیں۔ تین سال جس کھینچا تانی میں گزرے۔ ہمارے دل کو ہی پتا ہے۔"
دل آویز کا دکھ سن کر رابعہ اور ماریہ بھی دلگرفتہ ہو گئیں۔
"اسی لیے تو کہتے ہیں غیروں کی دولت سے اپنوں کی جھونپڑی بہتر ہے۔"
"بس ایک غلطی ہو گئی۔ اب تو دلنشیں کو اپنوں میں ہی دیں گے۔" دلشاد کی بات پہ رابعہ اور ماریہ کھل اٹھیں۔
"ہمارے تو گھر کے نصیب جاگ جائیں گے خالہ! ہمارے گھر میں دلنشیں جیسی بھابھی آ گئی تو۔ امی کے سارے بچوں میں عباد سب سے سعادت مند اولاد ہے ہم تو یہی کہیں گے عباد کی نیکی کا انعام ہے دل نشیں۔"

"اچھا تم لوگ آپس میں باتیں کرو' میں باجی کے پاس جا رہی ہوں۔" یہ کہہ کر دلشاد کمرے سے نکل گئیں وہ عباد کا تذکرہ اس کے سامنے کر رہی تھیں۔ مگر حیرت کی بات تھی اسے بالکل برا نہیں لگ رہا تھا۔ کہاں تو وہ اس ذکر پر ہی ہتھے سے اکھڑ گئی تھی اور کہاں اب اس کے وجود میں خوشی کے سوتے پھوٹنے لگے تھے۔

ان کے جانے کے بعد وہ بہت دیر تک اپنی ذات کا تجزیہ کرتی رہی۔ اس کے من میں کہیں بھی راحیل کا نام و نشان نہ تھا۔ عباد کے نام سے اپنی ذات کتنی مکمل مکمل سی لگ رہی تھی۔ عباد پڑھا لکھا تھا' خوب صورت تھا۔ اپنا ذاتی بزنس تھا۔ اس میں اور بھی بہت سی خوبیاں تھیں کیا وہ ان خوبیوں پر مر مٹی تھی؟
"نہیں!" اس کے اندر گہری تنہائی نے ہچکی لی تھی۔ باوجود سب کچھ ہونے کے وہ بھی دل آویز کی طرح احساس کمتری کا شکار تھی۔ اپنے لیے کسی کا نام کسی کا ساتھ کتنا معتبر سا کر دیتا ہے دنیا اس رنگا رنگی بھیڑ میں۔ وہ بھی کسی کے لیے اہم ہو گئی تھی۔ ٹھیک ٹھاک قدر دان لوگ ہیں۔ اس کی معمولی خوبیوں کو بھی بڑھ چڑھ

کر سراہیں گے۔
اس کی ذات میں فخر نشہ سا بن کر اتر گیا۔
وہ اس نشے سے لبریز ہو کر اور بھی آزادی اور تفاخر سے زندگی گزار سکتی تھی۔ زندگی کو انجوائے کر سکتی تھی۔ ماں باپ کی ایک بات مان کر دس باتیں منوا سکتی تھی۔
وہ یونیورسٹی نہیں چھوڑے گی۔ اب وہ کھل کر جیے گی۔ وہ سب کچھ کرے گی جو اور لڑکیاں کرتی ہیں۔ دوستیاں نبھاتے ہوئے زندگی کے مزے لوٹتے ہوئے اب وہ ان لڑکیوں کے سامنے خود کو کمتر نہیں سمجھے گی جو ہر وقت اس سے مقابلے پہ اتری رہتی تھیں۔ اور جن کو جیلس کرنے کے لیے اس نے راحیل کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔
کیا اسے راحیل سے ذرا بھی لگاوٹ نہیں تھی....
"نہیں" اس کے اندر سے پرزور تردید آئی۔
اور نہ ہی راحیل کو اس سے محبت تھی۔
"اگر اسے مجھ سے ذرا بھی محبت ہوتی تو وہ آج ایسی باتیں نہ کرتا' راحیل کے رویے پہ وہ پھر سے الجھنے لگی تھی۔
یونیورسٹی سے نکلتے ہوئے اس کی طبیعت تکدّر کا شکار ضرور ہوئی تھی۔ لیکن اب.... وہ خود میں بہت خوشگوار سی تبدیلی محسوس کر رہی تھی۔
وہ سوچتے ہوئے کمرے سے نکلی۔ لاؤنج میں دلشاد اکیلی بیٹھی تھیں۔ شاید کسی سے فون پہ بات کر رہی تھیں۔
"باجی کل دوبارہ آئیں گی۔ میں سوچ رہی ہوں۔ وہ اتنا اصرار کر رہی ہیں تو چھوٹی سی تقریب کر دیتے ہیں۔ جس میں وہ دل نشیں کو انگوٹھی پہنا لیں گے۔ اس طرح منگنی کی رسم بھی ادا ہو جائے گی اور وہ لوگ بھی اپنے مہمانوں کو یہاں لا کر ہمارا تعارف کرا دیں گے۔"
دل نشیں مسکراتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔
اس مسکراہٹ کو صرف دل آویز نے دیکھا تھا اور عجیب سی چبھن رگ رگ میں اتر گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"دلنشیں! آج تم یونیورسٹی نہیں گئیں؟"
"نہیں ماما! دل نہیں کر رہا تھا۔" وہ جواب دیتے ہوئے اپنے لیے پراٹھے کا پیڑا بنانے لگی۔
"ابھی تم نے ناشتہ نہیں کیا؟" دل شاد فریج سے پانی نکالتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔
"ابھی تو سو کر اٹھی ہوں۔ آپ کہیں تو آپ کے لیے چائے بنا دوں؟" دل شاد وہیں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
"ہاں بنا دو.... تمہارے بابا بھی ابھی نہیں ناشتا کر کے گئے ہیں یا نہیں۔" وہ سستی سے بولیں۔ "حور العین ہی انہیں ناشتہ دیتی تھی ناں وہ باپ کے پاس جا کر کیوں بیٹھ گئی؟"
"کیوں آپ کو اس کی کمی محسوس ہو رہی ہے؟" دل نشیں کا انداز چبھتا ہوا تھا۔
دل شاد سنبھل گئیں "کم از کم کام سنبھال لیتی تھی اور تو کچھ نہیں۔"
"ہمارے یہاں ملازموں کی کمی تو نہیں۔ خوامخواہ کچن میں ڈیرے ڈالے رکھتی تھی۔" دل نشیں بیلن سے پراٹھا گول کر رہی تھی۔ دل شاد نے کچھ نہیں کہا۔ خاموش ہو گئیں۔
دل نشیں پھر کہنے لگی۔
"مجھے حور العین سے اس وقت نفرت نہیں تھی۔ جس وقت آپ اسے اپنانا نہیں چاہتی تھیں۔ مجھے اس سے اب شدید نفرت ہے' جبکہ مجھے لگتا ہے آپ اسے اپنا چکی ہیں۔"
دل شاد پسپائی سے مسکرائی تھیں۔
"میرے بس میں ہو تو اسے اب بھی گھر سے باہر نکال پھینکوں۔ جس جگہ کا تصور میں نے اپنی بھتیجی کے لیے کیا تھا۔ وہاں اس کو دیکھنا بہت مشکل ہے۔ مگر میں اس بات کا پرچار بار بار کر کے ذلیل نہیں ہونا چاہتی۔ میری خاموشی کو رضامندی نہیں وقتی مفاہمت سمجھو۔"
اتنے میں دل نشیں پراٹھا توے پہ ڈالنے لگی تو دلشاد چونک گئیں اور یکدم کرسی سے کھڑی ہو گئیں۔
"یہ تم کیا کر رہی ہو دلشی؟" وہ حیرانی سے اس کے

قریب آگئی تھیں۔
"گھر اٹھا بنا رہی ہوں ماما!" دل نشیں استہزائیہ بولی۔
"بائیں ہاتھ سے۔۔۔" دلشاد کو گہرا شاک لگا تھا۔
"ہاں آں!" دلنشیں کھلکھلائی تھی۔
"مگر کیوں؟" دل شاد جیسے چلا اٹھیں۔
"ماما! آپ بھی تو بائیں ہاتھ سے سارے کام کرتی ہیں۔"

دل نشیں کو ماں کی حیرت عجیب لگ رہی تھی۔
دل شاد کے لب سل گئے۔
دل نشیں اپنے کام میں پھر سے مگن ہو گئی۔
"پتا ہے کیا ماما! آپ کو بائیں ہاتھ سے کام کرتا دیکھ کر مجھے بہت اچھا لگتا تھا اور مجھے پتا ہی نہیں چلا۔ کب میں یہ عادت اپناتی چلی گئی۔ مجھے لفٹ ہینڈڈ لوگ بہت اپیل کرتے ہیں۔ آپ کو پتا ہے، بہت جینئس لوگ کہلاتے ہیں یہ غیر معمولی خوبیوں کے مالک۔ میرے اساتذہ شروع شروع میں مجھے کہا کرتے تھے۔ لیفٹ ہینڈڈ ہونے کے باوجود میری لکھائی بہت عمدہ ہے۔
اور آپ کو بتاؤں۔ میری فرینڈز بھی میری اس خوبی پر مرتی ہیں۔ ویسے ماما! کتنا اچھا لگتا ہے۔ جب ہم لوگوں سے ذرا مختلف اور منفرد نظر آتے ہیں۔
اور ایک بات اور بتاؤں آپ کو' ایسے لوگوں کو کسی نہ کسی چیز میں شہرت ضرور ملتی ہے۔ اب آپ کو ہی دیکھ لیں۔ بظاہر آپ سادہ سی خاتون ہیں۔ نہ ہی آپ کے پاس ایجوکیشن ہے اس کے باوجود جس این جی او میں آپ ورکنگ لیڈی ہیں وہاں نہ صرف آپ کو نمایاں اہمیت حاصل ہے بلکہ دوسری این جی اوز میں بھی آپ ٹھیک ٹھاک شہرت رکھتی ہیں۔"
وہ بڑے تفاخر سے ماں کی خوبیوں پہ روشنی ڈال رہی تھی۔
مگر دل شاد کو یہ خوبیاں ان خامیوں کو چھپانے کے لیے اپنانا پڑی تھیں' جن کی بدولت وہ بیماری اور تنہائی کا شکار ہو رہی تھیں اور اس میں سب سے زیادہ معاون ابراہیم کی دولت آئی تھی۔
دل شاد کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا۔ مگر اپنی تعریف کے بری لگتی ہے۔ دل شاد نے منافقت سے اس سچائی کا گلا اندر ہی اندر گھونٹ دیا اور زبردستی مسکراتے ہوئے بولیں۔
"تمہاری باتیں ٹھیک ہیں دلشی! لیکن مجھے روکنے والا کوئی نہیں تھا۔ شادی کے بعد مجھے۔۔۔ اسی وجہ سے بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے۔" دل شاد ہچکچاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔ گویا وہ اب ماضی پہ بات تو کرنا درکنار سوچنا بھی نہ چاہتی ہوں۔
"میں جانتی ہوں ماما! آپ نے سسرال میں بہت تکلیفیں اٹھائی ہیں ہماری دادو! نہایت خبطی اور کنزرویٹو عورت تھیں۔ جنہوں نے آپ کی شخصیت کو بالکل ہی مسخ کر کے رکھ دیا تھا۔" دل نشیں ناگواری سے کہہ رہی تھی۔
"اوروں کو ہو سکتا ہے دادو سے محبت ہو مگر مجھے تو بالکل بھی نہیں ہے۔ اور یہ نمونہ جو آپ اٹھا کر لائی ہیں یہ بھی دادو کی تصویر کا ایک رخ ہے۔ نجانے آپ کو اپنے ماضی سے کیسی محبت تھی کہ اسے حال میں پیوست کر لیا۔"
"تمام حالات تمہارے سامنے ہیں۔ اس کے باوجود تم۔۔۔ مجھے ہی مورد الزام ٹھہرا رہی ہو؟" انہوں نے بیٹی سے شکوہ کیا تھا۔
دل نشیں بھڑک گئی۔ "تو پھر کیوں ہے وہ یہاں۔ کیوں دفع نہیں کر دیتیں اسے؟"
"میرے اختیار میں ہوتا تو اسے گھر میں گھسنے ہی نہ دیتی۔۔۔ اور اب اسے نکالوں گی تو پورا بندوبست کر کے۔"
دل شاد نے دل ہی دل میں اپنے ارادے کو دہرایا تھا۔
"وہ تمہارے لیے بالکل بھی اہم نہیں ہونی چاہیے تمہیں یہ محسوس کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہونی چاہیے کہ وہ یہاں ہوتی بھی ہے یا نہیں۔ وہ ہم سب کے لیے بالکل غیر اہم ہے۔"
انہوں نے مسکراتے ہوئے بیٹی کے گال کو تھپتھپایا تھا۔
"یہ آپ کہہ رہی ہیں لیکن وہ اپنا راستہ بنا رہی ہے"

اسے راستے بنانے دو۔ وہ کتنی ہی ہوشیار بننے کی کوشش کرے۔ مگر ہے گی تو پست گھرانے کی چھوٹی سوچ کی مالک۔ تم دیکھنا وہ ہمیں فتح کرنے کے لیے اس باورچی خانے تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گی۔"

یہ کہہ کر دل شاد مکاری سے ہنسی تھیں۔ اور اس باران کی ہنسی میں اب دل نشیں کی ہنسی بھی شامل ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"سچائی کتنی بھی تلخ ہو لیکن انسان اس سے نظریں نہیں چرا سکتا۔ مجھے دل نشین ابراہیم کو استعمال کرنا ہے اور اسی میں میرا مفاد پنہاں ہے۔ میں چاہوں بھی تو اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ میری نجات اسی میں ہے۔"

راحیل نے بے چین ہو کر کروٹ بدلی۔ "مگر دلنشیں یونیورسٹی نہیں آ رہی۔ اگر اس نے مستقل نہ آنے کا فیصلہ کر لیا تو" وہ یکدم بے چین ہو کر اٹھ بیٹھا۔ سوچ سوچ کر وہ ہلکان ہو چکا تھا۔ لیکن اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی کہ شکیل باجوہ سے کیسے جان چھڑائے۔ اسی وقت کمرے کا دروازہ بجنے لگا۔ رات کے اس پہر کون ہو سکتا ہے۔ وہ حیران ہوا دروازہ پھر بجنے لگا۔ سناٹا اتنا برا تھا کہ سماعت پہ گراں گزر رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے ہی شکیل اور اس کے ساتھی کھڑے تھے۔

راحیل چونکا نہیں۔ چپ چاپ سامنے سے ہٹ گیا۔ وہ لوگ اندر آ گئے۔

"لگتا ہے، تمہیں بھی نیند نہیں آ رہی۔" شکیل نے بے تکلفی سے اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا پھر جوتوں سمیت اس کے بستر پہ نیم دراز ہو گیا۔ راحیل نے کوئی جواب نہیں دیا، وہ پہلے ہی بہت الجھا ہوا تھا۔

"میں تم سے کہتا تھا کہ اسے میری طرف مائل کرنے کی کوشش کرو۔ لیکن تم نے کبھی بھی دھیان نہیں دیا۔" پھر شکیل خود ہی قہقہہ مارتے ہوئے بولا۔

"تمہیں بھی تو اپنے حلقۂ احباب پہ رعب بنانا تھا۔ جب ہی تو اس سونے کی چڑیا کو ساتھ دبائے پھرتے تھے۔"

"مگر وہ میری طرف مائل تھی تو اس میں میرا قصور کیا تھا۔" راحیل کی آواز گھٹ رہی تھی۔

"اسے اپنا لیتے تو سالوں میں نہیں دنوں میں ترقی کرتے۔" شکیل نے گویا اس کا مذاق اڑایا تھا۔

اس نے دزدیدہ نگاہوں سے شکیل کی طرف دیکھا۔

"یہاں بے شمار لڑکوں کی لڑکیوں سے دوستیاں ہیں۔ کیا سب یہی سوچ رکھتے ہیں؟"

شکیل اس کی طرف دیکھ کر ہنسا اور طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔ "تو کیا تم نے اسے اپنی بہن بنا رکھا تھا؟"

راحیل کو ضبط کرنا پڑا۔

"اگر ایسا ہی ارادہ تھا تو تم نے میری پیش کش کو نظر انداز کیوں کیا؟"

راحیل کی برداشت جواب دے گئی۔ "وہ میری پراپرٹی نہیں تھی۔ جسے میں جب چاہے کسی کے حوالے کر دیتا۔ وہ بہت ہوشیار اور سمجھ دار لڑکی ہے۔" اس نے گویا قصہ ہی تمام کر دیا تھا۔

"لڑکیاں کتنی بھی ہوشیار ہوں جسے دل دے بیٹھتی ہیں۔ اسے اپنی عقل بھی سونپ دیتی ہیں۔"

"میں نے کہا ناں اس کا اور میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے۔" راحیل زچ ہو چکا تھا۔ شکیل ہنس پڑا۔

"ٹھیک ہے پھر یہ سال تمہارا ضائع ہی سمجھو۔" اس نے جیب میں سے چند کاغذ نکالے اور ان کے سامنے لائٹر جلایا۔ راحیل تڑپ کر اس کی طرف بڑھا۔

"خدا کے واسطے شکیل! ایسا نہ کرو۔ یہ میری عمر بھر کی محنت کا سوال ہے۔" شکیل نے لائٹر آف کر دیا۔ "خدا کے واسطے میرے کسی ڈاکومنٹس کو کوئی نقصان نہ پہنچانا۔ میں اس سال اگر امتحان نہ دے سکا تو کبھی بھی کسی امتحان میں کامیاب نہ ہو پاؤں گا۔" وہ رو دیا تھا۔ شکیل اور اس کے ساتھی ہنسنے لگے۔ راحیل زمین پہ بیٹھ گیا۔ وہ شکیل کے سامنے ہاتھ جوڑے بیٹھا رو رہا تھا۔

"میں سچ کہتا ہوں۔ میں یہاں صرف اعلا تعلیم حاصل کرنے آیا تھا۔ وہ میرے خود بخود قریب آئی تھی۔"

"میں یہ رام کہانی سننے نہیں آیا۔" شکیل بھڑک گیا پھر اپنے گال پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے بولا۔

"مجھے اس تھپڑ کا ازالہ چاہیے۔" شکیل کی آنکھوں میں وحشت تھی۔

"مگر وہ معافی نہیں مانگے گی۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ وہ پرنسپل کے پاس نہیں جائے گی۔"

"کیوں نہیں جائے گی وہ پرنسپل کے پاس؟" شکیل بھڑک کر سیدھا ہو گیا۔ "اسے پرنسپل کے پاس ضرور جانا چاہیے۔" شکیل کے چہرے پر مکروہ مسکراہٹ تھی۔ راحیل کا رنگ اڑ گیا۔

"دیکھو شکیل! تم میرے محسن ہو۔ مگر اس احسان کو اتارنے کے لیے مجھے کسی غلط کام پہ نہ اکساؤ۔"

ابھی راحیل بات ہی کر رہا تھا کہ شکیل نے اپنی جیب سے موبائل فون نکال لیا۔ یہ وہی موبائل فون تھا جو چند دن قبل راحیل کے پاس ہوا کرتا تھا اور یہ اسے باجوہ ہی نے دیا تھا۔ یہ اسے باجوہ نے کیوں دیا تھا۔ یہ ایک الگ کہانی تھی۔

فی الحال شکیل اسے فون میں ریکارڈ دلنشیں اور راحیل کی گفتگو سنا رہا تھا۔

"یہ براؤن کلر تم پہ بہت جچتا ہے۔ لیکن تم اکثر وہائٹ یا آسمانی شرٹس ہی پہنتے ہو۔" یہ دل نشیں کی آواز تھی۔ راحیل کھلکھلا کر ہنسا۔

"تمہیں براؤن کلر اچھا لگتا ہے۔ میں اب ہر شرٹ اسی کلر کی لے لیا کروں گا۔"

"میں نے اب ایسا بھی نہیں کہا۔ مجھے تو رنگ سارے ہی اچھے لگتے ہیں۔"

"لیکن براؤن کلر میرا تو پسندیدہ ہے۔" راحیل کی آواز میں شوخی تھی۔

"آں، ہاں کیا کر رہے ہو۔ میری چوڑی ٹوٹ گئی۔" دل نشیں کی ہنسی میں اعتراض کے ساتھ محبت کی آمیزش تھی۔

"تمہیں پتا ہے دلشی تمہاری آنکھوں کا رنگ بھی براؤن ہے اور یہ تمہارے چہرے پہ بہت جچتا ہے۔" راحیل کی آواز مدھم ہو رہی تھی۔

"آج کا فنکشن بہت زبردست تھا۔" دل نشیں کہہ رہی تھی۔

"میں فنکشن کی نہیں تمہاری تعریف کر رہا ہوں۔"

شکیل نے اسپیکر آف کر دیا۔ راحیل کو اچھی طرح یاد آ گیا کہ یہ کس دن کا واقعہ تھا۔ راحیل دل ہی دل میں تملا رہا تھا اسے اپنی بے بسی اور مجبوریوں پہ رونا آ رہا تھا۔

"تمہیں یاد ہے جب ہم آڈیٹوریم سے نکلے تھے تو میں نے تمہیں یہ موبائل فون دیا تھا، تم اسے لیتے ہوئے ہچکچائے تھے۔"

"ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے اور تب تم نے میرے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر کہا تھا یہ میں تمہیں اس لیے دے رہا ہوں تاکہ تم سے رابطے میں رہ سکوں۔" اس کی سنجیدگی پہ شکیل ہنس پڑا۔

"اور تم اس روز اتنے خوش اور مگن تھے۔ تمہیں پتا ہی نہیں تھا کہ اس کا ریکارڈنگ اسپیکر آن ہے۔" شکیل نے یہ کہہ کر موبائل کو چوما اور اسے اپنی پینٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ "جب وہ پرنسپل کے پاس میری شکایت لے کر جائے گی، تب میں انہیں یہ ڈائیلاگز سنواؤں گا۔"

"کتنی پرانی دشمنی ہے تمہاری؟"

"دشمنی اس نے بنائی ہے ہم تو دوستی کرنا چاہتے تھے مگر اس نے ہمیں یعنی شکیل باجوہ کو نظر انداز کر کے تمہارے جیسے چلیچر سے راہ و رسم بڑھائی۔ یہ شکیل باجوہ کی کھلم کھلا انسلٹ تھی۔ وہ اگر امیر زادی ہے تو شکیل باجوہ بھی کسی سے کم نہیں۔ بس اسی وجہ سے تمہارے قریب آنا پڑا۔" راحیل اس کی سفاکی پہ حیران تھا۔

"تم نے تو شاید یہ سوچا بھی نہ ہو کہ سب کچھ ہوتے

ہوئے شکیل باجوہ نے جب تمہیں تمہاری ماں کے لیے رقم دی تو تمہارے ڈاکومنٹس بطور گارنٹی اپنے پاس کیوں رکھے اور اب وہ وقت آگیا ہے اس قرض کو میں سود سمیت واپس لینا چاہتا ہوں۔" راحیل کے چہرے کا رنگ سفید پڑ رہا تھا۔

"گھبراؤ نہیں، تمہیں اس سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ بلکہ ہو سکتا ہے زیادہ ہی فائدہ ہو جائے۔" یہ کہہ کر شکیل اور اس کے ساتھی کمرے سے نکل گئے۔ جبکہ راحیل اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب اس نے شکیل سے مدد مانگی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کو وہ لوگ دیر تک جاگتے رہے تھے۔ ظاہر ہے وہ اتنے دن بعد تو اپنے بہن بھائیوں سے ملی تھی۔ وہ یہاں آئی تھی ان سب کے لیے یہ خوشی بھی بہت بڑی تھی۔ رات کے پچھلے پہر ان سب کی آنکھ لگی تھی وہ صبح بہت دیر تک سونا چاہتی تھی۔ بے فکری اور چین کی نیند کتنے دن کے بعد نصیب ہوئی تھی۔ لیکن صبح ہی صبح اس کا موبائل بجنے لگا۔ پہلا خیال بھی آیا شاید طارق کا فون ہو۔ الٰہی خیر کرے۔

"بھابھی! میں ولید بول رہا ہوں۔ بہت دیر سے ٹرائی کر رہا تھا۔"

"ہاں مگر خیریت تو ہے؟" اس کے دل میں ہلچل سی ہونے لگی۔ دھیان طارق کی طرف ہی گیا۔

"ہاں بس خیریت ہی سمجھیں۔ میں آپ کو لینے آ رہا ہوں۔ بس پانچ منٹ میں آپ تیار رہیے گا۔" ولید نے اتنا کہا اور فون بند کر دیا۔ حور کی نیند تو گیا حواس بھی گم ہو گئے۔

وہ تیزی سے بستر سے نکلی اور واش روم میں چلی گئی۔

"نجانے کیا بات ہے جو ولید یوں اچانک صبح صبح لینے آ رہا ہے۔"

ماموں، ممانی، دل آویز، دلنشیں، طارق، کہیں طارق کو تو کچھ نہیں ہو گیا۔" منہ دھوتے ہوئے اس کے آنسو پانی میں مل رہے تھے۔ طارق کا خیال آتے ہی جان پتے کی طرح کانپنے لگی۔ عجیب عجیب واہمے اور وسوسے آ رہے تھے۔ کم از کم ولید بتا تو دیتا کہ معاملہ کیا ہے۔ اسے خود پر جھنجلاہٹ اور ولید پہ غصہ آ رہا تھا۔

جلدی جلدی بال برش کیے۔ اتنے میں اس کا فون پھر بجنے لگا۔

فون کی آواز سن کر اسماء اس کے کمرے سے نکل آئیں۔

"بس میں آ رہی ہوں۔" وہ چپل پہن کر چادر اوڑھنے لگی تھی۔ فون آف کر کے پرس میں ڈالا۔

اسماء اس کا اترا ہوا چہرہ اور بھیگی آنکھیں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔

"کیا بات ہے حور! اتنی صبح صبح کہاں جا رہی ہو؟"

وہ انہیں کیا بتاتی۔ اسے تو خود نہیں پتا تھا۔

"پتا نہیں گھر سے فون آیا تھا۔ ولید لینے آ رہا ہے۔" وہ جلدی میں تھی آگے بڑھ گئی۔

"حور رکو۔۔۔۔ یونہی چلی جاؤ گی۔" اسماء تیزی سے کچن میں گئیں اور ایک گلاس دودھ لے آئیں۔

"یہ پی لو۔" حور حیرانی سے اپنی ماں کا منہ دیکھنے لگی۔

"کوئی زیادہ پریشانی کی بات ہے تو تمہارے ابو کو اٹھاؤں؟"

"نہیں، نہیں۔ ابو کو مت جگایئے گا۔ پہلے ہی ان کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ اور اس کا میرا بالکل دل نہیں کر رہا۔"

اس نے دودھ کے گلاس کو بڑی کوفت سے دیکھا پھر معذرت خواہانہ انداز میں سوتیلی ماں کی طرف دیکھا۔ جس نے بالکل برا نہیں مانا تھا۔ تب ہی ڈور بیل بجنے لگی۔ اسماء اس کے پیچھے پیچھے دروازے تک آئیں۔

"حور! جاتے ہی فون کرنا۔" انہوں نے اسے گاڑی میں بیٹھتے دیکھ کر کہا تو حور کے قدم رک گئے۔ اس نے مڑ کر اسماء کی طرف دیکھا۔ جن کے چہرے اور آنکھوں میں حور کے لیے تفکر تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلائی اور گاڑی میں بیٹھ گئی۔ سگی نہ سہی سوتیلی ماں تو تھی اور ماں کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ اس کے دل

کے وسوسے کم ہونے لگے۔

"خیریت تو ہے ولید! کچھ بتاؤ گے بھی۔ گھر میں سب ٹھیک تو ہے ناں؟" اس کی بے چینی فطری تھی۔

"بالکل شانت ہو جائیں، سب خیریت ہے۔" اس نے ولید کی طرف دیکھا۔ ملگجا سراپا اور اس کے وجود سے اٹھتی اسپرٹ کی سی بدبو۔ وہ بالکل مطمئن انداز میں گاڑی چلا رہا تھا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وہ مزید الجھ گئی۔

"میں نے کہا ناں۔ فکر نہ کریں گھر میں گھر والے سب خیریت سے ہیں۔ کوئی خاص پریشانی نہیں۔ بس ایک معمولی سا مسئلہ ہے۔"

ولید نے اتنا ہی کہا تھا کہ اس کا سیل گانا سنانے لگا۔ ولید نے فون کان سے لگا لیا۔

"اچھا۔ اچھا۔ پھر۔ چلو کوئی مسئلہ نہیں۔ اسے بعد میں دیکھ لیں گے۔ ہاں۔ تم پریشان مت ہو۔ یہ میرا درد سر ہے۔ او کے بائے۔" فون بند ہو گیا۔

"بات یہ ہے۔" ولید نے تیزی سے گاڑی موڑی۔ حور نے حیرانی سے دیکھا وہ راستہ گھر کی طرف نہیں جاتا تھا۔ اتنے میں ولید کا سیل پھر بجنے لگا۔

"او یار! تم سے کہا تو ہے۔ یہ میرا درد سر ہے۔"

"او۔ السلام علیکم آنٹی۔ ہاں۔ ہاں۔ نبیل ہمارے ساتھ ہی تھا۔ بس معمولی سا ایکسیڈنٹ تھا۔ بس نبیل کو زیادہ خراشیں آئیں ورنہ ہم سب تو بچ گئے۔"

یہ کہہ کر وہ ہلکا پھلکا سا مسکرا دیا تھا۔ پھر آنٹی کی مزاج پرسی کرنے لگا۔

حور حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔ پوچھتی تو تب ناں جب اسے فون سے فرصت ہوتی۔ ایک کال بند ہوتی دوسرا نمبر بجنے لگتا۔ بالآخر وہ اپنی منزل پہ پہنچ گئے۔

"یہ ہم کہاں آ گئے ہیں۔۔۔؟" حور نے گاڑی سے اتر کر اس گھر کو دیکھا جہاں اس کا بچپن گزرا تھا۔

"اس گھر کو نہیں پہچانتیں آپ؟" یہ کہہ کر ولید آگے بڑھ گیا۔

"پہچانتی ہوں مگر تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟" حور

www.pkdigest.com

نے بے زاری سے پوچھا۔

"اطمینان سے اندر آجائیں پھر بتاتا ہوں۔"

وہ مین گیٹ کھول کر اندر بڑھتا چلا گیا۔ ظاہر ہے اسے بھی پیروی کرنا پڑی۔

"رانی او رانی۔۔۔!" ولید نے آوازیں لگائیں۔ ملازمہ دوڑ کر آگئی۔

"شیر خان کہاں ہے؟"

"صاحب وہ باہر گیا ہے۔"

"اچھا تم ایسا کرو جلدی سے کمرے کا حلیہ درست کرو اور سب سے پہلے یہ گلاس وغیرہ یہاں سے دفعان کرو اور جگ میں صاف ستھرا پانی اور دو گلاس لے آؤ۔"

حور ڈرائنگ روم کے وسط میں شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔ ملازمہ جا چکی تھی۔

"آپ اطمینان سے بیٹھ جائیں۔" یہ کہہ کر وہ فون ملانے لگا۔

لگتا تھا کانٹیکٹ نہیں ہو رہا تب ہی وہ جھنجلا گیا۔

"نجانے لوگ فون رکھتے ہی کیوں ہیں؟"

"میں پوچھ سکتی ہوں تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔" حور کو غصہ آگیا۔

کمرے کا حلیہ بتا رہا تھا کہ یہاں رات بھر رت جگا رہا ہے۔ ٹی وی ڈیک سے لے کر کارپٹ اور اس پہ ٹرے جابجا گلاس اور بجھے ہوئے سگریٹ اور کھانے کے خالی برتن کشن و تکیے۔ ٹھیک ٹھاک لوگوں کی گیدرنگ کا پتا دے رہے تھے۔

اتنے میں رانی پانی لے آئی اور کمرے کو سمیٹنے لگی۔

جہاں تک اسے یاد تھا۔ نانو کے بعد یہ گھر ماموں نے لے لیا تھا اور اسے کرائے پر دے دیا تھا۔ تاحال یہ کس کی دسترس میں تھا۔ رہائش نہ ہونے کے باوجود ملازمین یہاں کیا کر رہے تھے۔ حور کو کئی سوالات نے یکدم پریشان کر دیا تھا۔

"ہم لوگ۔ یعنی یار دوست وغیرہ یہاں مل بیٹھتے ہیں۔ بس ہلا گلا موج مستی سب ہی کچھ کرتے ہیں۔ رات کچھ زیادہ کا موڈ ہو گیا تو گڑبڑ ہو گئی۔"

وہ شرمندہ تو ہرگز نہیں تھا۔

"ویسے تو پہلے بھی ایسے پروگرامز ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن آس پڑوس کے لوگوں کو بھنک نہیں پڑتی۔ نجانے رات کیسے نیبرز کو پتا چل گیا یہاں پر قریب ہی صدیقی صاحب ہیں بابا کے بہت قریبی دوست' وہ سارے محلے کو اکٹھا کر کے دروازے پر آگئے۔ اگر بابا کے جاننے والے نہ ہوتے ناں تو ایسا سبق سکھاتا کہ عقل ٹھکانے آجاتی۔ لڑکی کو تو پچھلے دروازے سے نکال دیا۔ مگر سارا محلہ ایک ہی بات کہہ رہا ہے کہ یہاں غیر اخلاقی دھندا ہو رہا ہے اور لڑکی ابھی بھی موجود ہے۔ شیر خان نے بتایا کہ وہ لوگ پولیس کو بلانے کی دھمکیاں دے رہے ہیں لیکن میرا نہیں خیال کہ وہ لوگ پولیس کو بلائیں گے۔ البتہ ماما بابا سے شکایت ضرور کر دیں گے۔ ماما بابا نے زیادہ سے زیادہ برا بھلا کہنا تھا اور بس۔۔۔ لیکن ان ہمسایوں کی تسلی کے لیے فوری طور پر میرا دھیان یہی آیا کہ آپ اپنے پیرنٹس کے یہاں ہیں آپ کو اور طارق کو بلا لیتے ہیں۔ اول تو یہاں کوئی آئے گا نہیں اور آ بھی گیا تو معقول جواز ہو گا آپ اور طارق اپنے پرانے آبائی گھر میں دو چار روز گزارنے کے لیے آئے تھے۔ اور ایسی ویسی کوئی بات نہیں ہے۔ مگر اس طارق پہ مجھے سخت غصہ آرہا ہے۔ پچھلے دو گھنٹے سے فون ملا رہا ہوں اور فون آف ہے۔ نجانے بھنگ پی کر سو رہا ہے۔"

ولید کی خود غرضی' بے وقوفی اور جلد بازی پر حور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"تمہیں پتا ہے ولید۔۔۔ طارق دو روز سے شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں۔" حور کی آواز خوف سے پھٹ رہی تھی۔ حور کا اتنا کہنا تھا کہ ولید کا رنگ اڑ گیا۔

"کیا۔۔۔؟ مگر مجھے تو نہیں پتا تھا۔"

"کم از کم تم مجھے اپنے پلان سے تو آگاہ کر سکتے تھے۔"

حور نے ناگواری سے کہا اور جانے کے لیے اٹھ گئی۔ اس کا یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔

"آئی ایم سوری بھابھی۔ مجھے بالکل نہیں پتا تھا کہ طارق شہر سے باہر گیا ہوا ہے۔"

"تمہیں کسی کے بارے میں پتا رکھنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ میرے بارے میں کیسے علم ہو گیا تھا تمہیں کہ میں اپنے میکے میں ہوں۔" حور کا لہجہ ناگوار ہی نہیں نفرت آمیز بھی تھا۔

"شاید میں نے پرسوں رات دل نشیں وغیرہ سے سنا تھا کہ آپ اپنے گھر گئی ہوئی ہیں۔۔۔ چلیے میں چھوڑ آتا ہوں آپ کو۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے اس احسان کی۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ غصے میں آگے بڑھی۔

اسی وقت شیر خان کمرے میں داخل ہوا۔

"صاحب۔۔۔ وہ بڑے صاحب اور بڑی بیگم صاحبہ آئے ہیں۔"

"کیا۔۔۔؟" ولید کو یقین ہی نہ آیا۔۔۔ پھر وہ یکدم جیسے ہوش میں آگیا۔

"مائی گاڈ۔۔۔ ماما نے آپ کو یہاں دیکھ لیا تو قیامت ہی آجائے گی۔"

"آپ ایسا کریں۔ یہاں پچھلے دروازے سے باہر چلی جائیں۔ وہ لوگ اندر آجائیں گے تو شیر خان آپ کو۔"

ولید کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے دل شاد بیگم دروازے میں لال بھبھوکا چہرہ لیے کھڑی تھیں۔ ان کے چہرے پہ حقارت غصہ' نفرت کیا کچھ نہیں تھا۔

حور کو ولید کی اس حرکت پہ سخت غصہ آیا تھا۔ وہ صاف صاف بتانا چاہتی تھی کہ معاملہ کیا تھا لیکن اس کے سر پر تو گویا آسمان آگرا۔ جب دل شاد بیگم تنتناتی ہوئی آگے بڑھیں اور پے در پے ولید کا چہرہ طمانچوں سے لال کر دیا۔

"ساری رات گزارنے کے بعد اب اسے پچھلے دروازے سے بھگا رہے ہو۔"

حور شرم کے مارے گویا زمین میں گڑ گئی۔

"فار گاڈ سیک ماما! کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" وہ غصے میں جھنجلایا تھا۔

"تم اب بھی مجھے جھٹلاؤ گے۔۔۔ اب بھی۔۔۔ اتنی بڑی حقیقت کو کیسے جھٹلاؤ گے۔ رات کو سارے محلے نے اسے تمہارے ساتھ آتے دیکھا اور اب تم اسے پچھلے دروازے سے نکال رہے تھے۔ اس بے غیرت کو۔" دلشاد بیگم کا اشتعال آسمان کو چھو رہا تھا۔

"آپ جو کچھ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔" غم و غصے سے حور کی آواز پھٹ رہی تھی۔ وہ پوری قوت سے چلائی تھی۔

"آواز کو نیچے ہی رکھو تو بہتر ہو گا۔ اپنے باپ کے یہاں گئی تھیں تم یا یہاں راتیں گزارنے کے لیے آئی تھیں۔"

"میں کہتی ہوں ایک لفظ بھی آگے بولا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

غم و اشتعال سے اس کا چہرہ اور آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ حور پوری قوت سے چلائی تھی۔

"ہاں۔ بے شرمی کا واحد حل بھی یہی ہے کہ تم کہیں ڈوب مرو۔"

اس الزام پہ حور کے آنسو تھے کہ رکنے کا نام نہ لے رہے تھے اور ساری جان پتے کی طرح علیحدہ کانپ رہی تھی۔

"تمہارا باپ ساتھ آیا ہے میرے۔ مارے شرم کے وہ میرے ساتھ یہاں تک نہیں آئے۔ مگر اب۔۔۔ جب انہیں علم ہو گا کہ یہاں کوئی غیر بازاری عورت نہیں۔ ان کی سگی بھانجی موجود ہے تو تب وہ یہاں ضرور آئیں گے اور انہیں یہ حقیقت اپنی آنکھوں سے دیکھنی بھی ضرور چاہیے۔" دل شاد بیگم نے چبھتی نگاہوں سے حور کی طرف دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ ابراہیم صاحب کو آوازیں دے رہی تھیں۔

حور کے سر پر تو گویا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ وہ اپنی صفائی دینے کو لرزتی کانپتی ٹانگوں کے ہمراہ باہر نکلی تھی لیکن سامنے سے آتے ابراہیم کو دیکھ کر اس کا سارا خون نچڑ کر چہرے پہ آگیا۔ ابراہیم صاحب کے چہرے پہ رنج و ملال اور آنکھوں میں اس کے لیے تحقیر تھی۔

حور کے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ اپنی صفائی میں اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔ ابراہیم صاحب چپ چاپ بنا کچھ کہے سنے واپس پلٹ گئے۔

(باقی آئندہ)

www.pkdigest.com

ناول

میمونہ خورشید علی

کسی راستے کی تلاش میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی' جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزو مند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنادیا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دل شاد بیگم کا پھوہڑپن مشہور کردیا تھا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی دل آویز شادی کے بعد ہی میکے آبیٹھی' ماں باپ کی ناچاکی نے اسے نفسیاتی مریض بنادیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند کرتی تھی' طارق نسبتاً "صلح جو" تھا۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حورالعین سے طے ہے۔ جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باق اور پراعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس کا واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بی بی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حورالعین سے کردیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حورالعین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید' حورالعین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باقی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے ڈرتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند گھنٹوں میں ہی ہوجاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حورالعین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود تیار کرلیتی ہے۔

حورالعین کو پہلے دن سے ہی سسرال میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل شاد بیگم ہی نہیں دل آویز اور دل نشیں بھی اس سے جلن محسوس کرتی ہیں۔ صرف ولید اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اپنی اچھی فطرت سے مجبور ہو کر وہ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ طارق اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دل نشیں اپنے کلاس فیلو راحیل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات طارق اور ابراہیم صاحب کے علم میں آجاتی ہے۔ دل نشیں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انہیں شدید تشویش ہوتی ہے۔

(اب آگے پڑھیے)

www.pkdigest.com

راحیل اپنا اسٹیٹس بڑھانے اور یونیورسٹی میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے دل نشین سے راہ و رسم بڑھاتا ہے۔ لیکن معاملہ اس وقت بگڑتا ہے جب شکیل باجوہ دل نشین میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ وہ ایک بد کردار انسان ہے۔ شکیل دل نشین کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے، جس پر غصے میں آکر وہ اسے تھپڑ مارتی ہے۔ شکیل بدلہ لینے کے لیے راحیل کو استعمال کرتا ہے اور اپنا کیریئر بچانے کے لیے راحیل ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ راحیل کا بے گانہ رویہ دل نشین کا دل اس کی جانب سے ہٹا رہا ہے۔ اس دوران دل شاد بیگم اپنے بھانجے عباد سے اس کی منگنی کے معاملات طے کرتی ہیں جس پر اسے کوئی اعتراض نہیں۔

اپنے والد ارباب رحیم کی ناسازیٔ طبیعت پر حور اپنے میکے آتی ہے تو اسے اپنے سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کا گرم جوش رویہ شرمندہ کر دیتا ہے۔ جلدی میں وہ صرف طارق کو فون پر مطلع کر پاتی ہے۔ وہ وہاں خاصی مطمئن ہوتی ہے کہ اچانک اسے لینے ولید صبح صبح آ دھمکتا ہے اور گھر لے جانے کے بجائے اسے نانو کے گھر لے آتا ہے جو ان دنوں ولید اور اس کے دوستوں کے استعمال میں ہے۔ ولید کی نازیبا حرکت کا علم جب حورالعین کو ہوتا ہے تو پہلی فرصت میں وہ واپسی کا قصد کرتی ہے۔ لیکن اسی وقت دل شاد بیگم اور ابراہیم صاحب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ دل شاد اس پر بے ہودہ الزامات لگاتی ہیں جس پر وہ زمین میں گڑ کر رہ جاتی ہے۔ زیادہ تکلیف اسے ابراہیم صاحب کی نظروں میں اپنے لیے بے اعتنائی دیکھ کر ہوتی ہے۔
(اب آگے پڑھیے)

۴
چوتھی قسط

شدت غم سے حور کو ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا دل پھٹ جائے گا۔

بے وقت تمام اس نے دیوار کا سہارا لیا تھا۔ در و دیوار اس کے سر پر آ رہے تھے۔ ولید باپ کے پیچھے پیچھے نکل گیا تھا۔

"شیر خان!" دل شاد نے ملازم کو پکارا۔ پھر ملازم کے پیروں میں گاڑیاں کی چابیاں پھینکتے ہوئے بولیں۔

"یہ جہاں جانا چاہتی ہے' اسے چھوڑ آؤ۔ اس سے قبل یہاں آس پڑوس کے لوگ اکٹھے ہوں اور ہماری عزت کا جنازہ نکلے۔ اسے یہاں سے دفعان کرو۔ مجھے تو ابراہیم کی فکر ہو رہی ہے۔ کہیں وہ یہ صدمہ دل پر نہ لے لیں۔"

وہ تحقیر بھری نگاہوں سے حور کو دیکھتے ہوئے بہ عجلت باہر نکل گئیں۔ حور دیوار سے سر پیچ پیچ کر رونے لگی۔ روتے روتے وہ زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

شیر خان اس کے انتظار میں گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

بہت دیر تک وہ زمین پر ایسے ہی بیٹھی روتی رہی تھی۔ پھر اس کی نگاہ ملازمہ رانی پر پڑی۔ تو اس کی جان میں جان آگئی۔ اس نے ہتھیلی سے آنسو صاف کیے اور دوڑ کر رانی کے پاس گئی اور کہنے لگی۔

"تمہیں تو پتا ہے ناں رانی! کہ میں یہاں ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی آئی تھی۔ تمہیں پتا ہے ناں؟" وہ بے تابی سے رانی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں جی۔ آپ تو ابھی آئی تھیں۔ وہ عورت جو رات سے یہاں تھی۔ وہ تو کوئی اور عورت تھی۔ آپ تو شریف گھر کی معلوم ہوتی ہیں۔"

"میں' میں اس گھر کی بہو ہوں۔ ان کے بڑے بیٹے کی بیوی ہوں جو مجھ پر الزام لگا کر گئی ہیں۔" غم سے نڈھال وہ رانی کو اپنی بپتا سنا رہی تھی۔ رانی حیرانی سے حور کی جانب دیکھنے لگی۔

"لگتا ہے تم لوگوں نے شادی میں شرکت نہیں کی۔ تب ہی تم مجھے نہیں جانتیں۔ مگر میں بتاؤں تمہیں میں ولید کے بڑے بھائی کی بیوی ہوں۔" حور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

"انہوں نے غلط فہمی اور بدگمانی کی بنیاد پر مجھ پر اتنا

بڑا الزام لگایا ہے۔ طارق میرے شوہر شہر سے باہر ہیں۔ انہیں یہ سب بتایا جائے گا تو میرا گھر اجڑ جائے گا۔"

یہ کہہ کر حور نے رانی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

"تم تو سچائی سے واقف ہو۔ ان لوگوں کو بتاؤ گی نا کہ سچ کیا ہے۔ تم میرا ساتھ دو گی ناں رانی؟" حور رو رہی تھی۔

رانی کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے اور اس نے حور کے جڑے ہوئے ہاتھ کھول دیے۔

"آپ فکر نہ کریں بیگم صاحبہ! میں اور شیر خان آپ کا گھر اجڑنے نہیں دیں گے۔ ہم سچائی بتا دیں گے۔ مگر۔"

"ہاں بولو۔"

"بیگم صاحبہ!" جب آپ کو پتا تھا کہ آپ کا دیور اچھے کردار کا نہیں ہے۔ تو آپ اس کے ساتھ کیوں یہاں آئیں۔ یہاں تو آئے دن ایسی ہی عیاشیاں ہوتی ہیں۔ ہم تو جی کمین ملازم لوگ ہیں۔ اسی تابع داری کے پیسے ملتے ہیں ہمیں۔ لیکن آپ تو کچھ سوچتیں۔ آپ کو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔"

حور نے آنسو صاف کر لیے۔ اس کے دل میں ولید کے لیے زہر اور آنکھوں سے نفرت ابل رہی تھی۔

"ولید نے جان بوجھ کر میرے ساتھ ایسا کیا ہے۔ میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اپنے عیبوں کی پردہ پوشی کرنے کے لیے اس نے مجھے نشانہ بنایا ہے۔ میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

وہ غصہ اور حقارت سے بولی تھی۔

☆ ☆ ☆

"بے غیرتی کی انتہا اس وقت ہو جاتی ہے جب انسان اپنے کیے پر مطمئن ہو' اسے کوئی شرمندگی نہ ہو' یہ بے غیرتی کا چلتا پھرتا شاہکار ہے۔"

دل شاد نے اسے اوپر کمرے میں جاتا دیکھ کر دونوں بیٹیوں سے استہزائیہ کہا تو حور کے قدم سیڑھیوں پہ جم گئے۔ وہ گویا پتھر کی طرح ساکت ہو گئی تھی۔

"طارق کو فون کر دیا ہے میں نے' شام کی فلائٹ سے وہ واپس آ رہا ہے۔ جو کچھ یہاں سے لے جانا چاہتی ہو' سامان باندھ لینا۔ غیرت مند مرد بدصورت عورت کے ساتھ تو گزارہ کر لیتا ہے۔ لیکن بدکردار عورت کے ساتھ ایک پل بھی نہیں رہ سکتا۔"

حور لڑکھڑائی تھی۔ گرل نہ تھامتی تو منہ کے بل نیچے آتی۔

"میرا طارق غیرت مند ہے۔ میں نے ولید کو بھی گھر سے نکال دیا ہے میں نہیں چاہتی۔ تمہاری وجہ سے بھائی بھائی کا خون کرے۔ اب اس میں ولید کا بھی کیا قصور۔ نجانے تم نے رنگ رلیاں اس کے ساتھ منائی تھیں یا اس کے دوستوں کے ساتھ۔"

"دل شاد بیگم! خدا کے واسطے خاموش ہو جائیں۔ میرے دماغ کی نسیں پھٹ جائیں گی۔" ابراہیم کی رنج میں ڈوبی دل گیر آواز ابھری تو دل شاد کے لب سل گئے۔ وہ گھبرا کر ــــ شوہر کی طرف دوڑیں۔

"آپ کیوں بستر سے اٹھ کر آ گئے۔ پہلے ہی آپ کی ہارٹ بیٹس اس قدر تیز ہے۔ ٹیبلٹ کے بعد کچھ دیر آرام تو کر لیتے۔ کچھ ہو جائے گا آپ کو تو کیا کریں گے ہم لوگ۔" دل شاد نے مصنوعی آنسو نکالے تو ابراہیم نے ملال و تاسف سے بیوی کی طرف دیکھا۔ اور دل گرفتہ لہجے میں بولے۔

"کچھ ہونے کو اب بھی باقی ہے؟"

دل شاد چمک کر بولیں۔ "آپ اپنے دل پر نہ لیں۔ میں سب کچھ سنبھال لوں گی۔" دل شاد کی کٹیلی نگاہیں سیڑھیوں پہ تھیں۔

"خدا کے واسطے دل شاد بیگم! جو کچھ ہو چکا ہے۔ وہ کم تکلیف دہ نہیں۔ آپ بار بار ہمارے زخموں پہ نمک پاشی کیوں کر رہی ہیں' اس گھر کی عزت کیوں برباد کر رہی ہیں آپ۔ یہاں ملازم بھی ہیں' وہ کیا سوچیں گے ہمارے بارے میں۔ آخر کو وہ بیٹا تو ہمارا ہی تھا۔"

"اب جانے دیں اس بات کو۔" دل شاد نے گویا ٹالا

www.pkdigest.com

تھا۔

"کیوں جانے دوں کیسے جانے دوں؟" وہ بھڑک گئے۔ "کیا آپ اسے جرم سے بری الذمہ کردیں گی؟"

دل شاد بیگم کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ انہوں نے نرمی سے ابراہیم کا بازو پکڑا اور انہیں اندر کمرے میں لے گئیں۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ سارا الزام اپنے بیٹے کو ہی دیں گے۔ ٹھیک ہے ہمارا ہی بیٹا گندہ تھا۔ گندہ ہے۔ میں پوچھتی ہوں۔ آپ کی بھانجی تو ستی ساوتری تھی۔ وہ کیا لینے پہنچی تھی وہاں۔ پندرہ سال سے تو میری بیٹیاں وہاں نہیں گئیں۔ صرف اس لیے کہ اس بے غیرت نے عیاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے اسے۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی جانتی ہوں ولید میں ہٹ دھرمی اور ڈھٹائی اتنی ہے کہ آپ نے اس گھر کو تالے لگوا دیے تو اس نے تالے توڑ ڈالے۔ ملازمین کے ساتھ بدسلوکی کی۔ محلے والوں کو ستایا۔ کتنا کہا تھا میں نے آپ سے اس گھر کو ہی بیچ دیں۔ محلے والے بھی ہمارے اوپر لعنت ہی بھیجتے ہوں گے۔ لیکن آپ کو تو جیسے اماں جی کی یادوں سے جڑا رہنا تھا۔ اس گھر کو ملکیت میں ہی رکھنا تھا۔ کیسا چاند چڑھایا ہے۔ آپ کی بھانجی نے۔ چلو اماں جی کی روح کو بھی سکون آگیا ہوگا۔"

دل شاد کا کٹیلا انداز ابراہیم کی روح کو گھائل کر گیا تھا وہ سر تھام کر بے بسی سے بیٹھ گئے۔

"اس گھر سے اس کا بچپن وابستہ تھا۔ اماں جی کی یادیں اور اور بھی بہت کچھ۔ ہو سکتا ہے وہ اسی لیے گئی ہو۔ لیکن اس نے اکیلے وہاں رات کیوں گزاری۔ مجھے زندہ مار ڈالا ہے حور! تم نے کہیں کا نہیں چھوڑا۔ مجھے تمہاری یہ حرکت بالکل سمجھ میں نہیں آئی۔ تم اتنی نادان اور بھولی تو نہیں تھیں۔"

ابراہیم رو رہے تھے۔ دل شاد کو ابراہیم کی باتوں سے تقویت مل رہی تھی۔ وہ قریب بیٹھ گئیں اور ان کی دل جوئی کرتے ہوئے بولیں۔

"آپ نہیں سمجھ سکتے.... جو بچے بنا والدین کے تربیت پاتے ہیں اور خاص طور پر ماں کی تربیت سے محروم لڑکیاں۔ وہ خود کو تو نقصان پہنچاتی ہی ہیں۔ اپنے خاندانوں کا بھی اچھا برا نہیں سوچتیں۔ یہ لڑکی شروع سے ہی خود سر تھی۔ مجھے تو لگتا ہے اس نے طارق کو نیچا دکھانے کے لیے ایسا دانستہ کیا ہے۔"

"طارق کو نیچا دکھانے کے لیے؟" ابراہیم نے حیرانی سے بیوی کی طرف دیکھا۔

"ہاں کیونکہ میں محسوس کرتی تھی۔ طارق نے اسے اس کی اوقات پہ رکھا ہوا ہے۔ بارہا مجھے ایسا لگتا تھا کہ ان کے مابین تعلق خوشگوار نہیں ہے۔ شادی والی رات تو ساری رات طارق نے باہر لان میں گزاری تھی۔"

ابراہیم کو یہ انکشافات سن کر حیرانی ہو رہی تھی۔ پھر بھی دل شاد کا رویہ ایسا تھا جو بیٹے کے ساتھ۔

"میں ماں ہوں ابراہیم! اپنی اولاد سے غافل نہیں رہ سکتی۔ طارق میرا بیٹا ہے۔ وہ ایک نظریاتی پختہ سوچ رکھتا ہے۔ ایسی اوٹ پٹانگ لڑکیاں تو ہزار مل سکتی تھیں اسے۔ مگر آپ نے خیر۔ چھوڑیں اس بحث کو' بہرحال یہ لڑکی اگر ایسا سوچتی ہے۔ تو یہ گھر بسانے کے نہیں گھر اجاڑنے کے حربے ہیں۔ نہیں کیا' خود ہی نقصان اٹھائے گی۔"

ابراہیم کو دل شاد بیگم کی باتوں سے سازش کی بو آرہی تھی۔ مگر انہوں نے کسی بات کی تردید نہیں کی چپ چاپ وہ سنتے رہے۔ پھر طویل خاموشی کے بعد بولے۔

"اب مزید وقت نہیں ہے۔ ولید کا گھر بس جانا چاہیے۔ یہ ہماری ہی غفلت اور ڈھیل کا نتیجہ ہے کہ آج پانی سر سے گزر گیا پھر خداوند تعالیٰ کو بھی ہم نے منہ دکھانا ہے۔ آپ اس کے لیے لڑکی دیکھیں۔ میں جلد از جلد اس کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔"

"لڑکی اور میں.... " دلشاد بیگم اچنبھے سے بولیں۔

"کہاں خاطر میں لائے گا وہ میری پسند کو۔"

"دل شاد بیگم! وہ ہمارا ہی بیٹا ہے۔ اسے اتنا ہوا نہیں بنائیں۔ وہ کیوں شادی نہیں کرے گا۔ کیا عمر بھر ہمارے منہ پہ کالک ملنے کے لیے پیدا ہوا ہے وہ۔"

وہ یکدم غیظ و غضب میں آکر بولے تو دل شاد بیگم چپ ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

وہ ابراہیم کے پیچھے پیچھے گھر تک آیا تھا۔ اور انہیں یقین دلانے کی کوشش کی تھی کہ جیسا وہ لوگ سوچ رہے ہیں ایسا ہرگز کچھ نہیں ہے۔ ابراہیم نے حقارت سے اس کے بگڑے حلیے اور اس کے منہ سے پھوٹتی شراب کی بدبو کو دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں اس خمار کی وجہ سے سرخ ہو کر سوج رہی تھیں۔

وہ اس حالت میں ایمان اور قرآن کی قسمیں کھا رہا تھا۔ ایک غلیظ اور ناپاک شخص بار بار اللہ کا نام لے رہا تھا۔ ابراہیم کو اس کے وجود سے گھن آرہی تھی۔ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

زچ ہو کر وہ غیظ و غضب میں چلائے تھے کہ وہ ان کی نظروں کے سامنے سے دفع ہو جائے' وہ جانتا تھا اس وقت ماں کو مطمئن نہیں کر سکتا لیکن۔ باپ' باپ اس کے ساتھ یہ بدسلوکی اور بد اعتمادی کرے گا؟! اس سے برداشت نہ ہوا اور وہ غصے میں گھر سے نکل گیا۔ یہ سوچے سمجھے بنا کہ اس کے یوں غائب ہو جانے سے حوریہ پر زندگی کا دائرہ کس قدر تنگ ہو جائے گا مگر اسے پروا ہی کہاں تھی۔ رنج تھا تو اس بات کا کہ اس کے والدین اسے اتنا گھٹیا بھی سمجھ سکتے ہیں۔ اسے صرف اپنی ذات کی پروا تھی۔ اور کچھ نہیں۔ سارا دن وہ اپنے دوست کے ہاں بند کمرے میں شراب کے سہارے اپنا غم بھلانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دن بھر میں اس کے تین چار فون آچکے تھے۔

سب سے پہلے اسماء نے اس کی خیریت دریافت کی۔ پھر اس کے پاپا نے پھر اس کے چھوٹے بہن بھائیوں نے۔ سب ہی کو یہ فکر لاحق تھی کہ وہ اچانک صبح صبح چلی گئی تھی۔ کیا بات تھی۔ وہ کیا بتاتی کہ اس پہ کیا قیامت ٹوٹ رہی ہے۔ اسے انتظار تھا تو طارق کا۔ طارق آئیں گے تو میں انہیں سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی

www.pkdigest.com

اور مجھے ملازموں کی گواہیاں لینے کی ضرورت کیا ہے۔ میرے ماں باپ اور اور میرے بہن بھائی جن کے ساتھ میں نے رات گزاری کیا وہ میرے حق میں نہیں کھڑے ہوں گے۔

مگر کتنی شرم ناک بات ہے۔۔۔ کس طرح سامنا کروں گی میں اپنے ماں باپ کا اور بہن بھائیوں کا۔ کیا میرے سسرال والے مجھ پہ اتنا گھٹیا بھی الزام لگا سکتے ہیں۔ کیا اوقات ہے میری میرے سسرال میں سب کو پتا چل جائے گا۔ یا خدا میں کیا کروں۔ کیا کروں۔۔۔۔ وہ رو رو کر ہلکان ہو چکی تھی۔

جو لوگ ایسا الزام لگاتے ہوئے نہ کانپے۔ وہ کیونکر کسی کی گواہی کا یقین کریں گے۔ پھر تو میں ہر طرف سے ذلیل و خوار ہو کر رہ جاؤں گی۔۔۔ اسے کوئی راہ سجھائی نہ دے رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

بالآخر سسک کر وقت گزر ہی گیا۔

طارق گھر آگیا تھا۔۔۔ ابراہیم نے بیوی کو سختی سے منع کر دیا تھا کہ فی الحال کوئی بھی بات طارق سے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایک تو وہ سفر سے آرہا ہے۔ دوسرے جب تک ہمیں خود کسی معاملے کا صحیح علم نہیں ہو جاتا۔ اسے پھیلانا ہمارے لیے بھی باعث شرم ناک ہے۔

”تو گویا آپ ابھی تک بھی کسی خوش فہمی میں مبتلا ہیں۔“

”ہاں!“ ابراہیم نے ٹھوس لہجے میں کہا۔ ”کیونکہ وہ ہماری ہی بچی ہے‘ ہمارا خون ہے۔ وہ بدکردار نہیں ہو سکتی۔“

”موقع واردات سے بازیاب ہونے کے باوجود آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔“

”یہی معمہ تو حل نہیں ہو رہا ہے۔“ وہ یکدم نڈھال سے بولے تو دل شاد کے چہرے پہ چمک آگئی۔

”ٹھیک ہے آپ کہتے ہیں تو میں طارق کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ پھر بھی میں دیکھتی ہوں آپ کی بھانجی اپنا گھر بسا پائے گی یا نہیں۔“

طارق والدین کے کمرے میں کچھ دیر بیٹھا رہا تھا۔ اسے باپ کی طبیعت کی فکر ہو رہی تھی۔ وہیں بیٹھے بیٹھے اس نے ہارٹ اسپشلسٹ ڈاکٹر امجد سے ٹائم بھی لے لیا تھا جو انہوں نے کل رات کا دیا تھا۔

رات دس بجے جب طارق اپنے کمرے میں آیا تو حور کی حالت دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ ستا ہوا چہرہ۔ متورم آنکھیں اور خشک ہونٹ اور اجڑا اجڑا سا حلیہ۔ وہ طارق کو دیکھ کر بے صبری سے بستر سے اٹھی اور طارق کے سینے سے لگ گئی۔ وہ بلک بلک کر رو رہی تھی۔

طارق حیران و پریشان تھا۔

”کیا ہوا ہے حور! کچھ بتاؤ تو سہی۔“ اس کا نرم اور ملائم لہجہ۔ حور کو حیران کر گیا۔ اس نے بے یقینی سے سر اٹھا کر طارق کی طرف دیکھا۔

وہ خود پریشان سا‘ الجھا ہوا سا اس کی طرف مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ حور نے جلدی جلدی دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں۔

”آپ کو کسی نے کچھ نہیں بتایا؟“ یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے۔ وہ خود کس منہ سے اور کس طرح بتائے گی کہ بات کیا تھی۔

طارق نے نفی میں گردن ہلا دی اور مسکرا کر اس کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے اسے صوفے پہ اپنے ساتھ بٹھایا پھر کہنے لگا۔

”ضرور ماما کا اور تمہارا جھگڑا ہوا ہوگا۔ ہے ناں۔ یا دل آویز وغیرہ نے تمہیں کچھ کہہ دیا ہوگا۔ کم آن حور! ان باتوں کو لے کر چلو گی تو زندگی کیسے گزرے گی۔ ہاں اور تمہیں پتا ہے۔ بابا کی طبیعت بہت خراب ہے۔ ان کی ہارٹ بیٹس بڑھی ہوئی ہیں۔ جو تشویش ناک ہے۔ شاید اسی وجہ سے کسی نے مجھ سے ذکر نہیں کیا۔ تم بتاؤ تم نے یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے۔ ارے یہ کیا! مجھے تو لگتا ہے تمہیں ٹمپریچر بھی ہو رہا ہے۔ کم آن حور۔ کچھ تو حوصلہ کرو۔ میرے ساتھ زندگی گزارنا اتنا آسان نہیں ہے۔ تمہیں میں پہلے بھی بتا چکا ہوں تمہیں ان سب مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

وہ آہستہ آہستہ پیار سے اسے بہلا رہا تھا۔ وہ اس کی محبت پا کر بجائے خود کو مضبوط پانے کے ریزہ ریزہ ہوتے ہوئے محسوس کر رہی تھی۔

”طارق! آپ مجھے چھوڑ تو نہیں دیں گے۔“ اس کی آواز ندھم تھی۔

”کیا میں نے تمہیں چھوڑنے کے لیے اپنایا تھا۔“ وہ اس کے بال سنوار رہا تھا۔ وہ بے یقینی سے طارق کی طرف دیکھنے لگی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اسے طارق کو سب کچھ بتا دینا چاہیے وہ طارق سے کچھ نہیں چھپائے گی اور طارق کو سب کچھ بتا دیا۔

”آج صبح صبح ولید نے مجھے فون کیا۔ میں ابو کے گھر میں تھی سو رہی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ مجھے لینے آرہا ہے۔ وہ بہت پریشان لگ رہا تھا میں خود بھی پریشان ہو گئی۔ وہ مجھے لینے آگیا۔ میں اس کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی تو میں نے سب گھر والوں کے بارے میں پوچھا۔ وہ اپنے فونوں میں مصروف رہا۔ پھر وہ مجھے نانو والے گھر میں لے گیا اور اس نے مجھے سارا قصہ سنایا کہ وہ مجھے کیوں لے کر آیا ہے۔ مجھے اس پہ سخت غصہ آیا۔ اسے آپ کا بھی پتا نہیں تھا کہ آپ شہر سے باہر ہیں۔ ابھی میں اسے غصے میں برا بھلا کہہ کر نکل ہی رہی تھی کہ ماما اور پاپا پہنچ گئے اور پھر۔۔۔ ماما نے مجھ پہ ایسے ایسے الزام لگائے کہ میں بتا نہیں سکتی۔“

یہ کہہ کر حور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔ ”میں نے ان کے الزامات کو جھٹلایا اور ولید نے بھی۔ مگر انہیں یقین نہیں آیا‘ انہوں نے کہا کہ میں رات بھر وہیں رہی ہوں پھر انہوں نے بابا کو بھی یہی کچھ بتایا۔ طارق میں نے بابا کی نگاہوں میں خود کو مجرم پایا تو میں بالکل ٹوٹ گئی۔ مگر میں مجرم نہیں ہوں۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ میں مجرم نہیں ہوں۔ آپ تو اس بات کا یقین کریں گے ناں۔ اور وہ ولید‘ ولید تو غائب ہی ہو گیا۔ کم از کم۔۔۔ اسے بھی سچائی کا سامنا تو کرنا چاہیے تھا۔ آپ کے بھائی نے میرے ساتھ جان بوجھ کر ایسا کیا ہے۔ نہ جانے یہ لوگ کیا چاہتے ہیں طارق! جو میرے ساتھ ایسا ہوا۔“ وہ رو رہی تھی۔

یک دم اس نے محسوس کیا۔ طارق کا بازو اس کے گرد سے ہٹ گیا تھا۔ طارق کی آنکھوں میں اجنبیت اور چہرے پہ سفاکی تھی۔ حور اس کے تاثرات دیکھ کر کانپ اٹھی۔

☼ ☼ ☼

دو روز کے بعد ولید کو اس بات کا خیال آیا تھا کہ یوں بند کمرے میں بیٹھ کر ماتم کرنے سے کچھ نہیں ہوگا۔ اسے اصل حقائق کو سامنے لانا ہوگا۔ سچائی جب ہی بے نقاب ہوگی جب وہ دونوں ملازموں کو گھیرے کر جائے گا۔ یہ خیال آتے ہی وہ وہاں سے نکل پڑا تھا۔

دو دن تک غم و غصے میں بھڑ بھڑ جلنے کے باوجود بھی اس کا غصہ نہیں اترا تھا کہ اس کی ماں نے اس پہ اتنا گھٹیا الزام لگاتے ہوئے ایک پل کے لیے بھی نہیں سوچا۔

کیا وہ اسے اتنا رذیل سمجھتی ہیں کہ وہ اس قدر گری ہوئی حرکت بھی کر سکتا ہے۔ سالی کا تو سالا۔ کم از کم آپ کو کچھ تو لحاظ کرنا چاہیے تھا۔

آپ حور العین سے اتنی نفرت کرتی ہیں کہ آپ نے اپنے بیٹے کے منہ پر بھی کیچڑ مل دی۔ پتا نہیں بھابی کا کیا حال ہوگا۔ یہ حالات تو طارق کو بھی پتا چلے ہوں گے۔ بھابی کس طرح اکیلی ساری نفرتوں کا مقابلہ کر رہی ہوں گی۔ کوئی بعید نہیں ماما نے انہیں گھر سے بھی نکال دیا ہو۔“ اس کی کنپٹیاں سلگنے لگی تھیں۔

وہ سیدھا اپنے ٹھکانے پہ پہنچا تھا۔ مگر وہاں تالے لگے ہوئے تھے اور یہ اس کے لیے اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ ایسا پہلے بھی ہوتا تھا۔ اور تب وہ با آسانی تالے توڑ دیتا تھا۔ مگر اب اسے تالے توڑنے سے غرض نہیں تھی۔ اسے تو شیر خان اور رانی سے ملنا تھا۔ دونوں گھر کی پچھلی سائیڈ پہ کوارٹر نما پورشن میں رہتے تھے۔ وہ گھر کی پچھلی سائیڈ پر آگیا۔ کوارٹر میں بھی تالا لگا ہوا تھا۔ ایسا آج تک نہیں ہوا تھا کہ شیر خان اسے

www.pkdigest.com

بتائے بغیر کہیں گیا ہو۔ شیر خان اس کا ذاتی ملازم تھا۔ وہ اس کے ہر ٹھکانے سے واقف تھا۔ لیکن اسے سخت مایوسی ہوئی۔ شیر خان کا کہیں بھی اتا پتا نہ ملا۔ شیر خان کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت پہ اسے شاید جھنجلاہٹ اور غصہ آرہا تھا۔ مگر وہ لاچار تھا اچانک شیر خان کا یوں غائب ہو جانا۔ اس کے پیچھے کیا بھید ہو سکتا ہے۔ اسے یہ سب کچھ جاننے سے غرض نہیں تھی۔۔۔ نہ ہی اس کا فی الفور ادھر دھیان گیا۔

شام تک زچ ہو کر وہ گھر لوٹ آیا اور اسے گھر لوٹنا ہی تھا۔ وہ مجرم تو نہیں تھا جو یوں منہ چھپا کر بیٹھا رہتا۔ حیرت کی بات تھی یہ باتیں آہستہ آہستہ اس کے دماغ میں آرہی تھیں۔ ان دو دنوں میں حور پر کیا گزری ہوگی اسے اب اس کی بھی فکر ہونے لگی تھی۔

بہر حال، جو کچھ بھی ہوا تھا۔ ٹھیک نہیں تھا۔ اسے ہی اس سنگین مسئلے کا حل نکالنا تھا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو گھر میں غیر معمولی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح وہ اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

پھر اچانک سیڑھیوں کے آگے اس کے قدم رک گئے۔ پہلا خیال یہی آیا۔ نجانے بھابی اوپر ہیں یا۔ اپنے میکے۔

وہ اس قدر شرم سار تھا۔ فی الحال حور کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ دبے پاؤں اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ گزرتے ہوئے اسے دل نشیں کے کمرے سے آوازیں آتی محسوس ہوئیں۔ یہ کمروں کی پچھلی سائیڈ تھی۔ دل نشیں کے کمرے کی کھڑکی ادھ کھلی تھی۔ وہ باسانی سن سکتا تھا۔ دل نشیں ماں سے الجھ رہی تھی۔

"فار گاڈ سیک ماما۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ آپ نے یہ بات طارق بھائی سے کیوں چھپا رکھی ہے۔ مصلحت۔۔۔ مصلحت۔۔۔ غیرت کے اوپر آپ مصلحت کو ترجیح دے رہی ہیں۔ مائی گاڈ ماما۔۔۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔۔ یہ طارق بھائی کے ساتھ بہت بڑا دھوکا ہو گا۔ آپ کو انہیں صاف صاف بتا دینا چاہیے تاکہ اس مصیبت سے جان چھوٹے۔"

دل نشیں کے لہجے میں بے زاری ہی نہیں نفرت بھی تھی۔

"بے وقوف ہو تم دلشی۔۔۔ تم کیا سمجھتی ہو۔۔۔ اس طرح وہ حور سے جان چھڑالے گا اور ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا۔ تم معاملے کی سنگینی کو سمجھو۔ طارق بھی مرد ہے۔ کیا وہ ایک منٹ بھی اس بات کو برداشت کر سکے گا۔ وہ اپنے بھائی کا خون کر ڈالے گا۔ پھر اس سے جان چھڑائے گا۔ اس چڑیل کے پیچھے میں اپنے دونوں بیٹوں سے ہاتھ دھو ڈالوں۔ ایک زندگی سے چلا جائے اور دوسرا سلاخوں کے پیچھے۔ کیا تم اخبارات میں آئے دن ایسے واقعات نہیں دیکھتیں۔

وہ تو اس گھر کی بربادی کا ہی عزم لے کر آئی ہے۔ تب ہی ایسے گل کھلا رہی ہے۔ مگر میں تو بے وقوف نہیں ہوں۔ اس کا وار کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔ مجھے اس سے جان بھی چھڑانی ہے اور اپنے دونوں بیٹوں کو بھی بچانا ہے۔ پھر۔ تمہارے بابا۔ ان کی صحت اجازت نہیں دیتی کہ اس معاملے پہ مزید ہم کچھ کریں۔ اس کا کچھ نہیں جائے گا دلشی۔ ہر طرف سے نقصان میرا ہی ہے۔ اس لیے میں طارق کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ وقت طارق کو خود بتائے گا۔"

"مگر مجھے یقین ہے۔۔۔ اس چلتر نے ستی ساوتری بن کر طارق کو کوئی نہ کوئی من گھڑت کہانی ضرور سنائی ہے۔ آپ طارق کی خاموشی دیکھ رہی ہیں۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے۔ طارق اس معاملے سے آگاہ ہو چکا ہے' وہ الجھا ہوا بھی ہے اور پریشان بھی۔ مگر بابا کی وجہ سے وہ کوئی بات نہیں کر رہا۔ شاید وہ سچائی سے پوری طرح واقف نہیں ہوا ہے۔"

"اسے الجھنے دو دلشی۔۔۔ وہ جتنا الجھے گا' اتنا ہی اپنی بیوی سے دور بھاگے گا۔ آخر وہ کب تک اپنی غیرت پہ پہرے بٹھائے گا۔ یہ خود اذیتی کے لمحے ہی اسے حور سے دور کرنے کے لیے ہی کافی ہیں۔" "پھر ہماری بلا سے طارق اسے رکھے یا چھوڑے۔ ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں۔ میں اصباح کو طارق کی دلہن نہیں بنا سکی تو کیا ہوا' طارق کسی اور کے ساتھ بھی نہیں رہ پائے گا۔"

پھر دل شاد کا لہجہ مغموم ہو گیا۔

"میں نے اس گھر میں اس کے نہیں۔ اپنی بھتیجی کے خواب دیکھے تھے۔ اس غلطی کا احساس میں تمہارے باپ کو دلانا چاہتی ہوں۔ وہ تمہارے باپ کی مرضی سے اس گھر میں آتو گئی تھی۔ لیکن یہاں بس نہیں سکتی۔ تم دیکھنا' طارق اس سے جلد ہی علیحدگی اختیار کرلے گا اور تب میں اصباح کو بڑی دھوم دھام سے طارق کے ساتھ بیاہ کر لاؤں گی۔

تم نہیں جانتیں دلشی۔ میں اپنے بھائی کے سامنے کس قدر شرم سار ہوں۔ میں جو مدت سے اصباح کو بہو بنانے کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ میرے ان خوابوں سے میرے بھائی واقف تھے۔ مگر میں نے طارق کو بیاہ کر اپنے بھائی سے وعدہ خلافی کر ڈالی۔ اس وعدے کو نبھانے کا وقت آگیا ہے۔ اب تم دیکھنا اس گھر میں ہماری من چاہی خوشیاں ہوں گی۔ بس تھوڑا سا صبر کرو۔"

ولید کے اندر بھونچال بپا ہو گیا۔" تو صرف ایک اصباح کو اس گھر میں لانے کے لیے آپ نے۔ ماما! آپ نے یہ ڈرامہ رچایا ہے۔ صرف اپنے مفاد کے خاطر۔ نہ صرف اپنے بیٹے کو ذلیل کیا۔ بلکہ طارق کا بھی گھر اجاڑنا چاہتی ہیں۔ نہیں۔ ماما نہیں۔ میں طارق کا گھر اجڑنے نہیں دوں گا۔ یہ آپ نے کیسے سوچ لیا کہ آپ جو چاہیں گی' وہ ہوتا چلا جائے گا۔"

وہ ماں کا سامنا کر سکتا تھا۔ ان سے سوال جواب کر سکتا تھا۔ مگر نہیں۔ اس وقت اسے اپنے غصے' اور جذبات پہ قابو پانا تھا۔ خود کو سنبھالتے ہوئے' غم و غصے' کی حالت میں وہ اپنے کمرے میں آگیا۔

☼ ☼ ☼

ٹی وی کی تیز آواز سن کر دل شاد ٹھٹک گئیں۔ تو گویا آج دو دن بعد وہ گھر آہی گیا تھا۔ دروازہ ادھ کھلا تھا۔ کمرے کی ساری لائٹس روشن تھیں۔ وہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔ دل شاد نے دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ بستر پہ بدستور پڑا رہا۔ جیسے ماں کو نظر انداز کر رہا ہو۔ دل شاد اس کے رویے پہ کھول اٹھیں۔

"مل گئی تمہیں فرصت گھر آنے کی۔" دل شاد نے ٹی وی۔۔۔ آف کرتے ہوئے کہا۔ وہ خاموش لیٹا رہا۔ جیسے سننے سے قاصر ہو۔

"میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں ولید۔!"

دل شاد سخت غصے میں تھیں۔ اس نے پھر بھی کوئی جواب نہیں دیا اس کی ڈھٹائی اور ہٹ دھرمی سے دل شاد اچھی طرح سے واقف تھیں۔

"کس منہ سے اس گھر میں قدم رکھا ہے تم نے۔؟"

ولید کے بدن میں خون آگ بن کر دوڑنے لگا۔ کنپٹیاں سلگ گئیں اور ضبط کی کشمکش چہرے سے عیاں ہونے لگی۔ وہ بستر سے اٹھ گیا اور فریج کھول کر ٹھنڈے پانی کی بوتل منہ سے لگالی۔

"میں تمہاری ہٹ دھرمی سے اچھی طرح واقف ہوں۔ بچپن سے آج تک تم نے جو بھی غلط کام کیے تمہیں کبھی اپنی غلطی کا احساس نہیں ہوا۔"

وہ تب بھی کچھ نہیں بولا۔ پیٹھ موڑے کھڑا رہا۔

"تمہارے باپ نے اس واقعے کو اپنے دل پہ لے لیا ہے۔ مگر تمہیں۔۔۔ تمہیں ذرا سا احساس بھی نہیں ہے۔"

اس نے پلٹ کر ماں کی طرف دیکھا۔ دھواں دھواں چہرہ اور دکھ سے لبریز آنکھیں۔ جو رنج سے شکوہ کر رہی تھیں۔ دل شاد نظریں نہ ملا پائیں۔ ذرا دیر کو ندامت نے بھی دل پہ دستک دی تھی۔

"جو کچھ بھی ہوا۔ میں اس پہ بحث نہیں کرنا چاہتی۔" دل شاد نے خود ہی اس موضوع کو ٹال دیا۔

ولید کو حیرت ہوئی۔۔۔ وہ ماں سے پوچھنا چاہتا تھا کہ شیر خان اور رانی کو کہاں غائب کر دیا ہے۔ لیکن اسے شدید شاک لگا جب دل شاد نے اس موضوع پر بات کرنے سے ہی انکار کر دیا۔

"تمہارے بابا۔ تم سے سخت ناراض ہیں۔ اب ہماری عمر اور صحت اس چیز کی اجازت نہیں دیتی کہ ہم آئے دن تمہارے ان کارناموں سے اپنے منہ پہ کالک

www.pkdigest.com

ملیں اور تمہیں بے مہار چھوڑے رکھیں۔ تمہاری شادی بھی طارق کے ساتھ ہو جاتی تو بہتر تھا۔ لیکن تم سنجیدہ ہی نہیں ہوئے اور اس کی سزا ہم بھگت رہے ہیں۔۔۔ خیر۔ ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی جلد از جلد کر دیں تاکہ تمہارے گناہوں کا بوجھ ہمارے دامن میں نہ آئے۔"

ولید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دل شاد نے نظریں اٹھا کر بیٹے کی طرف دیکھا تو وہ ماں کے سامنے سے ہٹ کر کھڑکی کی جانب بڑھ گیا جو لان میں کھلتی تھی۔

"تمہیں اگر کوئی لڑکی پسند ہے تو بتاؤ۔۔۔ ورنہ میں اور تمہارے بابا اپنی پسند سے تمہاری شادی کرنے کا پورا اختیار رکھتے ہیں۔" دل شاد کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

ولید کے چہرے پہ تلخ تبسم بکھر گیا۔ چونکہ اس کا رخ دل شاد کی طرف نہیں تھا۔ اس لیے دل شاد اس کے تاثرات دیکھنے سے قاصر تھیں۔ جب اس نے کوئی جواب ہی نہ دیا تو دل شاد زچ ہو گئیں۔

"میں ایک گھنٹے سے بک بک کر رہی ہوں اور تم ہو کہ پتھر کی طرح کھڑے ہو۔ آخر اس طرح کب تک چلے گا ولید۔ تمہارے اس غیر ذمہ دارانہ رویے سے جانتے ہو۔ یہ گھر بربادی کے دہانے پہ آ کھڑا ہوا ہے۔"

ولید کے اندر آندھیاں چلنے لگیں۔ ماں کے رویے پر اسے شدید دکھ ہو رہا تھا۔

"اور تم ہو کہ تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔"

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ماما۔" اس کی آواز حلق میں پھنس رہی تھی۔ "مگر مجھے دکھ اس بات کا ہے کہ آپ نے کبھی مجھے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔" دل شاد نے چونک کر دیکھا۔ وہ پیٹھ موڑے کھڑا تھا۔

"ہمیشہ سے ہی آپ طارق کو چاہتی تھیں اور اسے ہم سب پہ فوقیت دیتی تھیں۔ آپ کی بھرپور توجہ سے وہ آپ کا فرماں بردار بنتا چلا گیا اور میں۔۔۔ میں محبتیں باہر تلاش کرنے کی کوشش میں خود سے بھی دور ہوتا چلا گیا۔ پھر آپ نے مجھے اپنے وجود سے ہی کاٹ کر پھینک دیا۔ اور آپ کو مجھ سے اتنی نفرت ہے آپ نے مجھے ایسے گھناؤنے فعل کا ذمہ دار ٹھہرا دیا۔ کیوں ماما۔ کیوں۔۔۔؟ کیا میں آپ کی اولاد نہیں تھا۔؟" وہ تڑپ اٹھا تھا۔

دل شاد کا دل ہی تو تھا پتھر تو نہیں۔ ماںتا کے احساس سے لبریز ہو گیا۔ وہ پژمردگی سے ولید کے قریب آ گئیں اور اس کے کاندھے پہ ہاتھ رکھ کر رنج سے کہنے لگیں۔

"کیوں نہیں۔ تم بھی میری اولاد ہو۔۔۔ لیکن۔ تمہاری کچھ نادانیوں نے تمہیں آج رسوا کیا ہے۔؟ میں تمہیں اول روز سے منع کرتی تھی کہ تم اس سے تعلق نہ رکھنا۔ یہ عورت اچھی نہیں ہے۔ مگر تم نے میری ایک نہ سنی اس واقعہ کا تمہیں کتنا صدمہ ہے۔ جبکہ وہ سکون سے رہ رہی ہے۔ غیرت مند ماں باپ کی اولاد ہوتی تو کیا اس گھر میں آتی۔"

ماں کے خیالات سے ولید کے دل کو ٹھیس پہنچ رہی تھی۔ صرف حورالعین کو اس گھر سے نکالنے کے لیے یہ ساری سازش بنی جا رہی تھی اور اصباح کو لانے کے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ اسے اصباح سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ حورالعین کی صفائی میں بولنا چاہتا تھا۔ مگر دل شاد سننے پہ آمادہ ہی کہاں تھیں۔

"جو کچھ ہو چکا ہے نا۔ اسے بھول جاؤ۔ ولید۔! اس گھر کی سلامتی کے لیے یہی بہتر ہے۔"

پھر وہ رسان سے اس کا بازو پکڑ کر صوفے پہ بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"جو پرپوزل میں نے تمہیں دیا ہے۔ اس پہ ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر مجھے جواب دینا۔ اب ہم مزید تمہاری شادی میں تاخیر نہیں کر سکتے۔"

وہ گم صم ساماں کی طرف دیکھنے لگا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو۔؟" دل شاد نے نرمی و محبت سے اس کے بال پیشانی سے ہٹائے۔ تو ولید کا دل کسی پتھر کی طرح سخت ہو گیا۔ اسے اصباح سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ جس کی وجہ سے ماں نے یہ مکر و فریب جال بنا تھا۔ ولید نے سر جھکا لیا اور فرش کو گھورنے لگا۔

"آپ نے طارق کی زندگی کا فیصلہ کرنے سے پہلے طارق کو تو ایسا اختیار نہیں دیا تھا۔ جیسا مجھے دے رہی ہیں۔ حالانکہ سب جانتے تھے۔ طارق حور بھابی کو پسند بھی کرتا ہے اس کے باوجود اس رشتے کی آپ نے مخالفت ہی کی۔ پھر مجھے یہ اختیار کیوں...؟"

وہ پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر دانت پہ دانت جمائے بیٹھا رہا۔ دل شاد اس کے قریب ہی بیٹھی تھیں۔

وہ اس موقع کو ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس نے طارق کا گھر بچانا تھا اور وہ فیصلہ کر چکا تھا۔

"جن لڑکیوں سے میری دوستیاں ہیں' ایسی لڑکیاں بیویاں بنانے کے قابل نہیں ہوتیں۔"

کافی دیر بعد اس نے اپنے خیالات کا اظہار کیا تو دل شاد کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"مجھے خوشی ہوئی کہ تم ایسی سوچ رکھتے ہو۔"

"میں ایسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جو صرف آپ کی من پسند ہو۔"

"میری من پسند...؟" دل شاد کو جھٹکا لگا۔ گویا انہیں ولید کی فرماں برداری پر یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

"ہاں ماما... صرف آپ کی من پسند..." ولید نے یہ کہہ کر ماں کے ہاتھ تھام لیے اور عقیدت سے انہیں اپنے ہاتھوں میں بھینچتے ہوئے بولا۔

"صرف آپ کی من چاہی لڑکی ہی میری زندگی کا رخ بدل سکتی ہے۔ مجھے بھٹکنے سے روک سکتی ہے۔ باکردار' خاندانی اور نیک سیرت لڑکی۔ آپ ہی میرے لیے تلاش کر سکتی ہیں۔" دل شاد کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

"نیک سیرت... باکردار... من پسند... صرف اور صرف اصباح اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ دل شاد کا دل گواہی دے رہا تھا۔ مگر... نہیں... ولید میں ہمت کہاں ہے۔ وہ اس رشتے کو نہیں نباہ سکتا۔"

"کیا سوچنے لگی ہیں ماما...؟" ولید نے دل شاد کے چہرے پہ آئی چمک کو مایوسی میں ڈوبتا دیکھ کر استفسار کیا تو دل شاد صاف گوئی سے بولیں۔

"کیا تم میری من پسند لڑکی کے ساتھ خوش گوار اور باعزت زندگی گزار لو گے...؟"

ان کے اندیشے زبان پہ آئے تو ولید کو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دھوکا دینے میں لطف آیا۔

وہ ماں کے پہلو سے نکل کر کھڑا ہوتے ہوئے شکوہ کناں لہجے میں بولا۔

"میں جانتا ہوں۔ آپ کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ مگر نہ تو آپ نے پہلے مجھے اس کے قابل سمجھا تھا اور نہ ہی اب سمجھیں گی۔"

وہ مایوسی سے کہہ کر دوسری جانب بیٹھ گیا۔ دل شاد الجھ گئیں اور شش و پنج میں مبتلا ہو کر بیٹے کی طرف دیکھنے لگیں۔ جہاں سنجیدگی نمایاں تھی۔ (اچانک ولید میں اتنی تبدیلی! ضرور وہ اپنے کیے پر نادم ہے۔)

کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔

"میں تمہارے بابا سے بات کروں گی۔ پھر جیسا وہ چاہیں گے ویسا ہی ہو گا۔"

"نہیں ماما۔ مجھے بابا کی چاہت کی نہیں آپ کی چاہت کی ضرورت ہے اور میں یہ بھی جانتا ہوں وقار ماموں کی اصباح سے زیادہ آپ کے دل میں کسی اور لڑکی کی چاہت ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ کو یہ رشتہ قبول ہے۔ تو مجھے بھی دل جان سے قبول ہو گا۔"

دل شاد کو اپنی سماعتوں پہ یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔ اگر کبھی طارق سے ہٹ کر ولید کے بارے میں انہوں نے سوچنا بھی چاہا تھا تو اسی خوف نے پیش قدمی سے روک دیا تھا کہ ولید کہاں ایسی لڑکی کو خاطر میں لائے گا۔ جو کم پڑھی لکھی اور سیدھی سادی ہو گی۔

لیکن اب ولید خود ہی ایسی لڑکی کی خواہش کر رہا تھا۔ ولید نے انہیں نئی امنگ اور نئی فکر میں مبتلا کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

آج بہت دن کے بعد اسے یونیورسٹی میں دیکھ کر راحیل کو گہری طمانیت کا احساس ہوا تھا۔ دل نشیں میں واضح تبدیلی تھی۔ پہلے کی نسبت وہ زیادہ خود اعتماد اور بولڈ دکھائی دے رہی تھی اور یہ تبدیلی سب ہی محسوس کر رہے تھے۔

"بہت دن سے میں تمہیں مس کر رہا تھا۔ دلشی! کئی بار تمہیں فون بھی کیا لیکن تم نمبر دیکھ کر فون آف کر دیتی تھیں۔ میں جانتا ہوں میں نے تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ تمہارا بہت دل دکھایا ہے۔ اس دوران میں سخت ٹینشن میں رہا۔ تم جانتی ہو۔ امی کی طبیعت صحیح نہیں رہتی۔ ساری ذمے داریاں مجھ ہی پر ہیں۔

بس ان ہی حالات کی وجہ سے تمہیں نہ جانے کیا کچھ کہہ بیٹھا۔ آئی ایم سوری دلشی۔ مجھے معاف کر دو۔ میں بہت دن سے گلٹی فیل کر رہا ہوں۔ کئی راتوں سے سو نہیں پایا۔ میں نے واقعی تمہارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا۔ حالانکہ تم جیسی لڑکی ہی میرا آئیڈیل ہو سکتی ہے۔ اس بات کا احساس مجھے تم سے دوری کے بعد ہوا ہے کہ تم میرے لیے کیا ہو۔ اس روز میں نے تمہیں برا بھلا کہا۔ تم بھی مجھے برا بھلا کہہ لو لیکن پلیز ناراض مت ہوؤ۔ آئی ایم سوری دلشی۔ آئی ایم رئیلی سوری۔"

اس کی منت سماجت پہ دل نشیں قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ جو راحیل کو حیران کر گیا۔ اس کا تو خیال تھا کہ وہ اس کی ایک بات نہیں سنے گی۔ الٹا برا بھلا کہہ کر اس کے پاس سے اٹھ جائے گی۔ لیکن دل نشیں کا رویّہ بالکل متضاد تھا۔ وہ دوستانہ لہجے میں راحیل سے مخاطب ہو کر بولی۔

"اٹس اوکے... جو کچھ ہو چکا ہے۔ میں اسے بھول چکی ہوں۔ تمہیں بھی وہ سب کچھ بھلا دینا چاہیے۔ ہم اچھے دوست ہیں۔ اور اچھے دوست ہی رہیں گے۔"

"رئیلی دلشی...!" راحیل کو یقین ہی نہیں آیا۔ وہ تو اسے منانے کو ایک معرکہ سمجھ رہا تھا لیکن یہاں تو معجزہ ہی ہو گیا تھا۔ وہ حیرانی سے دل نشیں کو دیکھ رہا تھا۔ جس کے چہرے پہ دوستانہ مسکراہٹ تھی۔

راحیل کو اپنا مقصد با آسانی حل ہوتا نظر آ رہا تھا۔ جبکہ دل نشیں اس کی دیوانہ وار خوشی پہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی۔

جب اسے علم ہو گا کہ میں کسی اور سے منسوب ہو چکی ہوں اور اسے چاہنے بھی لگی ہوں۔ تب اسے بالکل ویسا ہی صدمہ ہو گا۔ جیسا مجھے اس روز ہوا تھا۔ جب میں نے بے وقوفی میں خود ہی اسے پرپوز کر دیا تھا۔ تب اس کی بے اعتنائی پہ مجھے اپنا آپ کتنا گھٹیا لگا تھا۔ میری جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو کبھی بھی خود کو نہ سنبھال پاتی۔ مگر میں نے خود کو سنبھال لیا اور یہ بھی خود کو سنبھال نہیں پائے گا۔ تب مجھے اپنی بے عزتی کا جواب لوٹا کر کتنا سکون ملے گا۔" وہ دل ہی دل میں ہنستے ہوئے راحیل کے ہمراہ گھاس پہ چل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میرا خیال ہے کہ تم کچھ روز کے لیے اپنے پیرنٹس کے ہاں چلی جاؤ۔"

بہت دن کے بعد طارق نے اس سے گفتگو کی تھی۔

طارق کے سرد رویے سے وہ پہلے ہی لہولہان تھی۔ اب اسی بات پہ اس کی جان پہ بن گئی۔

"میں اپنا گھر چھوڑ کر بلاوجہ کہیں کیوں جاؤں؟"

اس کا ازلی اعتماد۔ اور خود سری۔ بہت دن کے بعد اس کے رویے میں عود آئی تھی۔ طارق نے حیرانی سے اس کی طرف دیکھا۔

اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود بھی وہ کتنی دلیر تھی جبکہ ولید نے ہتھیار ڈال دیے تھے۔ اور وہ ماما کی مرضی سے شادی کرنے پہ رضامند بھی ہو گیا تھا۔

آخر ولید کے اس قدر ٹوٹنے کی وجہ کیا تھی؟ شاید یہ کہ وہ مجرم تھا۔ طارق کے شبہات پھر سے زندہ ہونے لگے تھے۔

"میں رانی اور شیر خان کو زمین کی ساتویں تہہ سے بھی ڈھونڈ نکالوں گی۔"

گویا اس نے طارق کی خاموشی کو چیلنج کیا تھا۔

طارق کچھ نہیں بولا۔ اس کی سرد مہری' بے اعتنائی پہ وہ سلگ گئی۔ اور شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے آپ سے ایسے رویّے کی امید نہیں تھی

طارق۔۔۔! آپ کے گھر میں میرے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا' میں نے کبھی آپ سے سپورٹ نہیں مانگی' کبھی ان حالات کا رونا نہیں رویا آپ سے۔ جو مجھے درپیش تھے۔ اکیلے ہی مقابلہ کرتی رہی۔ صرف آپ کی خاطر۔ آج مجھے آپ کی سپورٹ کی ضرورت تھی۔ آپ کے مکمل اعتماد کی ضرورت تھی۔ آج آپ نے پھر مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ آپ نے تو مجھ سے محبت کے دعوے کیے تھے۔ کہاں گئی وہ محبت۔۔۔ وہ دعوے؟"

کہتے کہتے اس کی آواز بھیگ گئی۔

"مگر پھر بھی آپ کو ایسا ہی لگتا ہے۔ تو میں یہاں سے چلی جاتی ہوں۔۔۔" یہ کہہ کر اس نے اپنی وارڈروب کھولی اور اپنے کپڑے بیگ میں ڈالنے لگی۔

اسے طارق کی محبت پر اعتماد تھا۔ تب ہی اس نے طارق کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ مگر طارق ایسا کرے گا۔ اسے امید نہیں تھی۔ اسے طارق کے رویے کا گہرا دکھ تھا۔

"میں اب یہاں سے چلی گئی۔ تو پھر کبھی واپس نہیں لوٹوں گی۔"

اس کی آواز دھیمی اور رنجیدہ تھی۔ اس نے بیگ کی زپ بند کرتے ہوئے کہا تو طارق اس کے سامنے آگیا۔ اور اس سے بیگ چھین کر دور پھینکتے ہوئے بولا۔

"بابا کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔ گھر میں بھی کچھ تبدیلیاں رونما ہونے والی ہیں۔ جو میرے لیے ہی نہیں شاید تمہارے لیے بھی اچنبھے کا سبب ہوں۔ میں نے تمہیں عارضی جانے کا کہا ہے۔ ہمیشہ کے لیے نہیں۔ میرے اوپر کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ جنہیں میں یکسوئی سے نبھانا چاہتا ہوں۔ تم سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتیں۔ دن رات تم اس واقعے کو دہرا دہرا کر مجھے ذہنی اذیت پہنچا رہی ہو۔ میں نے تمہیں ایک بار بھی ذمہ دار نہیں ٹھہرایا۔ مگر شاید تمہیں احساس ہی نہیں ہو رہا کہ مجھے اس موضوع سے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔"

حور نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا۔ وہ کس خود غرضی سے اپنی تکلیف کا احساس دلا رہا تھا۔ اور جس کے اوپر یہ جھوٹی تہمت لگی تھی۔ اس کی تکلیف اس سے کتنی زیادہ تھی۔ اس کا اسے احساس ہی نہیں تھا۔ حور کا دل شدت غم سے پھٹ پڑا۔

"آپ۔۔۔ طارق۔۔۔!" اس کی آواز گھٹ رہی تھی۔ اور انگشت شہادت طارق کے سامنے تھی۔

"آپ کو ذہنی سکون کی ضرورت ہے۔ اس لیے آپ مجھے میرے پیرنٹس کے ہاں بھیج رہے ہیں۔ میرا سوچا ہے؟ میرا چین سکون' راتوں کی نیندیں سب کچھ برباد ہو گیا۔ کوئی مداوا کرنے والا نہیں۔ ایسی صورت حال میں۔ میں وہاں۔ وہاں۔۔۔ کیسے رہ پاؤں گی۔"

وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔ مگر وہ کیا کرتا۔ اس کے شکوک کو تقویت پہنچانے کے لیے ولید کا فیصلہ۔۔۔ کاری ضرب ثابت تھا۔

"میں فی الحال تم سے کوئی بحث نہیں کرنا چاہتا۔" وہ جیسے چکرا سا گیا تھا۔

"آپ مجھ سے کھل کر بات کریں طارق۔۔۔! یہ معاملہ معمولی نہیں ہے۔ ہماری ازدواجی زندگی کا سوال ہے۔ آپ کا مجھ سے فرار' مجھے مجرم ثابت کر رہا ہے۔ مجھے زمانے کی پرواہ نہیں ہے۔ لیکن آپ کی سرد مہری دن رات مجھے سنگسار کر رہی ہے۔"

"ولید نے فوری شادی کا اعلان کر دیا ہے۔ اور وہ بھی ماما کی پسند سے۔"

وہ اپنے غم میں نڈھال تھی کہ طارق نے یہ بم اس کے سر پر مارا۔ اس کی رگ رگ میں سناٹا پھیل گیا۔ اس نے تحیر سے طارق کی طرف دیکھا۔ جیسے یقین ہی نہ آ رہا ہو کہ ولید کے اس فیصلے کے پیچھے کون سا عمل کار فرما ہے۔

"وہ گھر واپس آ گیا ہے۔ بچپن سے ہی وہ اس قدر ہٹ دھرم اور ضدی ہے۔ کبھی اپنے کسی گناہ پہ نادم نہیں ہوا۔ اچانک اس کا یوں جھک جانا۔۔۔ کیا ثابت کرتا ہے؟"

وہ حور سے سوال کر رہا تھا۔ حور کے اندر باہر آندھیاں چلنے لگیں' اتنی بڑی سازش۔۔۔ سب کچھ۔

باقاعدہ پلاننگ کے تحت ہوا ہے۔

میں ولید کو غیر سمجھتی رہی۔ لیکن مجھے کیا پتا تھا کہ وہ بھی اپنی ماں' بہنوں کے ساتھ ملا ہوا ہے۔

حور کے چہرے کے تاثرات طارق سے پوشیدہ نہیں تھے۔ وہ کپکپاتے لبوں سے کچھ بولنا چاہتی تھی۔ طارق نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔

"ولید کی شادی خیر خیریت سے ہو جائے۔ میں اپنی رہائش تبدیل کر لوں گا۔ میں آئندہ زندگی میں کبھی اس موضوع پہ تم سے کوئی بات سننا پسند نہیں کروں گا۔"

طارق کے رویے میں اجنبیت اور سرد مہری تھی۔ گویا اپنے ساتھ اسے رکھ کر وہ اس پہ احسان کر رہا تھا۔

وہ یوں نظروں سے گر کر۔ اپنے جیون ساتھی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل پائے گی۔ جسے یہ زعم تھا کہ وہ پورے وقار اور تمکنت کے ساتھ اس کی زندگی میں داخل ہوگی۔ اس کی عزت' توقیر تو ملیامیٹ ہو گئی تھی۔۔۔ پھر وہ کیسے زندگی گزارے گی۔

طارق کمرے سے جا چکا تھا۔ اور۔۔۔ وہ۔۔۔ شش و پنج میں مبتلا کھڑی تھی۔

www.pkdigest.com

☆ ☆ ☆

ولید نے شادی کے لیے رضامندی کا اظہار کیا تو سارے ہی کام جھٹ پٹ طے پا گئے۔

دل شاد کو امید ہی نہیں تھی کہ وہ اپنے بھائی سے بڑے بیٹے کے بجائے چھوٹے بیٹے کے لیے ان کی بیٹی مانگیں گی۔ اور وہ فوراً" رضامند ہو جائیں گے۔

وقار احمد کی طرف سے رشتے کی رضامندی سامنے آتے ہی شادی کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

اس رشتے پہ دل آویز اور دل نشین دونوں ہی بہت خوش تھیں اور بڑھ چڑھ کر ماموں کے ہاں جا رہی تھیں۔ انہیں اصباح پسند بھی بہت تھی۔ خوبصورت اور بھولی بھالی سی۔ دل نشین جو ہر وقت ولید سے خار کھائے رہتی تھی۔ اچانک۔۔۔ ولید کے قریب ہو گئی تھی۔

ولید بھی دونوں بہنوں کو زیادہ سے زیادہ وقت دے رہا تھا۔ آئے دن شاپنگ کے سلسلے میں وہ ولید کے ہمراہ کہیں نہ کہیں نکل جاتیں۔ حیرت انگیز طور پر ولید کی سابقہ ساری سرگرمیاں ختم ہو چکی تھیں۔ طارق سنجیدگی سے نہ صرف شادی کی تیاریوں میں منہمک تھا۔ بلکہ باپ کی روز بروز گرتی صحت بھی اسے پریشان کر رہی تھی۔

انہیں اچھے سے اچھے ڈاکٹر کے پاس لے جانا۔ ان کی غذا اور دوائیوں کا خیال رکھنا۔ اس کی ذمے داریوں میں شامل تھا۔

دل ہی دل میں وہ حور کے لیے بھی پریشان تھا۔ وہ بالکل بجھ کر رہ گئی تھی۔ اب نہ اس میں پہلے کی طرح تیزی تھی۔۔۔ اور نہ ہی کام کاج کرنے کی لگن۔ گھر میں کیا ہو رہا تھا۔ اسے دلچسپی ہی نہیں تھی۔ وہ جیسے لاتعلق سی ہو گئی تھی۔۔۔

وہ حور کو زندگی کی طرف نہیں لا سکتا تھا۔ اسے حور سے شکوہ تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا اس کی لاپروائی کی بدولت ہوا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی ولید کس قسم کا شخص ہے۔ پھر اس پہ۔۔۔ اس نے اندھا اعتماد کیوں کیا؟

وہ دن رات ذہنی اذیت میں مبتلا تھا۔ جبکہ گھر میں اس واقعے کی اب کسی کو پرواہ ہی نہیں تھی۔۔۔ سب ولید کی شادی میں مگن تھے۔

دل آویز اور دل نشین کی خوشی دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔

"ڈیٹ فکسنگ سے پہلے اگر منگنی کا چھوٹا سا فنکشن ہو جاتا تو مزہ اور بھی دوبالا ہو جاتا۔ مگر نجانے ماما کو اتنی جلدی کیا تھی۔ ماموں جان سے ڈائریکٹ ہی تاریخ لے لی۔"

"منگنی کا فنکشن میں نے تمہارے بابا کی رائے سے۔۔۔ ختم کیا ہے۔ اور وہ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ خواہ مخواہ لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا۔ کون نہیں جانتا۔ اصباح طارق سے منسوب تھی۔۔۔ اس لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے۔ لوگوں کو ڈائریکٹ شادی کے

کارڈز ہی دیں گے۔"
دل شاد بیگم نے سمجھایا۔

"ویسے ماما! ولید بہت خوش نظر آرہا ہے اس رشتے سے۔" دل آویز نے ماں کو جیسے نئی خوش خبری سنائی ہو۔

دل شاد بیٹی کی طرف دیکھ کر طمانیت سے مسکرائیں اور اس کا گال چھوتے ہوئے محبت سے بولیں۔

"وہی نہیں۔ تم بھی اس شادی سے بہت خوش نظر آرہی ہو... ذرا آئینے میں اپنا چہرہ دیکھو۔ کیسے گلاب کے پھول کی طرح کھل رہا ہے۔"

ماں کی تعریف پہ دل آویز جھینپ گئی...

"آہ... میں بھی کتنی ناداں تھی۔ چھوٹی سی عمر میں تمہیں اس گدھے کے پلے باندھ بیٹھی... حقیقت میں شادی کی عمر تو تمہاری اب تھی۔"

شادی کے نام پہ... دل آویز کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہوئیں۔ اور جھٹ سے رمیض کا سراپا آنکھوں کے سامنے آگیا۔

وہ یکدم جھنجلاہٹ سے بولی۔

"کیوں کرتی ہیں آپ بار بار ان منحوس لمحوں کا ذکر، جنہیں میں سوچنا نہیں چاہتی۔"

"کیسے نہ کروں۔" دل شاد نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تم سے چھوٹے بہن بھائیوں کی شادیاں ہوں گی تو لوگ مجھ سے طرح طرح کے سوال نہ کریں گے۔"

"آپ فکر نہ کریں ماما! مجھے لوگوں کے سوالوں کے جواب دینا آتے ہیں۔ دنیا والے کون ہوتے ہیں میری طرف انگلی اٹھانے والے۔ یہ میری زندگی ہے۔ چاہے میں جیسے بھی گزاروں۔"

وہ بگڑے ہوئے موڈ میں بولی تو دل شاد نے نرمی سے اس کا گال تھپتھپایا۔

"گڈ... میں بھی تمہیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہوں۔"

یہ اعتماد اس نے حور سے چرایا تھا... اس کے دل نے خود ہی گواہی دی تھی۔

"وہ بیگم صاحبہ کتنے دن کے لیے گئی ہیں میکے؟"

حور کا خیال آتے ہی دل آویز نے ماں سے پوچھا تھا۔

"کم آن۔ دل! یہ حور وور ہمارا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ جائے یا رہے۔ تم لوگوں کو اپنی خوشیاں قائم رکھنی ہیں۔"

"پھر بھی اگر وہ ہوتی تو ضرور جلن محسوس کرتی... کہاں وہ گھر بھر پہ چھائی جارہی تھی۔ سمجھ رہی تھی وہی سب سے زیادہ سگھڑ اور خوبصورت ہے۔ چند ہی دن میں محترمہ کی چھٹی کرادی۔"

وہ دل ہی دل میں مسکرائی تھی۔

"ماما! میں چاہتی ہوں۔ جب بری کی نمائش ہو ناں۔ تو آپ سب کو یہ بتائیں کہ صرف یہ آپ کی بڑی بیٹی کی پسند ہے۔"

"کیوں نہیں دل... ! مجھے تو اتنی خوشی ہورہی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی... میری بیٹی میں جینے کی اتنی امنگ جاگ جائے گی۔ میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔"

"کم آن۔ ماما۔ آپ بار بار ایسا نہ کہا کریں۔ کیا میں پہلے مری پڑی تھی۔ بس اتنا ہی فرق ہے ناں۔ پہلے ان باتوں پہ توجہ نہیں دیتی تھی۔ اور اب توجہ دینے لگ گئی ہوں۔"

"وہ کون ہے۔ جس نے تمہیں ان باتوں پہ توجہ دینا سکھایا ہے۔"

طارق کو بہن میں تبدیلی اچھی لگی تھی... سو سراہے بنا نہ رہ سکا۔

لیکن دل آویز کو یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔ اس کا موڈ بگڑ گیا۔

"نجانے تم کس خوش فہمی میں مبتلا ہو کر مجھ سے یہ سوال کررہے ہو... مگر اپنی خوش فہمی کو دور کرلینا۔ مجھے تمہاری بیوی سے متاثر ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

یعنی اس نے انکار کرکے اقرار ثابت کردیا تھا کہ وہ واقعی حور العین سے ہی متاثر ہوئی ہے۔ طارق دل ہی دل میں ہنسا تھا۔ گویا اس نے اپنا بھی مذاق اڑایا ہو۔ ایسی لڑکی جو ایک بیمار ذہن کو صحت یابی کی طرف لے جا

سکتی تھی۔ وہ کیونکر۔ اپنی زندگی... غلط سمت کی طرف لے کر جائے گی۔

وہ الجھا تھا تب ہی دل شاد نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔

"آؤ۔ طارق... ! میں تمہارا ہی انتظار کررہی تھی۔ آج ہم نے جیولر کے پاس جانا ہے۔ تم کھانا وانا کھالو۔ پھر ہم چلتے ہیں۔ دل نشیں اور دل آویز بھی اپنے لیے بھی کچھ شاپنگ کرنا چاہتی ہیں۔"

"کھانا پھر باہر ہی کھائیں گے۔ کیوں طارق بھائی؟" دل نشیں نے جوش کا اظہار کیا۔ اور طارق کی آمادگی پاکر دل آویز کو آوازیں دینے لگی۔

☼ ☼ ☼

جیولرز کی دکانوں پہ چکاچوند روشنیاں اور قیمتی جیولری نظروں کو خیرہ کررہی تھی۔ طارق اور دل شاد دلہن کے زیورات پسند کرچکے تھے۔ جبکہ دل نشیں اور دل آویز کو کوئی ایک چیز بھی پسند نہیں آرہی تھی۔

تین گھنٹے سے پھر پھر کر دل آویز تھک چکی تھی... سو بے زار ہوکر دکان سے باہر نکل آئی اور گاڑی میں آکر بیٹھ گئی۔ اسے بھوک ستا رہی تھی اور پیاس بھی۔ کیونکہ ان سب نے ہلکا پھلکا فاسٹ فوڈ اور سوپ وغیرہ لے لیا تھا۔ جبکہ اپنے مزاج کے زیر اثر اس نے جیولر کی دکان پہ کولڈ ڈرنک تک نہیں لی تھی... اب اسے سخت پیاس محسوس ہورہی تھی۔ سوچا منرل واٹر کی بوتل ہی خرید لے۔ کم از کم پیاس تو بجھے گی۔ اس خیال کے تحت وہ گاڑی سے نکلی۔ ابھی دکان دار سے وہ منرل واٹر کی بوتل خرید کر مڑی ہی تھی کہ اچانک بھیڑ میں ایک شناسا چہرہ نظر آیا۔ رمیض کو سامنے دیکھ کر وہ گنگ رہ گئی۔

رمیض بھی حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پھر رمیض نے ہی بولنے میں پہل کی۔

"تم تو بالکل اچھی بھلی دکھائی دے رہی ہو۔ جبکہ تمہارے باپ نے تو مجھے یہ بتایا تھا کہ تم بیمار ہو۔ اور وہ تمہارا علاج کروا رہے ہیں۔"

"میرے راستے سے ہٹو۔" دل آویز نے اس کی ساری بات بڑی برداشت سے نظر انداز کی تھی۔

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے۔ تم نے مجھے پہچانا نہیں... خیر۔ کوئی بات نہیں۔ ویسے کس چیز کا علاج کروا رہا ہے تمہارا باپ؟" وہ سامنے ڈٹ کر کھڑا تھا۔

"میں تمہاری کوئی بکواس سننا نہیں چاہتی۔"

وہ دبے دبے لہجے میں غرائی تھی... ارد گرد لوگ رواں دواں تھے...

"مگر میں اس بکواس کا جواب لوٹانا چاہتا ہوں۔ جو تم نے اور تمہاری ماں نے خاندان بھر میں میرے متعلق پھیلا رکھی ہے۔"

وہ بھی دبے دبے لہجے میں غرایا تھا۔ دونوں اپنی اپنی گاڑی کے درمیان میں کھڑے تھے۔

"کون سی بکواس؟" دل آویز نے لاتعلقی کا اظہار کیا۔

"سب باتیں راہ چلتے نہیں ہوتیں۔ مسز دل آویز بیگم۔"

"تو ٹھیک ہے۔ پھر میرے راستے سے ہٹو۔ جو بات کرنی ہے میرے گھر آکر کرنا۔"

"بڑی خوشی ہوئی یہ جان کر کہ تم نے مجھے پہچان لیا۔ اور رہ گیا سوال تمہارے گھر کا... تو تمہارا گھر وہ ہے جہاں میں رہتا ہوں۔ وہ نہیں جہاں تم رہ رہی ہو۔"

وہ غصے سے بولا تو دل آویز کو بھی غصہ آگیا۔

"یاد کرو۔ تم نے ہی مجھے گھر سے نکالا تھا۔ یہ کہہ کر کہ میں ذہنی مریضہ ہوں۔ اب کیوں اس ذہنی مریضہ کی ضرورت پڑ گئی تمہیں۔ رچالیتے دوسرا بیاہ۔ بہت زعم تھا تمہاری بہن کو۔ کہ وہ تمہارا دوسرا بیاہ کرے گی۔"

وہ جیسے اپنی جان چھڑا رہی تھی۔

رمیض اس کی بات پہ ہنس پڑا۔

"دوسری شادی کرنا میرے لیے کوئی بہت بڑا مسئلہ نہیں ہے... ظاہر ہے، مجھے اپنا گھر بسانا ہے تو یہ کام تو کرنا پڑے گا... لیکن۔ اس سے پہلے تم میرے بچے کی ماں بنو گی۔ تب ہی میں دوسرا بیاہ رچاؤں گا۔"

یہ کہہ کر رمیض نے گاڑی کا دروازہ کھولا۔ اور اسے اندر دھکیل دیا۔ پھر فرنٹ سیٹ سنبھال لی۔

"شور مچا کر لوگوں کو تماشا دکھانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ عرصہ سے نکاح نامہ ساتھ لیے پھر رہا ہوں۔ میاں، بیوی میں سو جھگڑے ہوتے ہیں۔ یوں میکے میں جاکر بیٹھ جانے والی لڑکیاں عزت دار نہیں ہوتیں۔ لوگ اکٹھے ہوں گے تو انہیں یہی بتانا پڑے گا کہ تمہاری ماں تمہیں بسانا نہیں چاہتی۔ اس لیے زبردستی سرِراہ پکڑ کر لے جانا پڑ رہا ہے تمہیں۔"

دل آویز کے لیے یہ عمل، یہ حملہ غیر متوقع تھا۔ وہ شور کیا مچاتی۔ اس کی آواز حلق میں ہی پھنس گئی۔ پانی کی بوتل ہاتھ سے چھٹی اور وہ ہوش سے بیگانہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

گاڑی رش سے نکالنے کے بعد رمیض نے طارق کو فون ملایا تھا۔ وہ لوگ جیولر کا حساب کر کے ابھی دکان سے نکل ہی رہے تھے کہ رمیض کا نمبر دیکھ کر طارق گنگ رہ گیا۔ جب سے ابراہیم اور دل شاد نے اسے برا بھلا کہا تھا۔ تب سے اس نے رمیض سے تعلق ختم کر لیا تھا۔ لیکن آج رمیض کی کال اس کے لیے حیرانی کا باعث تھی۔ اچانک رمیض کو اس کی یاد کیسے آگئی۔

وہ دل شاد اور دل نشین کو گاڑی کی طرف جانے کا اشارہ کر کے سائیڈ پہ ہو گیا۔ اور فون اٹینڈ کیا۔

"ویسے بھی کیا مصروفیت طارق صاحب۔!"

"کیسے فون کیا؟" طارق کا لہجہ روکھا تھا۔

"صرف یہ بتانے کے لیے کہ میں اپنی بیوی دل آویز بیگم کو اپنے گھر لے کر جا رہا ہوں۔"

طارق کو یکدم شاک لگا تھا۔ ادھر دل نشیں اور دل شاد دائیں بائیں متفکر اور ہراساں سی دل آویز کو دیکھ رہی تھیں۔ جو دور دور تک کہیں نظر نہیں آرہی تھی۔

"کیا۔ تم دل آویز کو۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔ تم اس طرح اسے لے کر نہیں جاسکتے۔" طارق کو اس کی حرکت پہ سخت غصہ آیا تھا۔

"کیوں نہیں لے کر جاسکتا؟" وہ بھی کند ذہن، اڑیل شخص تھا۔ طارق کو اپنے رویے میں نرمی کرنا پڑی۔

"دیکھیں۔ ہمارے جو بھی معاملات ہیں۔ وہ بات چیت سے حل ہوں گے۔ پھر ہی تو آپ دل آویز کو لے جاسکیں گے۔"

"پہلی بات تو یہ کہ میرا تم لوگوں سے کوئی معاملہ نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ میں اپنی بیوی کو لے کر جا رہا ہوں۔ اس کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف بتانا تھا۔ کہیں تم لوگ پریشان نہ ہو جاؤ۔"

یہ کہہ کر رمیض نے فون بند کر دیا۔

طارق کا دماغ چکرا گیا۔

"طارق بھائی۔ دل۔ آپی!"

دل نشیں گھبرائی ہوئی طارق کی طرف بڑھی تھی۔ طارق نے دیکھا۔ دل شاد کے چہرے پر بھی ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھالا۔ اور انہیں گاڑی کے قریب لے آیا۔ وہ پہلے ہی ذہنی اذیت کا شکار تھا۔ اس پر مستزاد یہ واقعہ۔

"آپ لوگ گھر چلیں میں بتاتا ہوں۔"

"مگر دل آویز کہاں گئی ہے؟" دل شاد فکر مند ہونے لگیں۔ طارق کی سمجھ میں نہ آیا کہ ماں کو کیسے مطمئن کرے۔ اسے جھوٹ بولنا پڑا۔

"دل آویز گھر چلی گئی ہے۔ گھر سے ابھی ابھی فون آیا تھا اس کا۔ اس کی طبیعت صحیح نہیں تھی۔ شاید ٹیکسی وغیرہ میں چلی گئی ہو۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں، چل رہے ہیں ناں گھر۔"

وہ راستہ بھر ماں کو مطمئن کرتا آیا تھا۔

باقی آئندہ شمارے میں

ہر طرف پھیلی تھی اُس کی یاد جنگل کی طرح
میں گزر کر آگیا ہوں اُڑتے بادل کی طرح

ایک لمحے کو جُدا ہونے دے ممکن ہی نہیں
دھیان رکھتی ہے مرا وہ اپنے آنچل کی طرح

مسکرا کر دیکھتی ہے جب وہ کھڑکی سے کبھی
ایک خواہش دل میں کھل جاتی ہے کونپل کی طرح

چھوٹی چھوٹی بات پر رونے کی عادت ہے اُسے
اور آنکھوں میں مجھے رکھتی ہے کاجل کی طرح

جب بھی پانی پھینکتی ہے وہ شرارت میں حسن
جسم لگتا ہے مجھے بھیگے ہوئے تھل کی طرح

حسن عباسی

کتنا خوش پوش نظارا نکلا
دل کے اندر سے ستارا نکلا

گھاس پر اوس پڑی تھی جیسے
پاؤں رکھا تو شرارا نکلا

ایک بے رنگ سا منظر تھا میں
کتنے رنگوں سے سنوارا نکلا

وہ بھی نکلا نہیں گھر سے اپنے
چاند بھی پھر نہ دوبارہ نکلا

میں فقط دشت جسے سمجھا تھا
کسی دریا کا کنارا نکلا

رمزی آثم

میمونہ خورشید علی

کسی واسطے کی تلاش میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی، جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزومند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنا دیا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دل شاد بیگم کا پھوہڑپن مشہور کر دیا تھا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی دل آویز شادی کے بعد ہی میکے آبیٹھی' ماں باپ کی ناچاقی نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند کرتی تھی' طارق نسبتاً" صلح جو تھا۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حورالعین سے طے ہے۔ جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باق اور پر اعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بی بی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حورالعین سے کر دیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حورالعین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید' حورالعین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باقی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے ڈرتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند گھنٹوں میں ہی ہو جاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حورالعین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود تیار کر لیتی ہے۔

v.pkdigest.com

ناولٹ

حور العین کو پہلے دن سے ہی سسرال میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل شاد بیگم ہی نہیں دل آویز اور دل نشین بھی اس سے جلن محسوس کرتی ہیں۔ صرف ولید اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اپنی اچھی فطرت سے مجبور ہو کر وہ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ طارق اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دل نشین اپنے کلاس فیلو راحیل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات طارق اور ابراہیم صاحب کے علم میں آجاتی ہے۔ دل نشین کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انہیں شدید تشویش ہوتی ہے۔

راحیل اپنا اسٹیٹس بڑھانے اور یونیورسٹی میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے دل نشین سے راہ و رسم بڑھاتا ہے۔ لیکن معاملہ اس وقت بگڑتا ہے، جب شکیل با جوہ دل نشین میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ وہ ایک بدکردار انسان ہے۔ شکیل دل نشین کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جس پر غصے میں آکر وہ اسے تھپڑ مارتی ہے۔ شکیل بدلہ لینے کے لیے راحیل کو استعمال کرتا ہے اور اپنا کیریئر بچانے کے لیے راحیل ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ راحیل کا بے گانہ رویہ دل نشین کا دل اس کی جانب سے ہٹا دیتا ہے۔ اس دوران دل شاد بیگم اپنے بھانجے عباد سے اس کی منگنی کے معاملات طے کر لیتی ہیں جس پر اسے کوئی اعتراض نہیں۔

اپنے والد ارباب رحیم کی ناسازئ طبیعت پر حور اپنے میکے آتی ہے تو اسے اپنے سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کا گرم جوش رویہ شرمندہ کر دیتا ہے۔ جلدی میں وہ صرف طارق کو فون پر مطلع کر پاتی ہے۔ وہ وہاں خاصی مطمئن ہوتی ہے کہ اچانک اسے لینے ولید صبح صبح آدھمکتا ہے اور گھر لے جانے کے بجائے اسے نانو کے گھر لے آتا ہے جہاں وہ دونوں ولید اور اس کے دوستوں کے استعمال میں ہے۔ ولید کی نازیبا حرکت کا علم جب حور العین کو ہوتا ہے تو پہلی فرصت میں وہ واپسی کا قصد کرتی ہے۔ لیکن اسی وقت دل شاد بیگم اور ابراہیم صاحب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ دل شاد اس پر بے ہودہ الزامات لگاتی ہیں، جس پر وہ زمین میں گڑ کر رہ جاتی ہے۔ زیادہ تکلیف اسے ابراہیم صاحب کی نظروں میں اپنے لیے بے اعتنائی دیکھ کر ہوتی ہے۔

حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے حور سسرال میں رہ کر حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ دل شاد بیگم، دل آویز اور دل نشین اور اس کی دل شکنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ حور تمام معاملے کا از خود طارق کو بتاتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتا ہے۔ سچائی جاننے کے باوجود وہ حور پر مکمل اعتبار کرنے سے گریز کرتا ہے۔ حور مستقل اذیت کا شکار ہے۔ دوسری جانب ولید اپنی غلطی کا احساس ہونے پر چند دن میں لوٹ آتا ہے تو اسے اپنی ماں بیٹیوں کی گہری چال کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ محض ان کو سبق سکھانے کے لیے اصباح سے شادی کی رضامندی دے دیتا ہے۔ دل شاد بیگم اسے اس کی تابع داری سمجھتی ہیں اور بیٹیوں کے ساتھ مل کر زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ حور ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی کسی معاملے میں نہیں پڑتی۔

بازار میں دل آویز کا سامنا رمیض سے ہو جاتا ہے۔ وہ زبردستی اسے اپنے گھر لے آتا ہے اور فون کر کے طارق کو بتا دیتا ہے۔ دل شاد بیگم اور دل نشین کو طارق یہ بتاتا ہے کہ دل آویز خرابئ طبیعت کے باعث گھر چلی گئی ہے۔

۵
پانچویں قسط

"دل آویز گھر چلی گئی ہے۔ گھر سے ابھی ابھی فون آیا تھا۔ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ شاید ٹیکسی وغیرہ میں چلی گئی ہو۔ آپ لوگ پریشان نہ ہوں چل رہے ہیں ناں گھر۔"

وہ راستہ بھر ماں کو مطمئن کرتا آیا تھا۔

"تم نے یہ بات مجھے وہیں کیوں نہیں بتائی۔" دل شاد غصے و اشتعال میں طارق کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"میں آپ کو وہاں بتا بھی دیتا تو آپ کیا کر لیتیں؟"

"منہ توڑ دیتی اس کا۔ اس کمینے کی مجال کیسے ہوئی یہ حرکت کرنے کی۔ وہ ہرگز میری بیٹی کے قابل نہیں ہے۔"

ماں کا اشتعال دیکھ کر طارق نے بے چارگی سے گہرا سانس کھینچا۔ دل نشیں اطمینان سے صوفے پر ایستادہ تھی۔

"اب اس ہنگامے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، جو ہونا تھا سو ہو چکا ہے۔ اب یہ سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

دلشی کی بات سے طارق کو قدرے اطمینان ہوا۔ جبکہ دل شاد پھر کر بیٹی کے قریب آبیٹھیں۔

"تم ابھی ناسمجھ ہو، دلشی! تمہیں ان معاملات کا نہیں پتا۔ خوامخواہ اس معاملے میں نہ ہی بولو تو بہتر ہو گا۔"

"فار گاڈ سیک ماما! دل آویز اپنے گھر جا چکی ہے۔ وہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ۔ ہم یا آپ اب کچھ بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے؟" دلشاد کو بیٹی کی بات سخت بے حیتی لگی۔ "تم مجھے ابھی فون ملا کر دو۔ ابھی بات کرتی ہوں اس سے۔"

"اس نے فون بند کیا ہوا ہے۔ کئی بار آپ کے سامنے ملا چکا ہوں۔" طارق نے بے بسی ظاہر کی تو دلشاد تڑپ اٹھیں۔

"یا اللہ میری بچی۔ نجانے کس حال میں ہو گی۔"

طارق کو ماں کا یہ واویلا عجیب لگ رہا تھا۔

دل شاد کھڑی ہو گئیں "مجھے اس کے گھر لے کر چلو میں اسے ابھی لے کر آؤں گی۔"

طارق اچنبھے سے ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ اسی وقت ابراہیم کی کرخت آواز ابھری۔

"کوئی کہیں نہیں جائے گا۔ خوامخواہ اس معاملے کو تماشا بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" دل شاد نے بے بسی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ "حالانکہ سب کچھ جانتے بھی ہیں آپ۔" دلشاد کا دبا دبا لہجہ کچھ جتا رہا تھا۔

"سب کچھ جانتا ہوں۔ تب ہی ـــ اس ہنگامہ آرائی سے روک رہا ہوں ـــ اور ہاں اسے فون کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ رمیض میں کتنی قوت برداشت ہے۔ ابھی تھوڑی دیر تک وہ خود ہی فون ملائے گا۔ یا ہو سکتا ہے دل آویز کو خود ہی چھوڑنے آجائے۔"

ابراہیم صاحب کا لہجہ خشک اور سپاٹ تھا۔ سب لوگ گنگ رہ گئے۔

اور پھر اس کشمکش میں چار دن گزر گئے۔ رمیض نے فون ملایا۔ اور نہ ہی اس نے دل آویز کو لا کر پھینکا۔ دل شاد دن رات پریشانی میں مبتلا تھیں۔

"وقار بھائی کا فون آیا تھا، وہ تاریخ رکھنا چاہ رہے تھے ـــ میں نے ان سے کہا ہے کہ اس جمعہ کو ہم فنکشن نہیں کر سکتے۔" دل شاد بیگم نے ابراہیم صاحب کو بتایا۔

"اس جمعہ ہم فنکشن کیوں نہیں کر سکتے؟" انہوں نے تعجب سے دل شاد کی طرف دیکھا۔

"کمال کرتے ہیں آپ!" دل شاد بھنا اٹھیں۔ "میری بیٹی گھر پر نہیں ہے اور میں تاریخ لینے چل پڑوں گی۔"

"یہ مسئلہ بھی حل ہو جائے گا، ہمیں اس شادی میں رمیض کو بھی انوائٹ کرنا پڑے گا۔"

دل شاد اچھل پڑیں "کیا وہ یہاں آئے گا۔ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ ابھی کل ہی طارق کی شادی میں میں نے سب کو بتایا تھا کہ دل آویز ان میرڈ ہے۔ لوگ اسے دیکھ کر کیا کیا نہ سوال کریں گے مجھ سے۔"

عمران ڈائجسٹ کا ایک حیرت انگیز سلسلہ
انیرہو سٹس
اب دو حصوں میں شائع ہو گئی ہے۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37 اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 2216361

"اوہ تو یہ پرابلم ہے تمہیں۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ دل آویز کو ان میرڈ ظاہر کریں اور ایسا کرنے سے آپ کا مقصد کیا تھا؟"

دل شاد کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ دل ہی دل میں تلملا کر رہ گئیں۔ ابراہیم صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ابھی وقار کو فون ملائیں۔ میں ایک دن تو کیا ایک گھنٹہ بھی ولید کی شادی لیٹ نہیں کرنا چاہتا۔"

☼ ☼ ☼

گھر برقی قمقموں کی روشنی میں جگمگا رہا تھا۔ لان میں فنکشن کا اہتمام تھا۔ جو بہت خوبصورتی سے کیا گیا تھا۔ ہر ایک چیز مکمل تھی۔ کمی تھی تو صرف دل آویز کی۔ وہ ابھی تک نہیں آئی تھی۔ بادامی رنگ کی قیمتی ساڑھی میں دل شاد بولائی بولائی پھر رہی تھیں۔ کئی بار دل آویز کو فون کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر اس کا فون مسلسل آف ہی تھا۔ بارات جانے کی گھڑی آپہنچی تھی۔ دل شاد کی نگاہیں دروازے سے لگی تھیں کہ اچانک ان کی نگاہیں پلٹنا بھول گئیں۔ بلیو کلر کی شیفون ستاروں سے مزین ساڑھی میں سر کی مانگ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک آراستہ حورالعین مسکراتے ہوئے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے پر وہی ازلی اعتماد اور خوشی تھی۔ جو اس کی شخصیت کا خاصا ہوا کرتی تھی۔ وہ مہمان خواتین سے اس طرح مل رہی تھی جیسے وہی سب سے بڑی میزبان ہے۔

"بھئی۔ بڑی کمی محسوس ہو رہی تھی تمہاری۔ میں ابھی مسز ابراہیم سے پوچھنے ہی والی تھی کہ دلہن نظر نہیں آرہی۔" دلشاد کی کولیگز حورالعین میں دلچسپی لے رہی تھیں۔ دل شاد کو سخت کڑھن ہونے لگی۔

دل نشیں کے سسرال والے بھی آگئے تھے ان کی خواہش تھی کہ اس تقریب میں چھوٹی سی رسم وہ لوگ بھی کرلیں۔ اسی مقصد کے تحت وہ پھولوں کا زیور اور کانچ کی چوڑیاں لے کر آئے تھے۔ دل شاد فی الحال انہیں ٹالنا چاہتی تھیں۔ لیکن انہوں نے دل نشیں کو گھیرے میں لے لیا تھا۔ دل نشیں کی ہم عمر کزنز ذومعنی جملوں سے اسے چھیڑ رہی تھیں۔ جنہیں دل نشین ہنس ہنس کر انجوائے کر رہی تھی۔

طارق کی نگاہ حورالعین پہ پڑی تو اسے اپنے ہوش اڑتے محسوس ہوئے۔ وہ پوری محفل پہ چھائی ہوئی تھی اور مہمانوں کو کولڈ ڈرنک پیش کر رہی تھی طارق کو امید نہیں تھی کہ وہ اس کی ایک فون کال پہ اس فنکشن میں شریک ہو جائے گی اور وہ بھی اس سج دھج سے۔ اسے قدرے اطمینان ہوا تھا۔

"ابھی میری بیٹی آئی نہیں اور تم نے مہمانوں کی تواضع شروع کر دی۔" دلشاد ملازم پہ بھنائیں تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

"چھوٹی بیگم صاحبہ نے کہا تھا۔" وہ کہہ کر سائیڈ سے کھسک لیا۔ دل شاد کی نگاہیں حورالعین پہ جا ٹکیں۔ جو خواتین سے تعریفیں وصول کرتے کرتے خوشی سے پھولے نہ سما رہی تھی۔

"کیا بات ہے دل شاد! بہت پریشان نظر آرہی ہو' کب سے بچیاں بے چین ہو رہی ہیں کہ تم تھوڑا سا وقت دو تو ہم دل نشیں کو چوڑیاں پہنا دیں۔"

"نہیں آپا! اس رسم کے لیے آج کا دن مناسب نہیں ہے۔"

"ہم دل نشیں کی رسم اکیلے میں کریں گے۔"

"آپ لوگ بے شک کل ہی آکر رسم کر لیجیے گا۔ مگر آج نہیں۔ ابھی تک تو میری دل آویز بھی نہیں آئی۔"

دل شاد نے ایک بار پھر دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"کیا مطلب کہاں گئی ہے دل آویز؟" دل شاد کے چہرے پہ پریشانی دیکھ کر نسیم کو تشویش ہوئی تھی۔

"رمیض اسے زبردستی شاپنگ سینٹر سے لے گیا تھا۔ پورے چھ دن ہو گئے ہیں اسے گئے ہوئے۔ رات طارق اور ولید خود گئے تھے اس کے گھر شادی کا سندیسہ دینے۔"

"تم نے اسے بلوایا کیوں نہیں بھلا بہنیں بھائیوں کی شادیوں میں وقت کے وقت مہمانوں کی طرح آیا کرتی ہیں۔"

"یہی سوچ تھی ہماری بھی۔ مگر اس ذلیل انسان نے نجانے کیا سوچ رکھا ہے۔ تین سال سے تو اسے ہوش نہیں تھا اور اب اچانک اسے ہوش آگیا۔ عین خوشی کے موقع پہ نحوست ڈال دی۔ طارق سے لمبے چوڑے حساب لے کر بیٹھ گیا۔ شکوے تو سنو۔ ہم نے جوائی راجہ کو طارق کی شادی پہ جھوٹے منہ بھی نہیں پوچھا۔" دل شاد کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"بھلا بیٹی تو دلہن بنی بیٹھی تھی اور ہم جاتے اس کی ہتھ جوڑیاں کرنے۔" نسیم کو بھی افسوس ہونے لگا۔

"کیا اس نے کہا تھا کہ وہ دل آویز کو لے کر آجائے گا؟"

"کہا تو اس نے یہی تھا لیکن جانے کا وقت ہو رہا ہے۔ وقار بھائی کے فون پہ فون آرہے ہیں۔ کیا آدھی رات کو پہنچیں گے ہم وہاں۔"

تب ہی ابراہیم لان میں داخل ہوئے اور دلشاد کو اشارہ کیا کہ مہمان خواتین کو چلنے کا کہیں۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو میں دل آویز کو چھوڑ کر کس طرح جا سکتی ہوں۔"

"دل آویز آگئی ہے۔ وہ گاڑی میں بیٹھی ہے' وقت کافی ہو گیا ہے تم دل آویز سے گاڑی میں ہی مل لینا۔"

دل آویز کے آنے کا سن کر دل شاد باہر کی طرف دوڑی تھیں۔

"نجانے میری بچی کس حال میں ہے جو گاڑی سے ہی نہیں اتری۔ کہیں دوسری جگہ جا کر تماشا ہی نہ بن جائے۔" مہمان خواتین کو اٹھنے کا کہہ کر وہ عجلت میں باہر نکلی تھیں۔

حورالعین نے یہ ساری صورت حال دیکھی تو خود ہی مہمانوں کو چلنے کا کہا۔ یک بیک کرسیاں خالی ہو گئیں' سب لوگ نکل گئے' وہ ملازموں کو کرسیاں سمیٹنے کی ہدایت کرتے ہوئے چادر سنبھالنے لگی۔

"ہمارے آنے تک یہ سب کچھ صاف کر دینا اور کمروں میں لاک تو لگے ہوئے ہیں ناں..... گھر کا دروازہ اندر سے بند کر کے سونا۔"

"آپ فکر نہ کریں بیگم صاحب..... ولید صاحب بھی گھر پر ہی ہیں' وہ ہمیں کہاں سونے دیں گے۔"

ولید کا نام سن کر حور کی رگ رگ میں بھونچال آگیا

"کہاں ہے وہ؟" حور کا لہجہ عجیب سا تھا۔

"شاید اپنے کمرے میں ہوں۔" حور چادر اوڑھ کر خود کو اس کے کمرے کی طرف بڑھی۔

اپنے کمرے کے دروازے پہ حور کو ایستادہ دیکھ کر ولید دنگ رہ گیا پھر تیزی سے سنبھلا۔

"بھابھی آپ.....!" حور کے اندر نفرت کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگا۔

"جن رشتوں کی عزت نہیں کرنا جانتے۔ انہیں زبان سے دہراتے کیوں ہو؟" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔

ولید کا سر جھک گیا۔

"جو کچھ بھی ہوا' بہت برا ہوا۔ میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں۔"

"صرف تمہارے شرمندہ ہو جانے سے میری زندگی کی تکلیفیں کم ہو جائیں گی؟" وہ طیش میں آکر چلائی تھی۔

ولید کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ سر جھکائے کھڑا رہا۔

"تم جانتے ہو۔ تمہارے اس فیصلے نے مجھے پاتال میں لا پھینکا ہے۔" وہ اس کے روبرو کھڑی تھی۔

"میں نے یہ فیصلہ آپ کی بھلائی کے لیے ہی کیا ہے۔" اس کی آواز رندھ رہی تھی۔

حورالعین کے آگ لگ گئی "میری بھلائی! میری بھلائی کرو گے تم۔ جو شخص اپنا بھلا نہیں سوچ سکتا۔ وہ کسی کا بھلا کیا سوچے گا۔"

"بھابھی! آپ مجھے غلط سمجھ رہی ہیں۔"

"مت کہو مجھے بھابھی' اتنا سب کچھ ہونے کے بعد بھی تم مجھے جھٹلا رہے ہو۔ یہ کہو کہ ہمارا مشترکہ وار کاری ثابت ہوا ہے۔"

"الزام ہے یہ مجھ پر۔" وہ چلایا تو حور کے تن بدن

www.pkdigest.com

میں آگ لگ گئی۔

"آواز کو نیچا رکھو۔ اتنا بڑا دھوکا دیا تم نے مجھے۔"

اس نے ولید کو بے اختیار تھپڑ مار دیا۔

وہ سر جھکائے بنا پس و پیش کیے خاموش کھڑا رہا۔

"میں تمہیں قیامت تک معاف نہیں کروں گی ولید! ابھی معاف نہیں کروں گی۔ آخر کیا بگاڑا تھا میں نے تمہارا۔"

وہ روتے ہوئے اس کے کمرے سے نکلی تو سامنے ہی طارق سے ٹکراؤ ہو گیا۔ طارق کی پیشانی پہ تفکر اور پریشانی کی لکیریں تھیں۔ وہ طارق کو دیکھ کر ٹھٹکی ضرور مگر رکی نہیں۔ تیز تیز قدم اٹھاتی باہر نکلتی چلی گئی۔ جہاں طارق کی ہی واحد گاڑی اس کی منتظر تھی۔ وہ گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔

نجانے وہ ابھی اور کتنا روتی ــــ کہ طارق نے ٹشو اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"اگر یہی ماتم کرنا تھا تو آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

وہ اسٹیرنگ سنبھال کر بولا۔

وہ ٹشو سے آنکھیں اور ناک پونچھنے لگی' طارق نے شیشے کا رخ اس کی طرف کر دیا۔

"اس طرح مار پٹائی کرنے سے تمہارا موقف صحیح ثابت ہو جائے گا؟" وہ دانت پہ دانت جمائے گاڑی چلا رہا تھا۔

حور العین کے چہرہ صاف کرتے ہاتھ رک گئے گویا اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس نے ولید کے تھپڑ مارا ہے۔ وہ کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔ ولید پہ ہاتھ اٹھانے پر اسے کوئی شرمندگی نہیں تھی۔ بلکہ دل کو سکون ہی ہوا تھا۔

"آج تم نے جو حرکت کی ہے نا ــــ نہایت ہی نازیبا تھی ــــ اگر جواب میں وہ بھی تم پر ہاتھ اٹھا لیتا۔ تو کیا عزت رہ جاتی تمہاری اور پھر میں کیا کھڑے ہو کر تماشہ دیکھتا ــــ کچھ بھی ہو سکتا تھا وہاں ــــ" وہ سخت غصے میں تھا۔

"کیوں کی تم نے یہ حرکت؟" اب اس کی برداشت جواب دے چکی تھی۔ وہ حور پر غرا رہا تھا۔

اس کی جواب طلبی پہ حور بھنا اٹھی۔

"ہاں وہ مجھ پہ ہاتھ اٹھا سکتا تھا۔ اگر وہ سچا ہوتا ــــ وہ تو مجھ سے نظریں بھی نہیں ملا پایا اور آپ طارق! آپ تماشا ہی دیکھ سکتے ہیں۔ آپ کسی کے لیے آواز اٹھائیں' آپ میں حوصلہ ہی نہیں ہے۔ اور آخری بات اب مجھے آپ کے فیور کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں خود اپنا معاملہ کلیئر کروں گی۔ آپ صرف یہ سوچیں کہ دل آویز کو اچانک رمیض کیوں لے گیا تھا۔ اور اب وہ آئی ہے تو گاڑی سے اتر کر اندر گھر میں کیوں نہیں آئی۔"

اپنے اس قدر حساس موضوع سے ہٹ کر اچانک حور العین نے دل آویز کی بات شروع کر دی اور اسے کیا پتا۔ دل آویز کب گئی ہے اور کیسے آئی ہے۔ ایک لمحے کے لیے طارق کا دماغ چکرا کر رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"آپ یقین نہیں کریں گی ماما! یہ سب طارق کی سازش ہے۔ میں سو فیصد یقین سے کہہ سکتی ہوں۔ طارق نے ہی اسے ٹائم دیا تھا کہ فلاں وقت ہم لوگ وہاں پہنچیں گے اور وہ وہاں پہنچ گیا۔"

"تم خوامخواہ طارق سے بدگمان ہو رہی ہو دل! طارق بھلا ایسا کیوں کرنے لگا۔ شاپنگ کا پروگرام تو ہمارا اپنا تھا۔ طارق کا تو ادھر دھیان بھی نہیں تھا۔ تم رو رو کر خود کو ہلکان مت کرو۔ دیکھو اب تک تو سب لوگ وہاں پہنچ بھی گئے ہوں گے۔ تم خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرو۔"

"میں ایب نارمل نہیں ہوں ماما!" وہ تقریباً" چلا پڑی تھی۔ "وہ بھی ہر وقت مجھے یہی کہتا ہے۔ کون سی بات ہے مجھ میں ایب نارمل لوگوں والی' بتائیں مجھے؟" وہاں سے الجھ پڑی تھی۔

دل شاد کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے۔ "ایب نارمل تم نہیں وہ ہے۔ اس طرح زبردستی کرنے سے گھر نہیں بستے۔ مگر وہ جاہل گنوار یہ باتیں نہیں سمجھ سکتا۔"

"آخر میرے ساتھ ہی کیوں ماما! میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سب ہی لڑکیوں کی شادیاں ہوتی ہیں۔ وہ اپنے گھروں میں ہنستی بستی ہیں' میں کیوں خوش نہیں ہوں ماما! کیوں مجھے اس شخص کی موجودگی میں گھٹن ہوتی ہے۔ میرا سانس رکنے لگتا ہے ماما۔ میں مر جاؤں گی۔"

وہ سر پٹخ پٹخ کر بے بسی سے رو رہی تھی۔ دل شاد کا دل کٹنے لگا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں اب تمہیں بالکل وہاں نہیں بھیجوں گی۔" دل شاد بیٹی کو جھوٹے دلاسے دے رہی تھیں۔ یہاں تک کہ وقار کا گھر آگیا۔

☼ ☼ ☼

"جہیز بہت دیا ہے آپ کے سمدھیانے والوں نے۔ پورا دن نکل گیا مگر جہیز کے آنے کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ میں تو سمجھا تھا۔ سب سے زیادہ اور عالی شان جہیز میرے گھر میں آیا تھا لیکن مجھے اندازہ ہوا' آپ کے ہاں تو یہ عام رواج ہے۔ ویسے میں نے طارق کا جہیز نہیں دیکھا۔ وہ بھی کم و بیش اس طرح ہی آیا ہو گا۔"

رمیض ڈرائنگ روم میں بیٹھا اپنی جلی کٹی اور طنزیہ باتوں سے اپنے سسر اور سالوں کا دل خوش کر رہا تھا۔ دل شاد نے کاٹ دار نگاہوں سے داماد کی طرف دیکھا۔ پھر اپنے شوہر اور بیٹوں کی طرف جو اس کی بکواس خاموشی سے سن رہے تھے۔

"جب تم آہی گئے تھے تو دل آویز کو بھی ساتھ ہی لے آتے۔ اس روز بھی تم دل آویز کو اپنے ساتھ لائے اور ساتھ ہی لے کر چلے گئے۔"

ابراہیم صاحب نے نپے تلے انداز میں داماد سے شکوہ کیا تو وہ ڈھٹائی سے ہنس پڑا۔

"میں تو ادھر سے گزر رہا تھا۔ اس لیے آگیا۔ دل آویز کا ارادہ ہوتا۔ تو وہ ضرور یہاں آنے کا کہتی۔ مگر اس نے تو مجھ سے ایسی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا۔"

اس کے جھوٹ اور مکاری پہ دل شاد سے چپ نہ رہا گیا۔ "کبھی ایسا ہوا ہے کہ شادی بیاہ کے موقع پہ بہنیں اس طرح الگ تھلگ بیٹھی رہیں۔ اور دل آویز تو پھر اس گھر کی بڑی بیٹی ہے۔"

"یہ تو اب آپ کی بیٹی ہی بتا سکتی ہیں۔ میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کے مسلسل جھوٹ پہ دل شاد بری طرح چپ گئیں۔

"کس طرح پوچھیں ہم اس سے۔ موبائل تک تو چھین لیا ہے تم نے اس سے۔"

"ہاں میں نہیں چاہتا' میرے گھریلو معاملات میں کوئی بلاوجہ مداخلت کرے ــــ"

"ان ہتھکنڈوں سے تم دل آویز کا دل نہیں جیت سکتے۔" وہ داماد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہی تھیں۔

"یہ تو آپ کی بیٹی پہ منحصر ہے ــــ" رمیض لاپروائی سے مسکرا کر بولا تو ابراہیم نے پہلو بدلا' وہ نہیں چاہتے تھے کہ یہ موضوع مزید طول پکڑے اس لیے اپنے بیٹوں سے مخاطب ہو کر بولے۔

"طارق! ولید کے کمرے کی سیٹنگ ڈھنگ سے کرا دینا۔ سامان بہت زیادہ ہے کہیں ایک ہی جگہ بھرتی کر کے بیڈ روم کو اسٹور نہ بنا دینا۔"

طارق باپ کی بات پہ ہنس پڑا۔

"آپ فکر نہ کریں۔ ماما نے ولید کے لیے دو کمرے سیٹ کرائے ہیں اور اسٹور تو ہے ہی علیحدہ۔ ماموں نے اتنی چاہت سے جہیز دیا ہے تو کیا ہم ناقدری کریں گے؟"

طارق کی چبھتی نگاہیں بے ساختہ رمیض کی طرف اٹھی تھیں۔ جس نے ایک کمرے میں سارا سامان ٹھونس کر دل آویز کے جہیز کی ناقدری کی تھی۔ رمیض پہلو بدل کر رہ گیا اچانک اس کی نگاہ حور العین پر پڑی جو بھری ہوئی ٹرالی لے کر آرہی تھی۔

"اور طارق کو کتنے کمرے دے رکھے ہیں آپ نے؟"

"یہ ہمارا ذاتی معاملہ ہے جس طرح آپ اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتے اسی طرح میں بھی اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔"

حور نے باری باری چائے سب کی طرف بڑھائی تو رمیض حور کو توصیفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"طارق صاحب! شریک سفر سمجھ دار ہو۔ تو مداخلت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ آپ کو بھابھی جیسی شریک سفر ملی۔" اس کی تعریف پہ دل شاد کو شدید دھچکا لگا تھا۔

"آخر یہ مرد ایسا ہی کیوں سوچتے ہیں کہ خواتین کو زیادہ سمجھ دار اور ذمے دار ہونا چاہیے۔ کسی مشکل پہ وہ یہ فرض خود کیوں نہیں نباہ لیتے۔"

حور نے شائستگی سے مداخلت کی تو رمیض لاجواب سا ہو گیا۔ طارق کو بھی دل ہی دل میں شرمندگی ہوئی تھی۔

"اس کی وجہ میں بتاتی ہوں۔ بہت سے لوگ سطحی سوچ کے مالک ہوتے ہیں۔ ان میں قوت برداشت بھی کم ہوتی ہے۔ وہ تعاون ہی نہیں کرنا چاہتے انہیں صرف خوشیاں اور سکون لینا آتا ہے دینا نہیں۔ اسی وجہ سے ہزاروں مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ اگر ایک ساتھی شخصی لحاظ سے کمزور ہے تو دوسرا اس کا اعتماد اور حوصلہ بن سکتا ہے۔ مگر اتنی قربانی دینے کا حوصلہ کم از کم مردوں میں نہیں ہوتا۔ عورت میں ذرا سی کمی یا خامی ہو تو وہ اسے پاتال میں اتار دیتے ہیں۔ سہارا تو دور کنار۔"

وہ طارق کو جتا رہی تھی یا رمیض کو؟ ابراہیم نے نپے تلے انداز میں بولتی حور العین کو بغور دیکھا تھا۔ دل شاد کو برا لگ رہا تھا۔ وہ کیوں خواہ مخواہ ان کے نجی معاملات میں دخل دے رہی تھی۔

"طارق! سارا وقت یہیں بیٹھ کر گزار دو گے۔ تو ولید کا فرنیچر کب سیٹ کراؤ گے اور پھر بارات کے لیے کنوینس کا بھی بندوبست کرنا ہے۔ کیا یہ سارے کام ایک ہی دن میں ہوں گے؟"

"آنٹی جی نے تو موضوع ہی بدل دیا۔ ورنہ بات چیت کرنے میں تو اب مزہ آیا تھا۔ خیر چلتا ہوں۔ آپ لوگوں نے اپنے کام سمیٹنے ہیں۔ زندگی رہی تو پھر ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل گیا۔ تو دل شاد نے ایک کڑوا سا ہنکارا بھرا۔

"احساس کمتری کا مارا شخص۔ اپنے عیب چھپانے کے چکر میں ہمارے گھر کی ٹوہ لینے آ رہا ہے اور کان کھول کر سن لو طارق! آئندہ اس جانور کو اتنی عزت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک یہ دل آویز سے رویہ درست نہیں کرے گا۔ یہ میرے گھر میں آ کر اس طرح نہیں بیٹھے گا۔" انہوں نے چبھتی نگاہ حور پہ بھی ڈالی تھی۔ ان تنبیہی نگاہوں کو طارق نے بخوبی سمجھ لیا تھا جبکہ حور مزے سے بیٹھی چائے کی چسکیاں بھر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"شادی میں صرف چند ہی دن باقی ہیں۔ تم نے اپنی جو تیاری کرنی ہے۔ ابھی کر لو یا پھر مجھے بتا دو کہ تمہیں کیا کچھ چاہیے۔ میں لا دوں گا۔" طارق نے بستر میں لیٹے لیٹے نگاہ غلط حور پہ ڈال کر پوچھا تھا۔ جو اپنی وارڈروب میں اسی معاملے کو سلجھانے کے لیے الجھ رہی تھی۔

"میں پہلے بھی بتا چکی ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہیے میرے پاس ہر چیز ان ٹچ پڑی ہے اور شادی کے بعد میں نے پہنا ہی کیا ہے۔ اب سب کچھ شادی میں استعمال ہو جائے گا۔"

وہ وارڈروب سے کپڑے نکال نکال کر ایک جانب رکھ رہی تھی۔

"شادی اور ولیمہ کے روز تم ان میں سے کچھ نہیں پہنو گی۔ انڈر اسٹینڈ۔ میرے ساتھ بازار چلنا شاپنگ کرنی ہے۔" اس مہربانی پہ حور العین نے حیرت سے طارق کی طرف دیکھا۔ جو دوبارہ ٹی وی کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔

"اس مہربانی کی وجہ پوچھ سکتی ہوں؟" طارق نے جواب نہیں دیا۔ ٹی وی کی طرف ہی متوجہ رہا۔

"تم اس گھر کی بڑی بہو ہو، ہر لحاظ سے تمہیں شان دار نظر آنا چاہیے اور بس۔"

طارق کی رکھائی اور گریز پہ حور کلس کر رہ گئی اور

جلے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تو گویا تم نہیں چاہتے کہ میں تمہاری سابقہ منگیتر سے کم تر نظر آؤں۔"

"او شٹ اپ...!" طارق نے غصے سے ریموٹ پھینک مارا۔ "وہ کبھی بھی میری منگیتر نہیں تھی۔ انڈر اسٹینڈ۔ صرف ماما چاہتی تھیں اور ان کی چاہت پوری نہیں ہو سکی۔ آج کے بعد تم مجھ سے ایسی بات نہیں کرو گی۔ کیونکہ وہ میرے بھائی کی عزت بن کر آ رہی ہے۔ جو میرے لیے قابل احترام ہو گی۔" اس کے غصہ اور اشتعال کو حور نے بڑی حیرت سے دیکھا تھا۔

"وہ تمہارے لیے قابل احترام ہے تو کیا میں ولید کے لیے قابل احترام نہیں تھی۔" حور کی آنکھیں نمی سے چمکنے لگی تھیں۔ لیکن اس نے کچھ نہیں کہا اور چپ چاپ اپنے کام میں مگن ہو گئی، طارق بھی غصے میں بستر میں پڑ گیا۔

☼ ☼ ☼

"کم آن دلشی! اب تو کم از کم یونیورسٹی کو خیرباد کہہ دو عین فنکشن کے روز بھی تم پڑھنے جا رہی ہو، پتا ہے کتنے کام ہیں کرنے کو۔ دل آویز ہوتی تو کچھ نہ کچھ ہاتھ تو بٹاتا رہتا۔ نہ مجھے پارلر جانے کا وقت مل رہا ہے اور نہ ہی ٹیلر کے پاس سے میرے کپڑے آئے ہیں اور تم ہو کہ اس ساری افراتفری سے بے نیاز پڑھائی میں جتی ہو اس سے پہلے تو تم اتنی پڑھاکو نہیں تھیں۔"

ماں کے شکوے پہ دل نشیں کو ہنسی آ گئی۔ وہ ماں کو کیا بتاتی کہ زندگی کے حسین دن تو وہ اب گزار رہی ہے۔ پڑھائی وڑھائی تو صرف ایک بہانا ہے۔ وہ تو یونیورسٹی انجوائے کرنے جاتی ہے۔

"آپ تو ماما! خواہ مخواہ ہی پریشان ہو رہی ہیں۔ فنکشن تو لیٹ نائٹ ہی ہو گا اور میں تو ابھی دو ڈیڑھ گھنٹے میں واپس آ جاؤں گی۔ آتے ہوئے ٹیلر سے آپ کے کپڑے بھی لیتی آؤں گی۔ آپ کیوں اس ہلدی اور تیل سے اپنی انگلیاں خراب کر رہی ہیں۔

آپ اطمینان سے پارلر جائیں۔ یہ کام تو یہاں کوئی بھی ملازمہ کر دے گی اور کوئی نہیں تو حور تو ہے ناں۔" دل نشیں نے چہکتے ہوئے کہا۔ "ایسے کام تو وہ منٹوں میں نمٹا لیتی ہے۔ آپ بے کار کی ٹینشن لے رہی ہیں۔"

وہ کہہ کر عجلت میں باہر نکل گئی۔

دل شاد نے شکوہ کناں نگاہوں سے بیٹی کی طرف دیکھا تھا۔ اس میں تو کچھ شک نہیں تھا کہ حور ہی ان کے کام آ رہی تھی۔ دل نشیں کو یونیورسٹی سے فرصت نہیں تھی اور دل آویز اپنے گھر جا کر بیٹھ گئی تھی۔۔۔ دل آویز کا خیال آتے ہی ان کا دل پھر سے بجھ گیا۔ اس روز گاڑی میں دل آویز نے کوئی ایک بات ایسی نہیں تھی جو ماں سے چھپائی ہو۔۔۔ دل شاد کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ یہ بات کس نے پھیلائی کہ رمیض نارمل نہیں ہے۔ یہ پروپیگنڈہ تو اس نے اپنی بیٹی کی جان چھڑانے کے لیے سوچا تھا۔ الٹا ہی پھندہ گلے میں پڑ جائے گا۔ نہ دل شاد کو توقع تھی اور نہ دل آویز کو۔۔۔

دل آویز نے ماں کو بتایا تھا کہ اس نے اپنی بہن کلثوم کو اسی گھر میں علیحدہ پورشن بنا کر دے دیا ہے۔ جس کی وجہ سے۔ اب رمیض کے سارے کام کاج اسے خود کرنے پڑ رہے ہیں۔ پہلے کلثوم اور بچوں کے لحاظ کی وجہ سے وہ اس کے گریز پہ خاموشی اختیار کر لیتا تھا۔ یا گھر سے باہر چلا جاتا تھا۔ اب اکیلے پن کی وجہ سے وہ کسی بات کا لحاظ نہیں کرتا۔ کلثوم اور اس کے بچوں کا بیرونی راستہ بھی دوسری طرف ہو گیا ہے۔ جب سے وہ گئی ہے کلثوم اس سے ملنے نہیں آئی۔ البتہ بچے کبھی کبھار کھانے پینے کی کوئی نہ کوئی چیز لے آتے ہیں۔ جو ان کی ماں اپنے بھائی کے لیے بھیجتی ہے۔ رمیض کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی کبھی بچوں کے لیے کچھ بنا کر بھیجے کیونکہ اسے اپنے بھانجا بھانجی سے بہت پیار ہے۔ جبکہ بچوں کے حلیے دیکھ کر ہی اسے کراہیت آتی ہے۔ وہ رمیض کے ساتھ بالکل نہیں رہ سکتی۔

یہ بات دل آویز نے کئی بار دہرائی تھی۔ جبکہ دل شاد کو پہلے ہی پتا تھا کہ رمیض جیسا شخص اس کی بیٹی کو خوش نہیں رکھ سکتا اور یہ بات دل شاد بیگم نے دل

www.pkdigest.com

آویز کے جانے کے بعد ابراہیم صاحب کو بتائی تھی تو ابراہیم کا حیرت انگیز رویہ سامنے آیا تھا۔ انہوں نے بڑے اطمینان و سکون سے کہا تھا۔

"دل شاد بیگم! اب دل آویز کی پروا کرنا چھوڑ دیجیے کیونکہ جس وقت اسے آپ کی ضرورت تھی۔ آپ نے اس پہ توجہ نہیں دی۔ اب جبکہ جسمانی اور ذہنی صحت کے لحاظ سے وہ کافی بہتر ہے تو آپ اسے اپنے پیروں پہ کھڑا ہی نہیں ہونے دے رہیں۔"

"آپ کی سوچ کی اچانک تبدیلی مجھے حیران ہی نہیں پریشان بھی کر رہی ہے۔ چند ماہ ڈاکٹر عبداللہ کا علاج کرا کر آپ سمجھ رہے ہیں کہ آپ کی بیٹی تندرست ہو گئی ہے۔ جب تک کوئی نئی مصیبت آپ کے سر پر نہیں آئے گی تب تک آپ اس معاملے کی گہرائی کو نہیں سمجھیں گے۔"

"میں نے معاملے کی گہرائی کو سمجھا تھا تو بیٹی کو سائیکاٹرسٹ کے پاس لے گیا تھا اور تب بھی آپ نے واویلا مچایا تھا۔ لیکن بعد میں آپ نے خود ہی تسلیم کر لیا کہ واقعی ہماری بیٹی بیمار تھی۔۔۔ اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے۔ آپ کس لیے فکر مند ہو رہی ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ رمیض نے اپنی ذمے داری کو سمجھا اور دل آویز کے ساتھ ہی گھر بسانے کو ترجیح دی۔ ٹھیک ہے۔ دل آویز کو لے جانے کا طریقہ اس کا غلط تھا لیکن ہم اس غلط اور صحیح کے چکر میں پھنسیں گے۔ تو یہ معاملات خراب ہی ہوں گے اور آپ سے بھی گزارش ہے کہ بیٹی کے معاملات میں زیادہ مداخلت نہ کریں۔ آپ کی مداخلت کی وجہ سے وہ کبھی بھی رمیض اور اس کے ماحول کو قبول نہیں کر پائے گی۔"

دل شاد دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر خاموش تو ہو گئیں مگر اپنے دل کو باز نہ رکھ سکیں۔

"کل ولید کی بارات ہے۔ کیا دل آویز مہمانوں کی طرح بھائی کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے آئے گی۔ ابٹن کی رسم میں وہ سرے سے آئی ہی نہیں۔ میں بول بول کر تھک گئی مگر آپ کے کان پہ جوں تک نہیں رینگی۔ کیا وہ اس طرح الگ تھلگ خوشی سے بیٹھی ہو گی۔ نجانے اس کمبخت نے اس کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہوا ہے۔ کوئی نہیں ایسا جو اس کا حال ہی پوچھ آئے۔" یہ کہہ کر دل شاد رونے لگیں تو ابراہیم صاحب کو بھی تشویش نے آن گھیرا۔

طارق جواب تک چپ چاپ بیٹھا تھا بول اٹھا اگر آپ کہیں تو میں چلا جاتا ہوں اس کے گھر لیکن مجھے تو بدگمان ہی بہت ہے میری بہن جب سے گئی ہے۔ اس کی زبان پر یہی بات ہے کہ میری وجہ سے ہوا ہے یہ سب کچھ۔" طارق نے شکوہ کیا تو دل شاد نے آنسو پونچھتے ہوئے طارق کی طرف دیکھا۔

"چاہوں تو میں خود بھی چلی جاؤں۔ مگر اس ذلیل شخص نے مجھے بے عزت کیا تھا اپنے گھر پر اور اب بھی مجھے اس سے کوئی اچھی کی توقع نہیں ہے۔ کل پھر وہ اسے مہمانوں کی طرح لائے گا اور اپنے ساتھ لے جائے گا۔ ہائے میری بچی کس مصیبت میں پھنس گئی۔" دل شاد نے پھر رونا شروع کر دیا۔

"معیز چھوٹا ہے اور ولید جذباتی ہے۔۔۔ آخر کس کو دل آویز کے گھر بھیجوں۔۔۔ کم از کم کوئی پتہ تو خبر لے آئے کہ میری بچی ہے کیسی۔۔۔" پھر یک دم ہی انہیں حور کا خیال آیا۔ کیوں نہ حور کو ہی وہ دل آویز کے گھر بھیجیں۔ رمیض بے عزتی کرے گا تو حور کی ہی ہو گی ناں۔

"مگر حور کیوں جائے گی۔ کیا اس سے ہم نے ایسا تعلق رکھا ہوا ہے۔ وہ صاف انکار کر دے گی اور اگر چلی بھی گئی۔ تو کہیں کچھ گڑبڑ ہی نہ کر دے۔ نہیں طارق کے ہوتے ہوئے وہ کوئی گڑبڑ نہیں کر سکتی۔ مجھے کیا ضرورت ہے اس کے منہ لگنے کی، طارق سے ہی کہتی ہوں۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

دلشاد کو قدرے اطمینان ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نہیں آ رہے اندر؟" حور نے گاڑی سے اترتے ہوئے مڑ کر طارق کی طرف دیکھا تو طارق نے

نظریں چرائیں اور مصروف انداز میں بولا۔

"مجھے کچھ ضروری کام ہیں۔ اتنے میں وہ نمٹا لیتا ہوں۔ تم اطمینان سے دل آویز سے مل لینا۔"

پھر اس نے گاڑی سے نکل کر پھلوں کے تھیلے حورالعین کو پکڑائے۔

"یہ رمیض کی بہن کو دے دینا۔ اور ہاں' زیادہ بے کار کی باتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور رمیض کے منہ بھی نہیں لگنا۔ وہ بدتمیز اور منہ پھٹ شخص ہے۔ اس روز بھی تم خوامخواہ ہی اس سے بحث لے کر بیٹھ گئی تھیں۔ اس میں اتنا سینس ہوتا تو وہ اپنے گھر کو جہنم ہی کیوں بناتا۔"

طارق قدرے پریشان اور جھنجلایا ہوا تھا۔ حور نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔

"مائنڈ اٹ مسٹر طارق! یہ باتیں آپ مجھے سارے راستے سمجھاتے آئے ہیں۔ اگر آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں تھا تو مجھے لانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔" طارق نے لب بھینچ لیے اور غصے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولا۔

"میرا خیال تھا کہ تم جانے سے انکار کر دو گی اور میں ماما سے صاف کہہ دوں گا لیکن تمہیں تو جیسے۔۔۔" اس کی بے بسی پر حور کے چہرے پر معنی خیز تبسم بکھر گیا' وہ لطف لیتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو رمیض میں کوئی خامی نظر نہیں آئی۔۔۔ اگر وہ دل آویز کی خامیاں گنوائے گا تو میں ضرور سنوں گی۔۔۔ آخر اچھے یا برے کا فرق بھی تو محسوس کرنا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ اندر بڑھتی چلی گئی۔ طارق تلملا کر رہ گیا۔ اس کا دل بار بار کہہ رہا تھا کہ یہ غلط ہو رہا ہے۔ لیکن ہمیشہ کی طرح ماں کے حکم کو وہ ٹال نہیں سکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر کا دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا۔ اس لیے متلاشی نظروں سے دیکھتی وہ اندر بڑھتی چلی گئی۔ گھر میں کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اس نے تو سنا تھا' بے ہنگم بچے ہر وقت یہاں اودھم مچائے رکھتے ہیں۔ مگر یہاں تو چاروں طرف سناٹا ہی سناٹا تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا اور باہر روشنی آرہی تھی۔ وہ اس دروازے کے سامنے رک گئی۔ ہمت ہی نہ ہوئی کہ سیدھی اندر گھس جائے۔ دل آویز اندر صوفے پہ نیم دراز تھی۔۔۔ اچانک آہٹ اور سایہ سا محسوس کرکے چونک گئی۔

"کون ہے؟" اس کی کرخت آواز ابھری تو حور کو حوصلہ ہوا۔ اور دروازے پہ دستک دیتے ہوئے وہ اس کے کمرے میں داخل ہو گئی۔ حور کو دیکھ کر دل آویز گنگ رہ گئی۔

"تم یہاں؟" بہت دیر کے بعد اس نے خشک ہونٹوں اور اجنبی آنکھوں نے کہا تو حور خفت سے مسکرا دی۔ اپنائیت سے اس کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"کیسی ہو دل۔۔۔؟"

دل آویز نے خشک سے انداز میں اسے بیٹھنے کو کہا۔

"مجھے ماما نے بھیجا ہے تمہاری خبر گیری کے لیے۔"

حور اطمینان اور اعتماد سے صوفے پہ بیٹھ گئی تھی۔ پھلوں کے تھیلے اس نے میز پر رکھ دیے۔

"بڑی جلدی خیال آگیا ماما کو میرا۔"

"تمہارا شکوہ جائز تو ہے۔ مگر برمحل نہیں ہے۔" حور اطمینان سے اس کے کمرے کا جائزہ لیتے ہوئے بولی تو دل آویز ٹھٹک گئی۔

"تمہیں کیسے بھیج دیا ماما نے۔۔۔؟" دل آویز نے چبھتی نگاہیں اس کے چہرے پہ ڈالیں' جس کی شگفتگی پہلے دن سے اس کے لیے جلن کا سبب تھی۔

"ہاں۔ یہ بات عجیب ہے' مجھے خود بھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

وہ اس کے کمرے کی ایک ایک چیز کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اس کمرے میں کسی عورت کا وجود ہے۔ ہر چیز دھول مٹی سے اٹی پڑی تھی حیران کن بات یہ تھی کہ اس کے جہیز کی کئی چیزیں ابھی تک ڈبوں میں بند ادھر ادھر پڑی تھیں۔ جس کی وجہ سے بیڈ روم اسٹور کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ رمیض

کے میلے کپڑے کھونٹی سے فرش تک لٹک رہے تھے۔ کہیں گندا تولیہ پڑا تھا اور کہیں جرابیں اور جوتے۔ خود دل آویز کے کپڑے بھی جگہ جگہ بکھرے نظر آرہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے پہ گرد اٹی پڑی تھی۔ پردے بے ترتیبی سے لٹک رہے تھے۔ حور کو چند ہی منٹ میں اندازہ ہو گیا کہ یہاں کام کرنے والی نہیں آتی ہو گی۔ جب ہی سب کچھ بکھرا پڑا ہے تو کیا دل آویز ذرا سی ڈسٹنگ بھی نہیں کر سکتی۔ بہت صفائی کا خبط تھا اسے تو۔ کس طرح رہ رہی ہے اس حال میں' خود اس کا اپنا حلیہ بھی بس ٹھیک ہی تھا۔ دل آویز خود اپنے اس حلیے پہ دل ہی دل میں شرمندہ تھی۔ اس کے بیڈ روم کا نقشہ دیکھ کر حور اپنے شاندار بیڈ روم پہ فخر کر رہی ہوگی۔ ہونہہ! مگر یہ تو قسمت کی بات ہے۔ راجہ کے گھر باندی۔۔۔ اور فقیر کے گھر رانی۔۔۔

"ماما تمہیں نہیں بھیج سکتیں۔ ضرور تمہیں طارق ہی لے کر آیا ہو گا۔ خوب دونوں میاں بیوی نے دونوں ہاتھوں میں لڈو رکھے ہوئے ہیں۔ طارق کیا سمجھ رہا تھا میں روتی پیٹتی واپس آجاؤں گی۔۔۔ اس سے کہنا جس شخص کے ساتھ میں زندگی گزارنے پہ مجبور ہوں۔ میرے والدین کی اولاد میں سے ایسے شخص کے ساتھ کوئی ایک دن بھی نہیں گزار سکتا۔"

یہ کہہ کر دل آویز رو پڑی۔

حور اپنی جگہ پر بیٹھی رہی۔۔۔ فی الحال اس کا دل آویز سے ہمدردی کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"دیکھ لیا تم نے تماشا میرے گھر کا' یہ میلی دیواریں اور جا بجا اکھڑا پلستر' یہ تکون کمرہ تھا اس لاکھوں کے فرنیچر کے لائق۔ کس قدر ناقدری سے اس نے میرے سامان کو پھینک رکھا ہے۔"

اس کے خیالات پہ حور کو افسوس ہوا۔

"خوش قسمت ہو تم حور! جو تمہیں طارق جیسا ویل مینرڈ شوہر اور میرے پیرنٹس کا گھر ملا۔ جہاں تمہارا معمولی سا سامان بھی بیش بہا قیمتی لگتا ہے اور پھر ملازموں کی لمبی قطار۔ یہاں' یہاں کیا ہے وہ کیا سمجھتا ہے اس کے بدبودار کپڑے میں سمیٹوں گی۔ اس کے جوتے صاف کروں گی۔ اس کے گھر میں پونچھا ماروں گی۔ مائی فٹ! میں ان معمولی کاموں کے لیے پیدا نہیں ہوئی تھی۔" حور خاموشی سے سنتی رہی یک دم دل آویز رو پڑی۔

"تمہیں پتا ہے۔ تمہیں پتا ہے حور! اچانک اس میں باپ بننے کی خواہش جاگ گئی ہے۔ وہ انتقام لے رہا ہے مجھ سے۔ وہ میری تکلیف کو نہیں سمجھتا۔ وہ کہتا ہے' میں مغرور ہوں۔۔۔ جان بوجھ کر اس سے دور بھاگتی ہوں۔۔۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ میں خود تھک چکی ہوں۔ اب اپنی زندگی میں آسانی چاہتی ہوں۔"

حور کو پہلی بار اس کی بے بسی پہ ترس آیا۔

وہ اٹھ کر اس کے قریب آگئی۔ (شاید وہ ایسا نہ کرتا اگر تم اس کی مردانگی کو چیلنج نہ کرتیں۔)

"میں تمہیں لینے کے لیے آئی ہوں دل۔۔۔! کل ولید کی بارات ہے۔ اور تمہیں بارات میں گھر سے شامل ہونا ہے۔۔۔ یہ ہم سب کی خواہش ہے۔" حور نے نرم اور دھیمے لہجے میں کہا تو دل آویز نے آنسو صاف کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔

دل آویز کو حیرانی تھی کہ اس نے اس کی کسی بات میں دلچسپی نہیں لی تھی۔

"یہ اختیار میرے پاس ہوتا تو میں یہاں بیٹھی ہوتی؟" وہ قدرے چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور ہلکا سا مسکرا دی۔

"میں تو تمہیں بہت بہادر سمجھتی تھی۔ تم بھی اندر سے وہی بھیگی بلی نکلیں۔ خیر میں آئی ہوں تو تمہیں لے کر ہی جاؤں گی۔ کہاں ہوتی ہے تمہاری نند۔۔۔؟"

"اس کا پورشن دوسرا ہے۔ وہ یہاں آتی ہے نہ میں اس کی طرف جاتی ہوں۔ میں یہاں اکیلی ہوتی ہوں' جہاں چاہوں جا سکتی ہوں۔" وہ تیوری چڑھا کر بولی۔

"یہ تو خوشی کی بات ہے دل!" حور نرمی سے بولی۔

"مگر میں کیوں جاؤں بار بار تماشا بننے کے لیے۔" وہ چڑچڑے سے انداز میں بولی تو حور بالکل نہیں سمجھی۔

"جس طریقے سے وہ مجھے لے کر آیا اور میرے ماں باپ اور بھائیوں نے اس پر خاموشی اختیار کی' اس سے

www.pkdigest.com

اس کی ہمت اور بڑھ گئی ہے۔ زندگی حرام کردی ہے اس نے میری۔۔۔۔ اتنی غیر اہم تو نہیں تھی میں ماما اور بابا کے لیے کہ وہ ولید کی شادی کی خوشی میں مجھے فراموش ہی کر بیٹھے۔"

"کہاں فراموش کیا ہے انہوں نے تمہیں۔۔۔ رمیض سے بات ہوئی تھی تو اس نے کہہ دیا تھا کہ تم خود آنا نہیں چاہتیں۔"

"اور انہوں نے یقین کرلیا۔ ہاں ایک بات کان کھول کر سن لو حور! میں ایک دفعہ یہاں سے چلی گئی تو زندگی بھر لوٹ کر نہیں آؤں گی اور اس خوش فہمی میں کبھی نہ رہنا کہ باپ کی دہلیز پر بیٹھوں گی۔ پھر میرا کوئی تیسرا ہی ٹھکانا ہوگا۔"

"سن لیے اس کے خیالات آپ نے؟" رمیض کی غیر متوقع آمد نے دونوں کو چکرا دیا۔ "اس کے ایسے نادر خیالات جانتے ہوئے بھی میں اسے تنہا گھر میں چھوڑ کر جاتا ہوں۔ دروازے پہ باہر سے تالا لگا کر نہیں جاتا۔"

"وہ ایسا کہہ رہی ہے۔ کر تو نہیں دیا اس نے۔ کرنا چاہتی تو اب تک کر چکی ہوتی تب تم کیا کرلیتے؟"

"کیا مطلب؟" اب کی بار رمیض چکرایا تھا۔

"سیدھے اور واضح لفظوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔" حور کا لہجہ پر اعتماد اور چبھتا ہوا تھا۔

"دن بھر گھر میں اکیلے بیٹھے بیٹھے وہ کیا کرے۔"

"اس اکیلے پن کو اس نے خود پسند کیا تھا اور اپنے گھر میں دل لگانے کے لیے سینکڑوں کام ہوتے ہیں۔ یہ دیکھیں اس گھر کا حلیہ۔ تین کمروں کا یہ چھوٹا سا گھر یہ عورت صاف نہیں رکھ سکتی۔ حتی کہ اپنا بیڈ روم بھی اس نے کس قدر گندا رکھا ہوا ہے اور تو یہ میری کیا خدمت کرے گی۔۔۔۔ کچن میں جا کر دیکھیں۔ کیسا اجاڑ پڑا ہے۔ دونوں وقت کا کھانا میں بازار سے لے کر آتا ہوں یا میری بہن پکا کر بھیجتی ہے۔ کون سی ذمے داری ہے میری جو اس نے اٹھا رکھی ہے۔ کیا ایسی ہوتی ہیں بیویاں۔ کوئی ایک کام سلیقے سے نہیں کرسکتی ہے۔ بیوی کے آنے کے بعد گھر کی رونق بڑھ جاتی ہے۔ جبکہ اس کے آنے سے میرے گھر کی بدرونقی میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔"

"تو پھر کیوں لے کر آئے تھے مجھے؟" دل آویز دوبدو چلائی تھی۔

"اگر میں تمہارے منہ لگوں نا۔۔۔۔ تو دن رات تماشے ہوں لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں، تمہاری ماں نے تمہیں سوائے زبان چلانے کے اور کچھ نہیں سکھایا۔ ہاتھ پاؤں تو تمہارے جیسے گروی رکھے ہوئے ہیں۔"

یہ کہہ کر رمیض صوفے پہ بیٹھ گیا۔ دل آویز تنتناتی ہوئی باہر چلی گئی۔۔۔۔

"لے جائیں آپ اسے، طارق کا فون آیا تھا مجھے اور میں نے تب بھی انکار نہیں کیا تھا۔ مگر جب وہ خود ہی جانا نہیں چاہتی تو میں کیا کرسکتا ہوں۔" رمیض غصہ ضبط کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"نہ ہی وہ میرا گھر بسائے گی اور نہ ہی آپ لوگوں سے تعلق رکھے گی۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔ تو حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ ذمہ داری آپ پہ عائد ہوتی تھی۔ مگر آپ نے سمجھا ہی نہیں چاہا۔۔۔۔"

"میں نے۔" رمیض کو اچنبھا ہوا۔

"ہاں آپ نے۔" حور کا لہجہ تلخ تھا۔

"رشتے داری کرتے ہوئے آپ نے اونچی فصیلیں تو دیکھیں مگر اپنے قد کو فراموش کردیا اور آج آپ کو صرف اپنا قد نظر آرہا ہے۔ وہ اونچی فصیلیں بھول گئے ہیں جہاں سے دل آویز کو بیاہ کرلائے تھے۔"

رمیض حور کی بات کا مطلب پوری گہرائی سے سمجھ گیا تھا۔ تنک کر بولا۔

"ہر لڑکی اپنے گھر میں عیش و آرام کی زندگی گزارتی ہے۔ لیکن شوہر کے گھر میں آکر اسے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔"

"یہی سوچ ہمیں چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے محروم رکھتی ہے۔" حور نے تاسف سے اس کی طرف دیکھا۔

"ایک دوسرے کا خیال رکھنے سے محبت بڑھتی ہے۔

www.pkdigest.com

اگر آپ ایک معمولی ملازمہ کا انتظام کردیتے جو آپ کے لیے مشکل بھی نہیں تھا تو دل آویز کے دل میں آپ کے لیے جگہ بنتی کہ اس کے شوہر کو اس کا خیال ہے۔ لیکن آپ اپنی سوچ سے کیونکر ہٹ سکتے تھے۔"

"فقط دو ہی تو جی ہیں گھر میں۔" وہ کمزور آواز میں بولا۔

"کیا دو جی ایک دوسرے کے لیے قربانیاں نہیں دے سکتے۔۔۔۔ رمیض بھائی! سب سے پہلی چیز ایک دوسرے کے دل میں جگہ بنانا ہے۔ گھر بسانا اور نسل بڑھانا یہ بعد کی باتیں ہیں۔ جب آپ اس کے دل میں جگہ ہی نہیں بنا سکے۔۔۔۔"

"بات صرف ایک ملازمہ تک کی ہی نہیں ہے۔" رمیض دل ہی دل میں سوچ کر رہ گیا۔

"آپ مجھ سے ناحق بحث کررہی ہیں۔ جتنی قربانی میں اس کے لیے دے رہا ہوں۔ شاید ہے کوئی مرد دے سکتا ہو۔"

"کیا قربانی دے رہے ہیں آپ۔۔۔۔! ماں باپ، بہن بھائی، عیش و عشرت وہ چھوڑ کر آئی ہے۔ آپ کے پاس۔ نہ کہ آپ اس کے پاس گئے ہیں۔" اس کی نرالی منطق پہ رمیض حیران رہ گیا۔

"یقیناً" آپ کو میری باتیں عجیب لگ رہی ہوں گی۔ لیکن میں آپ سے اتنا ہی کہوں گی۔ بہت سے لوگ عام لوگوں سے مختلف ہوتے ہیں۔ لیکن اگر انہیں سمجھ لیا جائے تو ان کے اندر ایک بہت پیارا انسان چھپا ہوتا ہے۔ زندگی کا سکون ذہنی ملاپ میں ہے۔ اور وہ ذہنی ملاپ تب ہی ممکن ہے۔ جب آپ دل آویز کو، اس کے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اسے محبت اور توجہ دیں۔ آپ اپنا رویہ تبدیل کریں، دل آویز میں خود بخود تبدیلی آجائے گی۔ دل آویز بری نہیں ہے آپ خود جان لیں گے۔"

دل آویز دروازے کے باہر کھڑی سب کچھ سن رہی تھی۔ وہ حیران تھی کہ حور اس کے متعلق ایسی سوچ رکھتی ہے۔

"میں آپ کی رضامندی سے دل آویز کو لے کر جا رہی ہوں۔ مجھے امید ہے، کچھ دن آپ اسے شادی انجوائے کرنے کا موقع فراہم کریں گے۔" تب ہی دل آویز کمرے میں داخل ہوئی۔

"دل! سامان لے لو۔ ہم چل رہے ہیں۔" دل آویز نے رمیض کی طرف دیکھا وہ چپ چاپ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اس کے چہرے پہ اب کسی بھی قسم کی ناراضی نہیں تھی۔

دل آویز کو پہلی بار حور سے اپنائیت کا احساس ہوا۔ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے وہ حور سے کہنے لگی۔

"میں تو سمجھ رہی تھی کہ تم میرے شوہر کے منہ سے میری برائیاں سن کر بہت خوش ہوگی اور کچھ بعید نہیں کہ مجھے ہی نصیحتیں کرنے بیٹھ جاؤ لیکن تمہارے رویے نے تو مجھے حیران کردیا۔ اور اس سے زیادہ حیرانی مجھے تب ہوئی جب رمیض تمہاری کڑوی کسیلی سن کر چپ رہا۔" حور خاموش بیٹھی رہی۔ کچھ نہیں بولی۔ تو دل آویز کہنے لگی۔

"مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا۔۔۔۔ ابھی کچھ دیر قبل تم جس شخص کو لیکچر سنا کر آرہی ہو، وہ واقعی رمیض تھا۔ جو ذرا سی بات پر بھڑک اٹھتا ہے۔"

دل آویز نے کاندھے اچکائے۔

"ویسے صحیح صحیح بتاؤ حور! رمیض سے تمہارا کوئی تعلق تو نہیں؟"

"واٹ ڈو یو مین!" حور نے آنکھیں پھاڑ کر دل آویز کی طرف دیکھا۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہوگیا تھا اور کنپٹیاں سلگ گئی تھیں۔

"حور اتنی گئی گزری نہیں ہے کہ ایسوں سے تعلق رکھے گی۔" حور نے چبا کر کہا اور اپنا اشتعال کم کرنے کے لیے گاڑی سے باہر دیکھنے لگی۔

دل آویز کو اس کے غصے پہ حیرانی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی دانست میں کوئی بڑی بات نہیں کہی تھی، وہ بھی دوسری جانب سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

بارات تیار تھی۔ سب مہمان اکٹھے ہوگئے تھے۔

دل آویز اور دل نشین کی سج دھج پوری محفل پہ چھائی ہوئی تھی۔ دل شاد بھی خوشی سے دمکتی یہاں وہاں پھر رہی تھیں۔ سہرابندی کا وقت قریب آگیا تھا۔ دل آویز اور دل نشین کو آوازیں پڑ رہی تھیں۔ ولید گولڈن کامدانی اطلس کی شیروانی اور کلاہ میں خوب جچ رہا تھا۔ اس کے سہرابندی سے پہلے شگن کی چند رسمیں ہونا تھیں۔ مووی کیمرے کی چکا چوند روشنی اور ڈیک پہ چلتے سریلے گیت شادی کی خوشی کو دوبالا کر رہے تھے۔ اتنی خوشی اس کی شادی پہ تو نہیں تھی۔ یہ اتنے مہمان اور رشتے دار کہاں سے آگئے۔ اس کی شادی پہ تو بس چند ایک مہمان تھے۔ اس نے ماں کے دمکتے چہرے کو دیکھا۔ جو ولید پہ صدقے واری جا رہی تھیں۔ بہنیں علیحدہ اس پر سے نوٹ وار وار کر ملازموں کو دے رہی تھیں۔ اس کی دفعہ سہرابندی کس طرح ہوئی تھی وہ سادگی سے اپنے کمرے سے تیار ہو کر نکلا تھا صرف بابا ساتھ تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔

"تمہاری ماں اور بہنیں باہر گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی ہیں۔ بہت مشکل سے رضامند کیا ہے انہیں چلنے کے لیے۔ تم بھی بس نکلنے کی کرو۔"

اور وہ دق دق رہ گیا تھا' دو روپے بھی ماں نے سر پہ سے وار کر کسی ملازم کو نہ دیے تھے۔ وہ ٹوٹے دل سے گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ گاڑیوں کے ہمراہ بینڈ بجتا ہوا چل رہا تھا۔ مگر اس کے اندر بالکل سناٹا تھا۔ آج بھی اس کے اندر وہی سناٹا' وہی خاموشی آن بیٹھی تھی۔ اس نے گھبرا کر ادھر سے نکلنا چاہا تب ہی بڑی پھپھو سامنے آگئیں۔

"طارق بیٹا! حور نظر نہیں آرہی۔ سرمہ ڈلوائی کی رسم کرنا ہے اور یہ شگن تو بھابیاں ہی ادا کرتی ہیں۔"

"طارق بھائی! آپ کی دفعہ میں تو سنا ہے' شادی بالکل ہی بورنگ ہوئی تھی۔ ڈھنگ سے رسمیں بھی نہ ہو سکی تھیں۔ حور بھابھی کو بلائیں ناں۔ ہم بھی دیکھیں' سرمہ ڈلوائی کی رسم کیسی ہوتی ہے۔" راحت کی بیٹی رمشا نے کہا تو راحت مسکرا کر بولیں۔

"طارق کی کوئی بھابھی ہی نہیں تھی۔ اس لیے وہ رسمیں نہیں ہوئیں اور طارق کی شادی بورنگ کیوں ہونے لگی۔ حورالعین جیسی بہو نہیں آسکتی' دل شاد بھابھی کے گھر میں۔" یہ بات راحت نے اپنی بہنوں کے بیچ میں کہی تو سب ہی ہنسنے لگیں۔ اب ادھر ادھر سے حور کو آوازیں پڑ رہی تھیں۔ طارق نے دیکھا یہاں سے وہاں تک خواتین کا جم غفیر تھا لیکن ان میں حور نہیں تھی۔

"شاید وہ بیمار لگ رہی ہوئی ہیں۔"

"ارے کوئی اوپر تو جا کر دیکھو۔ یا یہیں سے قیاس آرائیاں ہوتی رہیں گی۔" دل شاد نے کہا' دل آویز اور دل نشین مووی بنوانے میں محو تھیں۔ جبکہ ولید کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ حورالعین ہرگز یہ رسم ادا کرنے نہیں آئے گی اسی وجہ سے کئی بار وہ بیچ میں جھنجلایا تھا۔

"کم آن ماما! کون کرتا ہے اب یہ رسمیں۔"

"بڑی جلدی ہو رہی ہے دولہے میاں۔ بہو کے پاس جانے کی۔" چچی نے کان مروڑا تو وہ نادم سا ہو گیا۔ مگر اس شاز یہ کو ڈر تھا۔ کہیں سر محفل آج پھر تماشا نہ ہو جائے۔ اور ایسا ہی ڈر طارق کو بھی تھا۔ سب کچھ جانتے ہوئے بھی ماما نجانے کیوں مزے لے رہی ہیں۔ وہ جھنجلا رہا تھا۔

"طارق بیٹا! ذرا جانا' دیکھنا تو حور اب تک تیار نہیں ہوئی کیا؟ سب انتظار کر رہے ہیں اس کا۔"

وہ بہ عجلت سیڑھیاں چڑھتا اوپر پہنچا تو حور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سنگھار سے آراستہ اطمینان سے بیٹھی تھی۔ وہ اس کے اطمینان پہ جھنجلاتا۔ لیکن گنگ رہ گیا۔ آج اس نے اپنا وہی عروسی جوڑا پہن رکھا تھا جو اسپیشل بابا نے ملتان سے بنوایا تھا۔ قوس قزح کے رنگوں پہ بنفشی دبکے کا لہنگا چولی اور دوپٹہ۔ ہم رنگ گولڈ کی جیولری اور میک اپ حور واقعی حور لگ رہی تھی۔ یہ سوٹ جب بن کر آیا تھا تو اس کو بے حد پسند آیا تھا اس کے باوجود جب حور اسے پہن کر اس کے پاس آئی تھی تو اس نے نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔

www.pkdigest.com

لیکن آج وہ اس پہ سے نظریں نہ ہٹا پا رہا تھا۔ حور نے اس کی موجودگی کو محسوس کیا تو اسے بھی جیسے ہوش سا آگیا۔

"تم یہاں بج سنور کر بیٹھی ہو۔ اور نیچے سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

حور کولون کھول کر اپنی گردن پہ چھڑکتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔ "باقی سب لوگ بیٹھ گئے گاڑیوں میں؟"

"فار گاڈ سیک!" طارق کو غصہ آگیا۔ "ابھی رسمیں ہو رہی ہیں اور خصوصی طور پر تمہیں بلایا جا رہا ہے۔" حور کے قیامت خیز حسن کو نظر انداز کرنا طارق کے لیے محال تھا۔ حور جانتی تھی۔ وہ کون سی رسم ہو سکتی ہے۔

"مجھے کسی رسم کا حصہ نہیں بننا۔" وہ نروٹھے سے انداز میں کہہ کر اپنی لپ اسٹک پہ پنسل پھیرنے لگی۔

"تو میں جا کر کیا کہوں کہ تم نہیں آرہیں؟"

"ایز یو وش۔" اس نے کاندھے اچکائے۔۔۔۔ طارق نے اسے غصے سے دیکھا۔

"کل تک تو تم بڑھ چڑھ کر ہر چیز میں آگے آگے تھیں۔ اب اچانک تم نے بائیکاٹ کر دیا۔ اور پھر یہ اتنی سج دھج کیا کمرے میں بیٹھنے کے لیے کی ہے۔" طارق کو اس کی ڈھٹائی سے چڑ ہوئی تھی۔

"سج دھج تو لوگ میری دیکھ ہی لیں گے۔ جب اسٹیج پہ نئی نویلی دلہن کے ہمراہ میں بیٹھوں گی۔ لوگوں کو اچھی طرح اندازہ ہو جائے گا۔ طارق کی بیوی زیادہ خوب صورت ہے یا منگیتر۔"

"شٹ اپ!" طارق غصے سے چلایا۔

"میں یہ فضول باتیں نہیں سننا چاہتا۔۔۔۔ چلو میرے ساتھ۔ اس وقت خواہ مخواہ میں اپنا تماشا نہیں بنوا سکتا۔" یہ کہہ کر طارق آگے بڑھا اور اس کی چوڑیوں سے بھری کلائی تھام لی۔

"اپنی عزت کا کتنا خیال ہے طارق! آپ کو۔" اس نے طارق کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔

"اس میں تمہاری بھی عزت ہے۔" وہ اس پہ غرایا "مگر تم سمجھو تو۔" وہ حور پہ "تقریباً" جھکا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی اسے اٹھا لیا۔

"طارق! یہ آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔" وہ گھسٹتی ہوئی "تقریباً" کمرے کے وسط تک آگئی تھی' اس کی آواز گھٹ رہی تھی اور آنکھوں میں پانی تھا۔

"جس شخص نے میرے ساتھ اتنی زیادتی کی' میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی اور آپ کہتے ہیں میں اس کے شگن پورے کروں گی۔ میرے دل سے تو اس کے لیے بددعا ہی نکلے گی۔۔۔ کیوں اپنے بھائی کے لیے بددعا کا بندوبست کر رہے ہیں آپ۔"

طارق کو کرنٹ سا لگا اور اس نے حور کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اسی لمحے کمرے کا دروازہ کھلا اور اس کی پھوپھیاں اور کزنز اندر آگئیں۔

"اتنی زبردست تیاری اور یوں چھپ کر بیٹھی ہو اور یہ طارق بے وقوف تمہیں لینے آیا تھا یا آنکھوں میں اتارنے۔"

طارق کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ اب سب کے سامنے حور بے بس تھی۔ انکار کرنے کا مطلب جگ ہنسائی اور رسوائی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ ان کے ہمراہ نیچے آگئی۔ وہ محفل میں کیا آئی کہ سب کی نظروں کا مرکز بن گئی۔ ہر نگاہ میں اس کے لیے ستائش تھی۔ اس کے آنے سے ہر چہرہ ماند پڑ گیا تھا۔

"آجاؤ حور! پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔" وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کچھ کچھ نروس سی آگے بڑھ رہی تھی۔ ولید کو اپنی ہتھیلیوں میں پسینہ محسوس ہونے لگا تھا۔ بظاہر وہ دوستوں میں مگن تھا۔ مگر اس کا سارا دھیان اپنی طرف بڑھتی حور کی طرف تھا۔ بڑی پھوپھو نے چاندی کی سرمہ دانی حور کے ہاتھ میں تھمائی۔

"تگڑا سا نیگ لینا۔ آخر کو اکلوتی بھاوج ہو۔ معیز کی دفعہ میں تو حصہ دار بھی شامل ہو جائے گی۔"

طارق نے دیکھا۔ حور کے قدموں میں کپکپاہٹ اور آنکھوں میں نمی سی تھی۔ وہ ولید کے سامنے جا کر کھڑی ہو گئی تھی۔

"پہلے نیگ لینا ہے یا سرمہ ڈالنا ہے؟" اس کے

دوست اور کزن حور سے براہ راست مذاق کر رہے تھے۔ نجانے حور کے دل کو کیا ہو رہا تھا۔ اسے یہ سب کچھ بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دل چاہتا تھا' سب کچھ پھینک کر یہاں سے غائب ہو جائے۔۔۔ اور پھر بہت سا روئے۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا اور زبان کچھ بولنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ لڑکیاں کہہ رہی تھیں۔

"ایک لاکھ روپے لینے ہیں۔"

"نہیں آنکھیں دو ہیں۔ دو لاکھ روپے۔"

"ہم نے نہیں ڈلوانا سرمہ' اپنا سرمہ اپنی آنکھوں میں رکھیں۔"

چاروں طرف اتنا شور تھا۔ اسے اس وقت کسی مضبوط سہارے کی ضرورت تھی۔

"مدعی سست گواہ چست۔" لڑکے اور لڑکیوں میں براہ راست مکالمہ ہونے لگا تھا' سب لطف لے رہے تھے اور وہ اس لطف سے کوسوں دور کسی اندھیرے میں جا رہی تھی۔ اچانک اسے اپنے عقب میں مانوس سی خوشبو محسوس ہوئی۔ پھر اپنے داہنے ہاتھ میں ایک مضبوط ہاتھ کا لمس۔ طارق اس کے شانے پہ جھکا کہہ رہا تھا۔

"پہلے نیگ۔ پھر سرمہ۔"

"یہ چیٹنگ ہے طارق بھائی! فاؤل ہے۔ آپ خواتین کا ساتھ دے رہے ہیں۔"

حور کو لگا اس کی شریانوں میں رکا خون گردش کرنے لگا ہے اور سانس لینے کے لیے کھلی ہوا میسر آگئی ہے۔ وہ مکمل طارق کے حصار میں تھی۔ اب اسے کوئی ڈر نہیں تھا۔ طارق نے اس کا سرمہ دانی والا بازو بھی تھام لیا۔

"میں خواتین کا ساتھ کہاں دے رہا ہوں۔ میں تو صرف اپنی مسز کی ہیلپ کرا رہا ہوں۔"

لڑکوں میں شیم کے نعرے لگنے لگے۔

"ولید! سوچ لو سرمہ لگوانا ہے۔ ورنہ اسی ہڑبونگ میں بیٹھے رہنا۔ کیونکہ دل آویز اور دل نشیں سہرا ہاتھ میں اٹھائے سخت تھک چکی ہیں اور جب تک سرمہ نہیں لگے گا سہرا نہیں بندھے گا اور سہرا نہیں بندھے گا تو بارات بھی نہیں چلے گی۔ کیوں دل آویز اور دلشی؟؟"

طارق نے بہنوں کو پکارا' دل آویز کو تو حور کو دیکھ کر نئے سرے سے اپنی جیولری اور بال سیٹ کرنے کا خیال آگیا تھا۔ جبکہ دل نشیں نے طارق کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"بھابھی جو نیگ چاہے مانگ لیں۔ میں انکار نہیں کروں گا۔" ولید کے چہرے اور آنکھوں میں اپنائیت اور رشتوں کے تقدس کا احترام تھا۔ حور کی آنکھیں چار ہوئی تھیں۔ "جو کہہ رہی تھیں۔ تم مجھے اب کچھ نہیں دے سکتے ولید! جو دینا تھا وہ دے چکے ہو۔"

"چلو حور! جلدی سے۔" شور مچنے لگا۔

"ولید! دھیان سے' جتنا بھاوج کو دو گے۔ اس سے ڈبل بہنوں کو دینا پڑے گا۔" کوئی شور میں چلا رہا تھا۔

"مجھے کیا فکر ہے۔ میرا بینک تو سامنے کھڑا ہے۔" بہت دیر کے بعد ولید کے چہرے پہ بھی مسکراہٹ آئی تھی۔ حور نے طارق کی مدد سے سرمہ ولید کی آنکھوں میں لگایا تو تو خوب ہلڑ مچا۔ سب ہی سچویشن سے لطف لے رہے تھے۔ حور وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ لیکن طارق زبردستی اسے لیے کھڑا رہا۔

دل شاد بیگم کیا بیاہنے جا رہی تھیں۔۔۔ جیسے ہر چیز سے بے نیاز ہو گئی تھیں۔ انہیں طارق اور حور کی بے تکلفی پہ غور کرنے کی بھی فرصت نہیں تھی۔ اب دل آویز کو آوازیں پڑنے لگی تھیں۔

"ماما! دیکھنا میں ٹھیک لگ رہی ہوں۔" بھری محفل میں اپنے بارے میں پوچھنے پہ دل شاد بیٹی سے تقریباً" چڑ گئی تھیں۔

"کم آن دل! سب تمہیں بلا رہے ہیں اور تم بہت اچھی لگ رہی ہو۔ چلو وہاں چلو۔ دیکھو حور نے کیسے محفل لوٹ رکھی ہے۔"

وہ اپنی کولیگز کی طرف دیکھتے ہوئے جبراً" مسکرائی' دل آویز کو گھسیٹتی ولید کی جانب بڑھی تھیں۔ جہاں دل نشیں ان کی منتظر تھی۔

دونوں بہنوں نے ولید کے سہرا باندھ دیا تو طارق نے

جیب سے پیسے نکالے اور پچاس پچاس ہزار دونوں بہنوں کو دے دیے۔

"حور کو کیا دیا ہے!" چاروں جانب سے شور اٹھا۔

"یہ بندہ سالم کا سالم۔" طارق نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو حور کو گھبراہٹ ہونے لگی۔ وہ طارق کے اس منافقانہ رویے سے باہر نکلنا چاہتی تھی۔ جبکہ لڑکیاں اور خواتین شور مچانے لگیں۔

"شرم کرو ولید! پیسہ بچانے کے لیے بھائی کو ہی نیگ میں دے دیا۔"

"میں اس قابل کہاں تھا۔" ولید کو طارق کے رویے سے خاصی تقویت ملی تھی۔

جبکہ حور۔۔۔ طارق کے پہلو سے نکل کر دور جا بیٹھی تھی۔ لڑکیاں طارق اور ولید کی درگت بنا رہی تھیں۔ یہاں تک کہ بارات چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

ڈنر کے بعد رخصتی کا شور پڑ گیا اور پھر جلد ہی رخصتی بھی ہو گئی۔۔۔ دل آویز اور دل نشیں دولہا دلہن کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھی تھیں۔ جبکہ دل شاد اور ابراہیم' وقار احمد اور ان کے عزیز و اقارب سے مل کر پیچھے گاڑی میں آ رہے تھے۔ زیادہ تر مہمان اپنے گھر چلے گئے تھے۔ صرف چند ایک مہمان تھے جو دلہن کے ہمراہ گھر تک جا رہے تھے۔ باری باری گاڑیاں گھر کے آگے رکیں۔ دل شاد کو سخت قلق تھا کہ دلہن کے استقبال کے لیے گھر پہ کوئی نہیں ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے گاڑی سے نکلتے ہی کیا تو طارق کو سخت حیرت کا جھٹکا لگا' اس کی شادی پر تو کسی نے اس بات کی پروا نہیں کی تھی۔ دل شاد بیگم جب دلہن کے ہمراہ گیٹ پر اتریں تو ششدر رہ گئیں۔ پھولوں کے تھال لیے حور العین سامنے کھڑی تھی۔ ان لوگوں کو دیکھ کر حور نے ساری لائٹس آن کرا دیں۔ حور کے ہمراہ طارق کی کزنز بھی تھیں۔ جن کی مدد سے حور نے روش پر دیوں کی قطاریں بنا کر روشن کر رکھی تھیں۔۔۔ دل شاد چاہ کر بھی اپنے تاثرات چھپا نہ سکیں۔۔۔ انہیں سخت ندامت و خفت کا احساس ہو رہا تھا۔ ایسے ہی کچھ حالات دل آویز اور دل نشیں کے بھی تھے۔

ولید اصباح کے ہمراہ اندر آگیا۔۔۔ جس صوفے پہ انہیں لا کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ بھی گلاب کے پھولوں سے سجا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر لاؤنج میں گہما گہمی رہی۔ پھر ایک ایک کر کے سب مہمان رخصت ہو گئے۔ حور بھی سخت تھک چکی تھی۔ وہ بھی چینج کر کے آرام کرنا چاہتی تھی۔ دل شاد نے دل آویز سے کہا کہ اصباح کو اس کے کمرے میں بٹھا آئے۔

تب ہی اچانک ولید کمرے سے نمودار ہوا۔ وہ بالکل سادہ سے لباس میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں گاڑی کی چابیاں تھیں۔

"او کے ماما۔۔۔ شب بخیر۔ ہم لوگ جا رہے ہیں۔ چلو اصباح میرے ساتھ چلو۔"

"مگر کہاں؟" دل شاد کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ایسے ہی گھومنے پھرنے اور کہاں۔" اس کا سابقہ انداز لوٹ آیا جو اس کی شخصیت کا خاصا تھا۔

"یہ کون سا وقت ہے گھومنے پھرنے کا؟" دل آویز نے جھنجھلا کے کہا۔ نئی دلہن جوں کی توں بیٹھی تھی۔

"کم آن ماما۔۔۔ آپ کو پتا ہے میں اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔"

"واٹ ڈو یو مین؟" دل آویز کو غصہ آگیا۔ "تم ہمیں "کسی" کہہ رہے ہو' جنہوں نے دن رات محنت سے تمہاری بری بنائی اور تمہاری خوشیوں کو دوبالا کیا۔"

ولید قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ "میری خوشیوں کو نہیں اپنی خوشیوں کو دوبالا کیا۔ اب سب خوش ہیں تو مجھے بھی خوش ہونے کا حق ہونا چاہیے۔"

ولید کے چہرے پہ اتنی سنجیدگی تھی کہ دل شاد۔۔۔ چونک گئیں۔

"تم نے سنا نہیں اصباح! میں کیا کہہ رہا ہوں۔" نوخیز دلہن اس حکم پہ تھوڑا سا سٹپٹائی تو دل شاد لپک کر بھتیجی کے پہلو میں آ بیٹھیں اور اپنا غصہ دبا کر نرمی سے بولیں۔

"گھومنے پھرنے کے لیے ساری زندگی پڑی ہے

www.pkdigest.com

"ولید! تم دونوں ہی تھکے ہوئے ہو۔ آرام کرو۔"

"ماما! میں بچہ نہیں ہوں۔ سب کچھ جانتا ہوں۔ اٹھو اصباح۔" اس کے لہجے کے تحکم سے ڈر کر اصباح کھڑی ہو گئی۔

"اس حلیے میں رات کے تین بجے تم اسے کہاں لے کر جاؤ گے؟" دل شاد کی گھبراہٹ ان کے چہرے سے ہویدا تھی۔

"کم آن ماما! میں اس کا شوہر ہوں۔ اس قابل تھا تو ماموں میاں نے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا تھا۔ آپ کیوں خوامخواہ پریشان ہو رہی ہیں۔"

یہ کہہ کر وہ آگے کی طرف بڑھا۔ اصباح اپنی جگہ پر کھڑی رہی تو ولید نے مڑ کر نئی نویلی دلہن کی طرف دیکھا۔ شاید وہ دلشاد کی طرف سے کسی حکم کی منتظر تھی۔

"تم نے زندگی میرے ساتھ گزارنی ہے۔ یا میرے گھر والوں کے ساتھ؟" اصباح سادہ طبیعت کی لڑکی تھی اور ابھی چند گھنٹے پہلے ہی تو وہ اس کی زندگی میں شامل ہوئی تھی' یہ تک نہیں جانتی تھی کہ وہ کس مزاج کا بندہ ہے۔ امی۔ ابو کے منہ سے تو صرف طارق کی تعریفیں سن رکھی تھیں۔ ولید کے مزاج کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔

وہ خوف زدہ سی چڑیا کی طرح لرزتی کانپتی ٹانگوں سے ولید کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔ اس وقت یہ تماشہ دیکھنے کے لیے صرف دل آویز اور دل شاد ہی تھیں۔ دونوں ایک دوسرے کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔ یہاں تک کہ گاڑی کی آواز دور ہوتی چلی گئی۔

"آپ بھی حد کرتی ہیں ماما۔ نہ بابا کو اٹھایا اور نہ ہی طارق کو..... نجانے کہاں لے کر جائے گا وہ اسے....."

"تمہارے بابا کافی دیر پہلے میڈیسن لے کر لیٹ گئے تھے۔ طارق بھی اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔ کیا اب میں اسے کمرے سے بلواتی تاکہ آکر اس کی بیوی بھی تماشا دیکھتی۔"

"اور اب اگر کچھ اور بڑا تماشا ہو گیا۔ تو کیا کریں گی آپ؟" دلشاد سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھیں۔

"تم جا کر سو جاؤ۔ میں یہاں لیٹی ہوئی ہوں۔ وہ لوگ آئیں گے تو میں دروازہ کھول دوں گی۔ اور یہ ساری لائٹس آف کرتی چلی جانا۔ مجھے ڈر ہے کہیں تمہارے بابا کی آنکھ نہ کھل جائے۔"

دل آویز نے ماں کے متفکر چہرے کی طرف دیکھا اور طنز سے بولی۔

"یہ اچھی سہاگ رات ہے۔ جو سڑکوں پہ منائی جائے گی۔"

☼ ☼ ☼

"آں ہاں!" حور العین نے کمرے میں آکر اپنے بھاری بھرکم زیورات اتارنے شروع کیے تو طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"مجھے پتا تھا۔ تم میرے ساتھ یہی سلوک کرو گی۔ اسی لیے میں جلدی جلدی اوپر آیا ہوں۔"

حور حیرانی سے طارق کی طرف دیکھنے لگی۔

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے؟" وہ اس کی بندیا کو واپس مانگ میں ٹکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ پھر اسے شانوں سے تھام کر آئینے کے سامنے لے آیا۔

"تمہیں پتا ہے۔ آج پورے فنکشن میں تم سب سے خوب صورت لگ رہی تھیں۔ اور یہ بات صرف میں ہی نہیں مووی میکر بھی کہہ رہا تھا۔ جب ہی کیمرہ تمہارے اوپر سے ہٹ ہی نہیں رہا تھا۔"

"آپ نے شاید اصباح کو نہیں دیکھا؟" حور نے جان بوجھ کر کہا تو طارق ہنس پڑا۔

"مجھے ضرورت بھی کیا ہے' کسی اور کی طرف دیکھوں۔"

حور نے محسوس کیا کہ طارق کو اب غصہ نہیں آیا تھا۔ وہ اس کے آویزے کو چھیڑ رہا تھا۔

"یہ جیولری صرف میری پسند سے بابا نے خریدی تھی۔ تمہاری دفعہ میں صرف میں نے اور بابا نے خریداری کی تھی۔ ولید خوش قسمت ہے۔ اس کی شادی میں سب نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک

کہ دل آویز نے بھی اور مزے کی بات تو یہ کہ رمیض نے بھی شادی اٹینڈ کی اور کچھ بدمزگی بھی نہیں ہوئی۔" وہ جیسے بہت ہی ترنگ میں تھا خود سے باتیں کر رہا تھا۔

"تم نے ولید سے نیگ کیوں نہیں مانگا۔ یہ تو خوشی کی بات ہوتی ہے..... بس تھوڑا سا رنگ میلہ۔"

وہ بہت ہی خوش دکھائی دے رہا تھا۔ اس خوشی کی وجہ کیا تھی۔ حور سمجھ ہی نہ پا رہی تھی۔

"اگر میں نیگ میں رانی اور شیر خان کو مانگتی تو کیا عزت رہ جاتی آپ لوگوں کی۔ کیا آپ کا بھائی یہ نیگ مجھے ادا کر دیتا اگر میں اپنا ہاتھ ہی کٹ لیتی اور اسی رسم میں شرکت ہی نہ کرتی۔ تب آپ میرے ساتھ کیسے زبردستی کر سکتے تھے.....؟ میری بددعا ہے طارق! ولید ان خوشیوں کو ترسے جن سے اس نے مجھے محروم کیا ہے۔"

وہ اچانک رو پڑی تھی..... طارق کے اندر سناٹا سا چھا گیا تھا۔

"میں جتنا اس واقعے کو بھلانا چاہتا ہوں۔ تم اتنی ہی شدت سے مجھے یاد دلاتی ہو..... اس طرح بے کار میں اپنی اور میری زندگی اجیرن بنا رہی ہو تم۔"

"اس لیے کہ آپ نے اس واقعہ پر کوئی ردعمل نہیں ظاہر کیا اور مجھے ساری عمر اسی بات کا قلق رہے گا۔" یہ کہہ کر حور ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

طارق ابھی مزید بحث کرتا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ نمبر دیکھا ولید کا تھا۔ طارق کو حیرانی ہوئی..... اس نے پریشانی سے فون اٹینڈ کیا..... ولید کا لہجہ بوجھل اور نشیلا تھا۔

"طارق..... میں اصباح کو لے کر اپنے آبائی گھر میں آگیا ہوں' ہو سکتا ہے ماما ہمارا انتظار کر رہی ہوں۔ ان سے کہہ دینا۔ سو جائیں اب ولید کبھی گھر نہیں آئے گا۔"

ولید نے فوراً" ہی فون بند کر دیا۔ طارق بھونچکا رہ گیا۔ رات کے چار بجے وہ کہاں چلا گیا تھا' جب وہ اوپر آیا تھا تب تو وہ دونوں نیچے ہی تھے۔ کہیں ولید نے زیادہ ڈرنک تو نہیں کر لی۔ جس کی وجہ سے بہک رہا ہو۔ طارق چکرا سا گیا تھا۔ سوچا نیچے جائے اور صورت حال معلوم کرے۔

فجر کی اذانیں ہونے لگی تھیں اور دل شاد کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ تب ہی طارق کو نیچے آتا دیکھ کر وہ بے چینی سے اس کی طرف بڑھیں۔ طارق خود سوالیہ نگاہوں سے ماں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

میمونہ خورشید علی

کسی واسطے کی تلاش میں

دلشاد بیگم کو ابراہیم صاحب سے شادی کے بعد سسرال میں وہ حیثیت نہیں ملی' جس کی وہ ہر لڑکی کی طرح آرزومند تھیں۔ الٹے ہاتھ سے کام کرنے کی بنا پر اماں جی (ساس) نے ان کو گھر میں اچھوت بنا دیا تھا۔ وہ ان کے ہاتھ کا پکا کھانا پسند نہیں کرتیں۔ انہوں نے خاندان بھر میں دل شاد بیگم کا پھوہڑ پن مشہور کر دیا تھا۔ آئے دن ان کے ابراہیم صاحب سے جھگڑے چلتے رہے۔ جس کا واضح اثر بچوں پر پڑا۔ بڑی ایلی آویز شادی کے بعد ہی میکے آبیٹھی' ماں باپ کی ناچاقی نے اسے نفسیاتی مریض بنا دیا۔ وہ اپنے شوہر کی قربت پسند کرتی تھی' طارق نسبتاً "صلح جو" تھا۔ بچپن سے اس کی منگنی پھوپھی زاد حورالعین سے طے ہے۔ جس کی پرورش ماں کے مرنے کے بعد اماں جی (نانی) نے کی ہے۔ وہ بے باق اور پر اعتماد لڑکی ہے۔ بچپن سے اس واضح جھکاؤ طارق کی طرف رہا ہے۔

ابراہیم صاحب بی بی اور بیٹیوں کی ناراضی مول لے کر محض اماں جی کی خواہش کی تکمیل کے لیے طارق کی شادی حورالعین سے کر دیتے ہیں۔ گھر والوں کا رویہ حورالعین سے بہت خراب ہے۔ صرف طارق کا چھوٹا بھائی ولید' حورالعین کا ساتھ دیتا ہے۔ ولید کی بے باقی کی وجہ سے گھر میں سب ولید سے ڈرتے ہیں۔ جس کا احساس حور کو چند گھنٹوں میں ہی ہو جاتا ہے۔ طارق اولین لمحات سے ہی حور سے بے اعتنائی برتتا ہے۔ وہ حور کی لاابالی فطرت سے بھی خائف ہے۔ حورالعین حالات سے مقابلہ کرنے کے لیے خود تیار کر لیتی ہے۔

ناولٹ

www.pkdigest.com

حور العین کو پہلے دن سے ہی سسرال میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دل شاد بیگم ہی نہیں دل آویز اور دل نشین بھی اس سے جلن محسوس کرتی ہیں۔ صرف ولید اس کا ساتھ دیتا ہے۔ اپنی اچھی فطرت سے مجبور ہو کر وہ ایڈجسٹ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ طارق اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ دل نشین اپنے کلاس فیلو راحیل کو پسند کرتی ہے۔ یہ بات طارق اور ابراہیم صاحب کے علم میں آجاتی ہے۔ دل نشین کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں پر انہیں شدید تشویش ہوتی ہے۔

راحیل اپنا اسٹیٹس بڑھانے اور یونیورسٹی میں اپنی دھاک بٹھانے کے لیے دل نشین سے راہ و رسم بڑھاتا ہے۔ لیکن معاملہ اس وقت بگڑتا ہے جب شکیل باجوہ دل نشین میں دلچسپی لینے لگتا ہے۔ وہ ایک بدکردار انسان ہے۔ شکیل دل نشین کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے۔ جس پر غصے میں آکر وہ اسے تھپڑ مارتی ہے۔ شکیل بدلہ لینے کے لیے راحیل کو استعمال کرتا ہے اور اپنا کیریر بچانے کے لیے راحیل ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ راحیل کا بے گانہ رویہ دل نشین کا دل اس کی جانب سے ہٹا دیتا ہے۔ اس دوران دل شاد بیگم اپنے بھانجے عباد سے اس کی منگنی کے معاملات طے کرتی ہیں جس پر اسے کوئی اعتراض نہیں۔

اپنے والد ارباب رحیم کی ناسازیٔ طبیعت پر حور اپنے میکے آتی ہے تو اسے اپنے سوتیلی ماں اور بہن بھائیوں کا گرم جوش رویہ شرمندہ کر دیتا ہے۔ جلدی میں وہ صرف طارق کو فون پر مطلع کر پاتی ہے۔ وہ وہاں خاصی مطمئن ہوتی ہے کہ اچانک اسے لینے ولید صبح صبح آدھمکتا ہے اور گھر لے جانے کے بجائے اسے نانو کے گھر لے آتا ہے جو ان دنوں ولید اور اس کے دوستوں کے استعمال میں ہے۔ ولید کی نازیبا حرکت کا علم جب حور العین کو ہوتا ہے تو پہلی فرصت میں وہ واپسی کا قصد کرتی ہے۔ لیکن اسی وقت دل شاد بیگم اور ابراہیم صاحب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ دل شاد اس پر بے ہودہ الزامات لگاتی ہیں، جس پر وہ زمین میں گڑ کر رہ جاتی ہے۔ زیادہ تکلیف اسے ابراہیم صاحب کی نظروں میں اپنے لیے بے اعتنائی دیکھ کر ہوتی ہے۔

حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے حور سسرال میں رہ کر حالات کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔ دل شاد بیگم دل آویز اور دل نشین اور اس کی دل شکنی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتیں۔ حور تمام معاملے کا از خود طارق کو بتاتی ہے تو وہ گم صم ہو جاتا ہے۔ سچائی جاننے کے باوجود وہ حور پر مکمل اعتبار کرنے سے گریز کرتا ہے۔ حور مستقل اذیت کا شکار ہے۔ دوسری جانب ولید اپنی غلطی کا احساس ہونے پر چند دن میں لوٹ آتا ہے تو اسے اپنی ماں بیٹیوں کی گہری چال کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ محض ان کو سبق سکھانے کے لیے اصباح سے شادی کی رضامندی دے دیتا ہے۔ دل شاد بیگم اسے اس کی تابع داری سمجھتی ہیں اور بیٹیوں کے ساتھ مل کر زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیتی ہیں۔ حور ماحول کا حصہ ہوتے ہوئے بھی کسی معاملے میں نہیں پڑتی۔

بازار میں دل آویز کا سامنا رمیض سے ہو جاتا ہے۔ وہ زبردستی اسے اپنے گھر لے آتا ہے اور فون کر کے طارق کو بتا دیتا ہے۔ دل شاد بیگم اور دل نشین کو طارق یہ بتاتا ہے کہ دل آویز خرابیٔ طبیعت کے باعث گھر چلی گئی ہے۔

ان تمام حالات میں بھی ابراہیم صاحب، ولید کی شادی کی تاریخ موخر نہیں کرتے۔ رمیض مہمانوں کی طرح دل آویز کو لے کر آتا ہے۔ وہ گھر کے تمام کام کی ذمہ داری دل آویز پر ڈال کر مطمئن ہے۔ حور اس موقع پر دل شاد بیگم کا ساتھ دیتی ہے۔ لیکن اس کی طرف سے ان کا دل موم نہیں ہو سکا۔ طارق کی زبان بندی حور کے لیے امتحان ہے۔ طارق کی خوشی کی خاطر وہ ولید کی شادی میں پوری طرح شریک ہوتی ہے۔ ولید رخصتی کے بعد اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے اصباح کو اپنے آبائی گھر لے جاتا ہے۔ اس کے فیصلے پر دل شاد بیگم کے ہوش اڑنے لگتے ہیں۔ ولید، طارق کو فون کر کے کہہ دیتا ہے کہ اب وہ واپس کبھی نہیں آئے گا۔

(اب آگے پڑھیے)

چھٹی اور آخری قسط

"یہی میرا اصل گھر ہے اور یہی میرا ٹھکانا ہے۔ میں آوارہ پنچھی ہوں۔ زیادہ قید و بند برداشت نہیں کرتا۔ یہ نہ کرو، یہ نہ کھاؤ۔ یوں نہ چلو۔ یوں اٹھو، یوں بیٹھو۔ مجھے بچپن سے ایسے لفظوں سے چڑ ہے۔ اس لیے میری علیحدہ ہی دنیا ہے۔ آج ہماری نئی زندگی کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس لیے میں نے سوچا تمہیں۔ آج ہی سب کچھ بتا دیتا ہوں۔ یوں تو تم میری کزن تھیں لیکن میں نے خاندان کی لڑکیوں پہ کبھی غور نہیں کیا۔۔۔ یہ شادی سراسر ماما کو خوش کرنے کے لیے ہوئی ہے۔۔۔ تاکہ طارق کا گھر بسا رہ سکے۔ مجھے اس بندھن کی کوئی خوشی نہیں۔ خیر اب تم میری زندگی میں شامل ہو گئی ہو تو میں اب اتنا بھی بدذوق نہیں کہ تمہارا خیر مقدم نہیں کروں گا۔ لیکن تم میرے ساتھ تب ہی خوش رہ سکتی ہو۔ جب میرے معاملات میں مداخلت نہیں کرو گی۔"

اس نے اصباح کے معصوم چہرے کو انگلیوں کی پوروں سے چھوا تھا۔

"تم واقعی خوب صورت ہو۔ لیکن۔" یہ کہہ کر وہ اس کے پاس سے اٹھ گیا۔

"خوب صورتی ولید کے لیے کبھی اہم نہیں رہی۔۔۔ ڈرائنگ روم میں میرے دوست بیٹھے ہیں۔ میری شادی کی خوشی میں انہوں نے مجرے کا اہتمام کر رکھا ہے۔ آج یہاں دن چڑھے تک رقص و سرود کی محفل سجی رہے گی۔ تم سکون سے سو جانا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔"

یہ کہہ کر وہ باہر نکل گیا۔ اصباح کے لیے یہ سب حالات غیر متوقع اور حیران کن تھے۔ نئی اور ویران جگہ اکیلے سونے کا تصور اس کے لیے سوہان روح تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کھڑکی کے قریب آگئی۔ وہ گھر کی بالائی منزل پر تھی۔ نیچے بڑا سا صحن تھا اور دونوں اطراف پر برآمدے، برآمدے کے پیچھے سے گھنگھروؤں کی آوازیں آرہی تھیں۔ محفل عروج پر تھی۔ اصباح نے کھڑکی کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

دن نکل آیا تھا۔ سارا گھر خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا۔ سوائے طارق اور دل شاد کے دونوں فکر مندی میں مبتلا سر جوڑے بیٹھے تھے۔

میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس نے یہ گھٹیا حرکت آخر کیوں کی ہے؟ ابھی بھابھی بیگم کی طرف سے کوئی ناشتہ لے کر آگیا تو میں کیا کہوں گی کہ میرا بیٹا اصباح کو لے کر بھاگ گیا ہے۔ اور اس نے فون پہ کہا ہے کہ وہ کبھی نہیں آئے گا۔ اگر اس نے یہی پچھن کرنا تھے تو خاندان کی لڑکی سے شادی ہی کیوں کی۔ اچھی جان مصیبت میں آگئی ہے میری۔۔۔ میں تو سوچ رہی ہوں طارق! یہ بات تمہارے بابا سے چھپانے کی نہیں ہے۔ وہ اٹھتے ہیں تو بتا دیتی ہوں۔"

"ظاہر ہے بابا سے چھپائی تو نہیں جا سکتی یہ بات۔" طارق نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"تم خود وہاں کیوں نہیں چلے جاتے؟" دل شاد نے بے چارگی سے کہا۔

"وہ چھوٹا سا بچہ تو نہیں ہے جسے کان سے پکڑ کر لے آوں گا اور آپ کو پتا ہے جب وہ نشے میں ہوتا ہے۔ تو کسی کا لحاظ نہیں کرتا۔ خوامخواہ میں اپنا تماشا نہیں بنوا سکتا۔" طارق صحیح کہہ رہا تھا۔

"لیکن اصباح، وہ بچی پتا نہیں کس حال میں ہو گی۔ یا اللہ! میری عزت رکھ لینا۔ اس بچی کے منہ میں تو زبان بھی نہیں ہے۔ اور وقار بھائی کو ان سب حالات کا پتا چل گیا تو الگ قیامت آجائے گی۔" دل شاد نے رونا شروع کر دیا۔

"آپ ایسا کریں تھوڑی دیر آرام کر لیں۔ اصباح کے گھر سے کوئی آئے تو یہ کہہ کر ٹال دیجیے گا کہ وہ سو رہی ہے۔ اصباح کو لینے کے لیے تو شام تک ہی آئیں گے۔ تب تک صاحب بہادر کا نشہ بھی کم ہو جائے گا۔ پھر ہی کوئی راہ نکالی جا سکتی ہے۔"

"بھاڑ میں جائے وہ۔۔۔ میں اصباح کو لے آوں۔۔۔ پھر دیکھ لوں گی اسے۔" ابھی دل شاد ارادے ہی باندھ رہی تھیں کہ ان کا سیل فون بج اٹھا۔۔۔ نمبر دیکھ کر دل شاد

کا رنگ اڑ گیا۔

"بھائی جان کا فون ہے۔۔۔ وہ اصباح سے بات کرنا چاہیں گے تو کس طرح کراؤں گی؟"

"آپ گھبرا کیوں رہی ہیں۔ اصباح ہے تو ولید کے ساتھ ہی نا۔ اس گھر میں نہیں تو اس گھر میں۔ آپ بات کریں ماموں سے اور انہیں ٹال دیں کہ فی الحال وہ لوگ سو رہے ہیں۔"

دل شاد نے ڈرتے جھجکتے۔ فون اٹینڈ کیا۔ دوسری طرف وقار سخت برہم تھے۔

"دل شاد! اصباح کہاں ہے۔ کیا آپ اسے اس لیے بیاہ کر لے گئی تھیں کہ وہ مجرے دیکھے اور شراب کی بدبو سے اپنا دماغ خراب کرے۔"

وقار احمد کے الفاظ تھے یا بم۔ دل شاد کے ہاتھ سے فون چھوٹا اور وہ صوفے پہ ڈھے گئیں۔

اصباح نے باپ کو خود فون کیا تھا۔ جب محفل چھٹ گئی تھی اور سناٹا چھا گیا تھا۔ تو وہ نیچے آئی تھی۔ پھر اس نے صحن اور برآمدہ عبور کیا اور دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ ولید آڑا ترچھا بستر پر پڑا تھا۔ وہ بالکل ہوش سے بیگانہ تھا۔ کمرے کا حلیہ ناگفتہ بہ تھا۔ الکحل کی بدبو سے اصباح کا دماغ چکرانے لگا۔ اچانک اس کی نگاہ کمرے کے وسط میں پڑی میز پہ پڑی۔ جس پہ ولید کا فون پڑا تھا۔ اس نے وہ فون اٹھالیا اور دبے قدموں سے باہر نکل آئی۔ اس نے اپنے گھر فون ملایا۔ فون اس کی امی نے اٹھایا تھا۔ اصباح رونے لگی۔ پھر اس نے روتے روتے سارے حالات بتادیے۔

دل شاد بیگم سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ وقار سگے بھائی ہو کر اتنی بے عزتی کریں گے۔ وہ بضد تھے کہ اصباح کو ساتھ لے کر جائیں گے۔ بیٹے کی وجہ سے بھائی بھاوج کے سامنے دل شاد کو بے حد سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ ادھر ابراہیم سخت خفت اور غصے میں مبتلا تھے۔ طارق خود اس صورت حال کو کنٹرول کرنے سے قاصر تھا۔ ابراہیم کو دل شاد اور طارق دونوں پہ ہی غصہ تھا کہ انہوں نے انہیں پہلے آگاہ کیوں نہیں کیا اور اس معاملے میں اتنی دیر ہی کیوں لگائی۔ دوپہر تک گھر بھر میں یہ بات پھیل چکی تھی کہ ولید اصباح کو لے کر رات سے غائب ہے۔ ابراہیم گاڑی کی چابی لے کر گھر سے باہر نکلے اور سیدھا اپنے آبائی گھر پہنچے۔ بہت دیر تک ڈور بیل بجانے پہ دروازہ نہ کھلا وہ دروازہ بجاتے رہے۔ اور دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتے رہے۔ آخر کار دروازہ اصباح نے ہی کھولا تھا۔ ولید ہوش میں کہاں تھا۔ وہ اندر آگئے اصباح اسی حلیے میں کھڑی تھی جس میں رات آئی تھی۔

"میرے ساتھ چلو۔" انہوں نے نظریں چراتے ہوئے کہا اور اصباح کو لے کر گھر آگئے۔ وقار اور آصفہ ہی نہیں گھر والے بھی اصباح کو دیکھ کر گنگ رہ گئے۔

دل شاد نے اصباح کو سینے سے لگالیا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ جو کچھ بھی ہوا ہے۔ بس آج تک ہی تھا۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا تم یہیں رہو گی۔ میرے پاس اسی گھر میں، منہ ہاتھ دھولو۔ میں تمہارے لیے ناشتہ بنواتی ہوں۔"

"ناشتہ اصباح گھر جا کر کرے گی۔"

پھر انہوں نے سر جھکائے بیٹھے طارق کی طرف دیکھا۔ "بھول ہو گئی ہم سے طارق اور ولید میں ہم نے فرق ہی محسوس نہیں کیا۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی جان آپ۔۔۔! ہمیں تھوڑا سا وقت تو دیں۔" دلشاد شرمندگی و لجاجت سے بات بنا رہی تھیں۔

"دل شاد! اصباح ہماری اکلوتی بچی ہے۔ یہ آپ اچھی طرح جانتی ہیں۔ غیروں سے بھی ایسی توقع نہیں کی جاسکتی۔ جیسی۔۔۔ خیر چھوڑیں۔۔۔ اچھا ہوا ہمیں جلد ہی ولید کی نیچر کا پتا چل گیا۔۔۔ عمر بھر کے فیصلے ہوتے ہیں یہ۔ معمولی بات نہیں ہے 'بیٹے کی بری عادتیں چھوٹ جائیں تو اصباح کو آکر لے جائیے گا۔ بصورت دیگر ہم سمجھیں گے ہم نے اصباح کو بیاہا ہی نہیں۔"

وقار اور آصفہ بیٹی کو لے کر نکلے تو دل شاد نے کلیجہ

تھام لیا۔

ادھر ابراہیم برہم ہو رہے تھے "زندگی تماشہ بن کر رہ گئی ہے۔ حد ہوتی ہے پاگل پن کی بھی۔ ایک مسئلے سے جان نہیں چھوٹتی کہ دوسرا گلے آن پڑتا ہے۔ شوٹ کر دوں گا میں اسے 'ایسی اولاد قتل کر دینے کے لائق ہے۔"

ابراہیم اپنا فون ملانے لگے۔ وہ کسی اسٹیٹ ایجنٹ سے بات کر رہے تھے۔ ذکر گھر کو فروخت کرنے کا تھا۔

"ادریس صاحب! آپ جگہ دیکھ لیں 'میں آج ہی اس گھر کو بیچ دینا چاہتا ہوں۔"

"نہیں میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ ادائیگی دستاویزات پہ ہو جائے۔ کیش پے منٹ بھلے بعد میں ہوتی رہے میں 'دستاویزات پہ ہی مالکانہ حقوق دے دوں گا۔ آپ رجسٹری کی تیاری کرائیں۔"

یہ کہہ کر انہوں نے فون بند کر دیا۔ دل شاد اور طارق متحیر گنگ ہو گئے۔ دل شاد ہی نہیں طارق بھی جانتا تھا اس گھر سے ابراہیم کو کتنی محبت تھی۔ وہ اسی غصے میں کمرے سے نکل گئے تھے۔ طارق بھی بوجھل قدموں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آگیا رات بھر جاگنے کی وجہ سے اس کا بھی دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ حورالعین ساری صورت حال سے باخبر تھی۔ لیکن اس نے اس موضوع پہ طارق سے کوئی بات نہیں کی۔ طارق آنکھوں پہ ہاتھ رکھ کر لیٹ گیا۔ اسے ولید سے ایسی ہی اوٹ پٹانگ حرکتوں کی توقع تھی۔ حورالعین سوچتے ہوئے چاپ چاپ نیچے آگئی۔ دل آویز اور دل شاد آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔

"ماما! آپ کی بھتیجی سے کہیں بہتر تو بابا کی بھانجی تھی۔ جس نے آج تک اپنے گھر کی کوئی بات کسی سے نہیں کی۔ اصباح نے تو ایک رات بھی برداشت نہیں کیا اور فوراً "اپنے ماں باپ کو بلالیا۔"

"ہاں۔۔۔ مجھے بھی اس بات کا بہت دکھ ہے۔ کم ازکم اصباح ایک رات تو برداشت کرلیتی۔ اس طرح گھر کی بات گھر میں ہی رہ جاتی۔ کیا ہم ولید کو ایسے ہی بے مہار چھوڑ دیتے۔"

"اور پھر ایسی بھی کیا قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ تھی تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہی نا۔"

"سچ پوچھو تو دل! مجھے بھی اصباح کا یہ اتاولا پن بالکل نہیں بھایا۔ حورالعین کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا۔ مگر اس کے گھر سے کوئی نہیں آیا۔ مانا کہ ماں سوتیلی ہے مگر باپ تو سگا ہے اور اپنی اولاد کے ساتھ زیادتی کوئی بھی برداشت نہیں کرتا۔ پہلی رات تو طارق اپنے کمرے میں گیا ہی نہیں تھا۔ یہ میں اچھی طرح سے جانتی ہوں اور یہ بات گھر کی چار دیواری میں ہی ختم ہو گئی۔ اصباح نے تو پہلے دن ہی پیشی لگوادی۔ حالانکہ ہم نے اصباح کو حورالعین سے زیادہ اہمیت دی ہے۔ پورے تین کمروں میں تو اس کا جہیز لگوایا ہے۔ سونا بھی زیادہ چڑھایا اور کپڑے بھی ایک سے ایک۔ طارق میرا کتنا اچھا بیٹا تھا۔ اسے میں نے چند تولے سونا دیا اور بس چند کپڑے۔ ایسے بیٹے کو تو میں سونے میں بھی تول دیتی جب بھی کم تھا۔"

دل شاد کو رہ رہ کر ملال ہوا۔

"نہ صرف بیٹا بہو بھی اصباح سے بہتر ہے۔"

دل آویز نے تعریف تو کی پھر بھی بخل سے کام لیا۔ حورالعین نے اپنے متعلق یہ گفتگو سنی تھی 'وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گئی۔

شام تک گھر میں سناٹا سا رہا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ کل یہاں شادی ہوئی ہے اور دلہن بیاہ کر آئی ہے۔ کیونکہ سوائے حورالعین کے گھر پر کوئی نہیں تھا سب ہی ولید کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"میری مرضی کے بغیر اصباح اپنے پیرنٹس کے ہاں ایک رات بھی نہیں رکے گی۔"

ولید کی ڈھٹائی اور بدتمیزی پہ ابراہیم کو اشتعال آگیا۔ "سن رہی ہو تم اس کی باتیں۔"

ولید پر ماں باپ کے کسی لیکچر کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا اور نہ ہی یہ احساس جاگا تھا کہ اس کی وجہ سے اصباح

کے والد اس کے ماں باپ کی کتنی بے عزتی کر کے گئے ہیں۔ وہ اپنے غیر ذمہ دارانہ رویے پہ مطمئن تھا۔

"اصباح تب تک نہیں آئے گی۔ جب تک تم نہیں سدھرو گے۔" دل شاد نے ابراہیم کا غصہ دیکھتے ہوئے بیٹے کو دھمکی دی۔

"واٹ یو مین ماما! یہ اصلاح آپ کو میری پہلے کرنا چاہیے تھی۔ اب میں جیسا تھا ویسا ہی رہوں گا۔"

ابراہیم کا ضبط جواب دے گیا۔ انہوں نے اس کی بے غیرتی پہ ایک زوردار تھپڑ اس کے منہ پہ دے مارا۔

"ابھی اور اسی وقت اس گھر کو خالی کر دو۔ کیونکہ تمہاری وجہ سے میں اس گھر کو بیچ چکا ہوں۔ اب اس جگہ کو تم اپنی عیاشی کا اڈہ نہیں بنا سکتے۔"

ولید کے لیے یہ جھٹکا بھی تھپڑ سے کم نہیں تھا۔

"آپ یہ گھر نہیں بیچ سکتے۔" ولید نے باپ کو تنبیہہ کی تھی۔

"میں یہ گھر بیچ چکا ہوں۔" وہ دوبدو بولے تھے۔

"میں آپ کے ساتھ اس گھر میں نہیں رہوں گا۔ مجھے علیحدہ رہائش چاہیے۔" اس کے مطالبے پہ دل شاد کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"اتنے بڑے گھر میں کس چیز کی کمی ہے تمہیں؟"

"وہاں کا ماحول میری پسند کے مطابق نہیں ہے۔" وہ ضدی پن پہ قائم تھا۔

"میں بھی تمہیں رکھنا نہیں چاہتا کیونکہ تمہارا چال چلن مجھے پسند نہیں ہے۔" ابراہیم غصے سے پھنکارے تھے۔

طارق درمیان میں بول پڑا۔ "اگر یہ میری وجہ سے وہاں رہنا نہیں چاہتا۔ تو میں جلد ہی رہائش تبدیل کر لوں گا۔ لیکن دل نشیں کی شادی تک میں وقت چاہتا ہوں۔"

"تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" دل شاد اور ابراہیم بیک وقت بولے تھے۔ "نہ اب نہ دلنشی کی شادی کے بعد۔ اسے اگر ہم سے تکلیف ہے تو یہ اپنی شکل دفعان کرے۔ ایک دفعہ ہی ہماری جان چھوڑ دے۔ ہمیں بھی ضرورت نہیں ایسی اولاد کی۔" ابراہیم کا اشتعال تھا کہ کم ہونے پہ ہی نہیں آ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آج کے بعد میرے معاملات میں آپ میں سے کسی کو مداخلت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔"

ولید نے یہ کہا اور ان کے درمیان سے نکل کر باہر چلا گیا۔ دل شاد بے چارگی سے شوہر اور بیٹے کا منہ دیکھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

دو دن اسی خاموشی سے گزر گئے۔ رمیض دل آویز کو لینے آیا تھا۔ اب ولیمہ کا تو کوئی تصور ہی نہیں رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اس گھر میں شادی نہیں موت واقع ہوئی ہے۔ دل آویز جانے کی تیاری کر رہی تھی۔

گھر میں تین شادیاں ہوئی تھیں اور تینوں ہی خوشیوں سے خالی۔ دل آویز کو ولید کے رویے کا گہرا دکھ تھا۔ اسے احساس تھا کہ اس کے ماں باپ اس وقت بہت پریشان ہیں۔ سوائے اپنی طرف سے انہیں پریشانی دینا اچھا نہیں لگا اور اس نے جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایسا اس نے پہلی بار سوچا تھا۔ کسی بڑے غم کے سامنے اپنے دکھ کو چھوٹا سمجھا تھا ورنہ آج تک تو وہ ماں باپ کو ہی الزام دیتی آئی تھی کہ اس کی زندگی برباد کرنے والے وہی ہیں۔ وہ چپ چاپ تیار ہو کر باہر نکلی۔ دل شاد نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ پھر چپ چاپ بیٹی کو رخصت کر دیا۔

رمیض کے ہمراہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دل آویز سوچ رہی تھی۔

"ولید کتنا خراب ہے۔ اس کی ناقابل برداشت عادتوں کے باوجود ماما نے یہ کہا اگر اصباح ایک رات برداشت کر لیتی تو کون سا قیامت آ جاتی۔ مجھے کبھی ماما نے برداشت کرنے کو نہیں کہا ہمیشہ یہی کہتی تھیں۔ وہ تمہارے لائق نہیں ہے۔ لیکن یہ ہنر مجھے حور العین نے سکھایا۔ ناقابل برداشت عادتوں کو برداشت کرنا اور اپنی جگہ پہ ڈٹے رہنا۔ اس صبر اور استقامت نے آج حور العین کو اصباح پہ سبقت دلائی

تھی۔" وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔ رمیض کے اور اس کے اسٹیٹس میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ لیکن آج اس نے یہ عزم کیا تھا کہ اپنے حصے کے دکھ اپنے ماں باپ کو نہیں دے گی۔

☼ ☼ ☼

عورت کے حقوق و سالمیت کا آج عالمی دن تھا۔ بہت دن کے بعد دل شاد نے اپنی تنظیم کے دفتر میں جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ویسے بھی وہ گھر میں پڑے پڑے سوچوں سے ہلکان ہو رہی تھیں۔ یہ بات کتنی شرمندگی کا سبب تھی کہ ولید نے اپنے سسرال میں ہی پڑاؤ ڈال لیا تھا اور وہ وہیں رہ رہا تھا اور یہ بات وقار احمد نے دل شاد کو خود بتائی تھی۔ دل شاد کیا کہتیں کہ دھکے دے کر نکال دو یا یہ کہ ہم تو ولید کو ناخلف قرار دے چکے ہیں۔ دل شاد کے لب سل گئے تھے اس کے پاس کوئی معقول بات نہیں تھی، وہ صرف عاجزانہ سے لہجے میں کہہ سکی تھیں۔

"میں آپ سے بہت شرمندہ ہوں بھائی جان!"

"شرمندگی تو ہمیں بھی ہے اپنی بیٹی سے اور دکھ بھی لیکن اگر وہ ہمارے پاس آ گیا ہے تو اچھی ہی صحبت لے کر جائے گا۔"

ان کو بھائی کا انداز برا لگا تھا۔ مگر کیا کہتیں بیٹے نے یہ وقت دکھلایا تھا۔ ضبط سے پی گئیں۔

☼ ☼ ☼

دل نشیں یونیورسٹی جانے لگی تھی۔ دل آویز اپنے گھر چلی گئی تھی۔ اور دل شاد کی مصروفیات پھر سے رواں دواں ہو گئی تھیں۔ فقط حور ہی گھر میں رہ جاتی تھی۔ آج بہت دنوں کے بعد اسے لان کی صفائی کا خیال آیا تھا۔ وہ مالی بابا سے جنگلی گھاس صاف کرا رہی تھی کہ اچانک طارق کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ طارق کے چہرے پہ ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ دل شاد کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ ملازم نے بتایا کہ وہ ابھی ابھی اپنے آفس گئی ہیں تو وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا۔

حور العین بھی ہاتھوں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے گئی۔ وہ ولید کے کمرے میں چلا گیا تھا۔ حور العین باہر ہی رک گئی۔ دروازہ چونکہ کھلا ہوا تھا اس لیے وہ طارق کی سرگرمی دیکھ سکتی تھی۔ طارق، ولید کی وارڈ روب سے اس کے کپڑے نکال رہا تھا۔

اب حور سے رہا نہ گیا وہ بھی اندر آ گئی۔

"کیا بات ہے کچھ بتائیں گے بھی؟" طارق نے کچھ جواب نہیں دیا، اس کی درازیں کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ پھر وہ ولید کے کپڑے لے کر باہر نکل گیا اور ڈرائیور کو آواز دے کر کہا کہ وہ گاڑی لے کر جائے اور ماما کو فوراً "اپنے ساتھ لے کر آئے۔

"طارق کچھ بتائیں تو کیا ہوا ہے؟" وہ تیز تیز سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ حور کا دل ڈوبنے لگا، وہ اس کے پیچھے پیچھے اپنے کمرے تک آ گئی۔ طارق لاک اپ میں سے پیسے نکال رہا تھا۔

"ولید کی طبیعت صحیح نہیں ہے۔" طارق کی آواز گھٹ رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے ولید کو؟" حور کے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا تھا۔ طارق نے مڑ کر حور کی طرف دیکھا۔ وہ شاید ضبط کر رہا تھا۔ تب ہی یکایک بول نہ پایا۔ حور نے دیکھا اس کے چہرے پر زردی کھنڈی تھی۔

"ولید کو اس کے دوستوں نے زہریلی شراب پلا دی ہے۔ وہ سٹی ہاسپٹل میں آئی سی یو میں ہے۔" یہ کہتے کہتے طارق کی آواز رندھ گئی۔ اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہو رہے تھے۔ "شاید تمہاری بددعا...!"

حور نے اپنے منہ پہ ہاتھ رکھ لیا۔ غم سے اس کا دل پھٹنے لگا تھا۔

"ولید کو معاف کر دینا حور! اس وقت اسے صرف دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

یہ کہہ کر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا کمرے سے اور پھر گھر سے باہر نکلتا چلا گیا حور جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

دن گزر گیا اور پھر پوری رات گھر میں کوئی نہیں تھا۔ سب اسپتال میں ولید کے پاس تھے۔ گو کہ وہ ہاسپٹل میں نہیں تھی۔ مگر گھر میں رات بھر سو بھی نہ پائی تھی۔

اس نے طارق کی آنکھوں میں بھائی کے لیے محبت کا الاؤ دہکتے دیکھا تھا۔ اس نے ولید کی زندگی کی دعائیں مانگی تھیں۔

نماز فجر کے بعد اس نے طارق کے پاس فون کیا۔ تو طارق نے بتایا کہ ابھی اسے ہوش نہیں آیا ہے۔ لیکن ڈاکٹرز کہہ رہے ہیں کہ وہ خطرے سے باہر ہے۔

صبح وہ اسپتال میں سب کے لیے ناشتہ بنا کر لے گئی۔ ولید ابھی آئی سی یو میں ہی تھا۔ لیکن خطرے سے باہر تھا۔ اس نے زبردستی سب کو ناشتہ کرایا۔ دل شاد نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا۔ جبکہ ابراہیم سکتے کی سی حالت میں تھے۔ ابھی وہ لوگ ناشتے سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ وقار اور آصفہ آ گئے۔ وقار احمد کو دیکھ کر دل شاد ان پہ برس پڑیں۔

"اتنا ظلم تو نہیں کیا تھا میرے بیٹے نے۔ کہ آپ نے اسے زہر پلا کر مار ہی ڈالنے کا سوچ لیا۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو دل شاد تم!" وقار احمد خود دل گرفتہ تھے۔

"ولید آپ کے ہاں ہی رہ رہا تھا نا — پھر اس کی یہ حالت کیسے ہوئی؟" انہوں نے بھائی کا گریبان پکڑ کر ہسٹریائی انداز میں پوچھا تو وقار احمد نے دل شاد کے ہاتھ جھٹک دیے۔

"اصباح کو اپنے ساتھ ہنی مون پہ لے جانے کی ضد باندھ لی تھی اس نے، میں نے انکار کر دیا تھا۔ اس بات پہ وہ اشتعال میں آ گیا اور میرے گھر میں توڑ پھوڑ کی — تو میں نے غصے میں برا بھلا کہہ دیا۔ جو اس سے برداشت نہ ہوا اور میرے گھر سے نکل گیا۔ دو روز سے وہ میرے پاس نہیں تھا۔ میں سمجھا شاید آپ کی طرف چلا گیا ہو۔ مجھے کیا معلوم تھا، یہ اپنے دوستوں میں چلا جائے گا۔"

"اگر ذرا سی اور دیر ہو جاتی۔ تو جانتے ہیں، آپ کیا ہو سکتا تھا۔" دل شاد رو رہی تھیں۔ وقار احمد نے سر جھکا لیا۔

جواں سال بھائی کو بستر مرگ پہ پڑا دیکھ کر دل آویز اور دل نشیں ایک کونے میں بیٹھی سسک رہی تھیں۔

غم و فکر سے نڈھال حور بھی ان کے پاس بیٹھی تھی۔

تین روز اسی پریشانی میں گزر گئے۔ رفتہ رفتہ ولید کی طبیعت بحال ہو رہی تھی۔

آج شام کو ولید کی چھٹی ہونا تھی اور اسے گھر آنا تھا۔ وہ سوپ بنا کر ڈرائیور کے ہمراہ اسپتال پہنچی تو کمرے میں صرف ولید اور طارق تھے۔ طارق نے اس کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔ وہ اس پہ جھکا ہوا تھا۔

"مجھے بتاؤ ولید! وہ لوگ کون تھے۔ جنہوں نے تمہیں اس حال تک پہنچایا؟" طارق جذباتی ہو رہا تھا۔ ولید کی آنکھوں سے آنسو نکل رہے تھے اور وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

"تم جانتے ہو طارق! ماموں نے مجھے طعنہ دیا۔ گھر داماد بن کر عمر بھر میں ان کے ٹکڑوں پہ پلنے کے لیے آن پڑا ہوں۔"

"تم وہاں گئے ہی کیوں تھے؟" طارق کو گہرا رنج تھا۔

ولید نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"بتاؤ ولید! جب تم نے شادی خوشی کی تو پھر ایسا رویہ کیوں اختیار کیا۔ کیوں تم اپنے ہاتھوں سے اپنی زندگی اجیرن کر رہے ہو؟"

"میں ماما کو اتنا ہی دکھ دینا چاہتا تھا جتنا انہوں نے مجھے دیا۔" یہ کہتے ہوئے ولید رو رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے طارق! ماما نے جان بوجھ کر مجھے اور حور بھابھی کو سیکنڈ لائز کیا تھا۔ کیا یہ بات معمولی تھی؟ ماما نے یہ تک نہ سوچا کہ وہ اپنے ہی بچوں پر گندگی اچھال رہی ہیں۔ شیر خان نمک حرام نہیں تھا۔ اس نے ڈیرہ اسماعیل خان سے مجھے فون کیا اور مجھ سے معافیاں مانگنے لگا۔ پھر پتا ہے طارق! اس نے مجھے کیا بتایا۔ انہیں ماما نے حکم دیا تھا کہ وہ ہمیشہ کے لیے یہاں سے چلے جائیں اور زندگی بھر کبھی ادھر کا رخ نہ کریں۔ یہ راز کبھی نہیں کھلنا چاہیے کہ حور العین یہاں کب سے آئی ہوئی تھی۔ اور کیوں آئی تھی۔ یہاں وہی کچھ ہوا ہے جو میں نے کہا ہے۔ میں شیر خان کے منہ سے یہ سب سن کر گنگ رہ گیا۔ وہ رو رہا تھا۔ مجھ سے معافیاں مانگ رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کیا ماما ایسی

www.pkdigest.com

بھی ہوتی ہیں۔"
پھر اس نے آنکھیں کھولیں اور غم سے نڈھال بھائی کی طرف دیکھنے لگا۔
"کیا ماں اپنی معمولی سی خواہش پوری کرنے کے لیے کسی اولاد کے گھر میں آگ لگا سکتی ہے۔۔۔ تمہارا گھر بچانے کے لیے طارق! میں نے اس آگ کو گلے لگا لیا ہے۔۔۔ میں اس آگ میں خود جل جاؤں گا۔ لیکن تمہاری گرہستی پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔" ولید رو رہا تھا۔
طارق نے ضبطِ غم سے بھائی کے آنسو پونچھے اور دل گرفتہ لہجے میں بولا۔
"تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ میں سب کچھ جانتا ہوں۔ حور بے گناہ ہے۔ مجھے اس کی تصدیق کی ضرورت نہیں تھی۔۔۔ میری حور ایسا گناہ کر ہی نہیں سکتی۔ مجھے حور سے شکایت تھی تو بس اتنی کہ اس نے ایسا موقع فراہم ہی کیوں کیا۔ ہم سب ہی جانتے ہیں ماما اول روز سے حور سے نفرت کرتی ہیں۔ مگر ماما کی نفرت سے حور میری زندگی سے بے دخل تو نہیں ہو جائے گی۔ دیکھو ولید! تمہیں اپنا رویہ بدلنا ہو گا۔۔۔ جب میں سب کچھ بھلا سکتا ہوں۔ تو تم کیوں نہیں؟ تم ماما سے کوئی انتقام نہیں لو گے۔ وہ ہماری ماں ہیں ولید! ذرا سوچو تھوڑی دیر کے لیے سوچو۔ یہ بات حور کو پتا چل گئی تو ماما کا کتنا امیج خراب ہو گا۔ اس لیے شیر خان والی بات تم بھی کسی سے نہیں کرو گے۔ تم سن رہے ہو نا ولید! میری بات۔ میں اپنی محبت سے حور کے دل سے ساری تلخ باتیں مٹا دوں گا۔ لیکن ماما کا امیج خراب ہو' یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو گا۔"
طارق کے چہرے پہ رنج و غم کی پرچھائیاں تھیں۔ ولید حیرت سے طارق کو دیکھ رہا تھا۔ شدتِ غم سے حور کا دل پھٹ گیا۔ وہ کمرے سے باہر نکلی۔ دروازے کی آہٹ پہ دونوں نے چونک کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ حور تیزی سے نکل کر جا رہی تھی۔۔۔ اس کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو تھے اور قدم ڈگمگا رہے تھے۔ طارق تیزی سے اس کی طرف بڑھا تھا۔

اسپتال کے کوریڈور میں حور تیز تیز قدم اٹھاتی جا رہی تھی۔
"حور! رکو تو سہی۔ میری بات تو سنو۔" طارق اس کے پیچھے تھا۔ مگر حور العین رکنا تو درکنار سننا بھی نہیں چاہتی تھی۔ آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔
"میں جانتا ہوں ولید! سب کچھ۔۔۔ مگر میں ماما کو بے عزت نہیں کر سکتا۔۔۔ ولید! وہ ہماری ماں ہیں۔۔۔ انہوں نے جو کچھ بھی کیا۔۔۔ بہت برا کیا۔۔۔ لیکن وہ میرے لیے اب بھی محترم ہیں۔ اور تم۔ تم بھی۔ اس جنگ سے دستبردار ہو جاؤ۔ ہمارا وقار اسی میں ہے۔"
اس کے اعصاب پہ طارق کے الفاظ ہتھوڑے بن کر برس رہے تھے۔ وہ ہتھیلیوں سے آنسو رگڑتی سیڑھیاں اترنے لگی۔
"حور پلیز رکو تو سہی۔ میری بات سنو۔" طارق اس کے قریب پہنچ گیا۔
یک دم ہی اس کے قدم رک گئے۔ طارق کے چہرے پہ ملال ضرور تھا۔ لیکن پشیمانی ہرگز نہیں تھی۔ حور نے سرخ آنکھوں سے طارق کی طرف دیکھا۔
"میں تم سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تب تک۔" اس نے آنکھوں سے بہتے آنسوؤں کے ریلے کو ہتھیلی سے رگڑا۔ "جب تک تمہاری ماں۔۔۔ اپنے اس گھناؤنے فعل کی مجھ سے معافی نہیں مانگے گی۔"
اس کی آواز پست ضرور تھی لیکن لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ طارق چونک گیا۔
"سنا تم نے طارق! تمہاری ماں سب کے سامنے میری بے گناہی کا اعتراف کریں گی' تب ہی میرے زخم کا مداوا ہو گا۔" وہ تیزی سے کہہ کر اسپتال سے نکل گئی۔
طارق حق دق کھڑا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

آج پورے گروپ میں ہر ایک کی توجہ کا مرکز دلنشین ابراہیم تھی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کی

منگنی تھی۔ اس کے قریبی دوست اس خوشی کے موقع پر اس سے دعوت کا مطالبہ کر رہے تھے۔ وہ اس سارے ماحول سے خوب انجوائے کر رہی تھی۔۔۔ جبکہ راحیل کو گہرا دھچکا لگا تھا اور اس نے راحیل کو نیچا دکھانے کے لیے ہی اپنی منگنی کا اعلان کیا تھا۔ انگوٹھی بھی خود ہی خریدی تھی۔
راحیل کے تاثرات اس کے لیے تسکین کا سبب تھے۔۔۔ آج اس نے راحیل سے بدلہ لے لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آخر یہ خاموشی کب ٹوٹے گی؟" طارق حور کی بے رخی سے زچ ہو چکا تھا۔۔۔ حور کچھ نہیں بولی اور چپ چاپ لحاف کھول کر خود پہ پھیلانے لگی۔
"ولید گھر آیا ہے۔ تم سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ تمہاری بدگمانی دور کرنا چاہتا ہے۔"
"اس نے آپ کی بدگمانی دور کر دی۔ میرے اوپر یہ احسان ہی بہت ہے۔"
حور کا لہجہ تلخ اور رنجیدہ تھا۔ "اس سے کہنا' میں اب کسی سے بدگمان نہیں ہوں۔ میں نے آپ سے محبت کی تھی۔ اس کی سزا تو ملنا ہی تھی۔ آپ کی بے اعتنائیاں اور سرد مہری پھر یک دم کرم نوازی اور التفات مجھے تو بس اسی میں خوش ہو جانا چاہیے کہ آپ کی نظرِ کرم تو ہوئی۔۔۔ اور مجھے کیا چاہیے۔ نہ عزت' نہ وقار۔"
حور کا لہجہ آنسوؤں کی آمیزش سے بوجھل ہو رہا تھا۔ طارق چپ چاپ اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اس کے ہاتھ پہ اپنائیت و محبت سے ہاتھ رکھا تو چونک گیا۔
"تمہیں تو ٹھیک ٹھاک ٹمپریچر ہے۔" وہ اس کی پیشانی کو چھو کر بولا۔ حور نے کوئی جواب نہیں دیا۔ لحاف خود پہ پھیلا کر سر بیڈ کے سرہانے پہ ٹکا لیا اور چپ چاپ آنکھیں موند لیں۔
"چلو اٹھو' میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتا ہوں۔"

www.pkdigest.com

"میں ٹھیک ہوں۔ مجھے کہیں نہیں جانا۔" اس کی تھکی تھکی آواز ابھری تو طارق نے بے بسی سے اس کی طرف دیکھا۔

"میں جانتا ہوں۔ تم کتنی ضدی ہو۔"

"کیسی ضد اور کہاں کی ضد۔ جب لاڈ اٹھانے والے چلے جائیں تو ضدیں بھی ان کے ساتھ چلی جاتی ہیں۔" اس کی آنکھوں کے گوشے گیلے ہو رہے تھے۔ اسے شدت سے نانو یاد آ رہی تھیں۔

اس کے آنسوؤں سے طارق کے دل پہ بوجھ سا پڑا۔ وہ نادم تھا۔ مگر مجبور بھی۔ ماحول کا بوجھل پن دور کرنے کی غرض سے مسکرا کر بولا۔

"میں ہوں نا تمہارے لاڈ اٹھانے کے لیے۔" حور نے کرب سے آنکھیں بند کرلیں۔ اسے طارق کے منافقانہ رویے کا گہرا رنج تھا۔

طارق نے محبت سے اس کے آنسو اپنی انگلیوں سے سمیٹے اور گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"میں ۔ ماما کی طرف سے تم سے معافی مانگتا ہوں۔ حور! ہمیں معاف کرو۔" حور کی سماعتوں میں طارق کے لفظ کسی سیسے کی طرح پڑے تھے۔ وہ بلک بلک کر رو پڑی۔ طارق نے بڑھ کر اسے سینے سے لگا لیا۔

"مجھے ماما کے رویے کا تم سے زیادہ رنج ہے حور...! اس لیے نہیں کہ میں نے کبھی اپنی طرف سے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی بلکہ اس لیے کہ وہ میری ماں تھیں۔ ماں کا درجہ بہت بلند ہے۔ یہ ان کا ظرف تھا۔ مگر میرا ظرف گوارا نہیں کرتا کہ اپنی ماں کو پشیمان ہوتا دیکھوں۔ زندگی کا ایک برا سانحہ سمجھ کر ہمیں اس واقعہ کو بھلانا ہوگا۔"

حور طارق کے سینے سے لگ کر بلک بلک کر رو پڑی۔

☼ ☼ ☼

"چار دن ہوگئے ہیں ولید کو گھر آئے ہوئے اس سے پہلے چار دن وہ اسپتال میں رہا۔ تب ہی آپ اصباح کو لے کر نہیں آئے اور آج گھر پر بھی آئے تو اکیلے ہی چلے آئے۔"

"کیا کرے گی اصباح اس وقت آکر۔ ولید کو آرام کی ضرورت ہے۔" وقار کی لاپروائی پہ دلشاد کو دکھ ہوا۔

"مانا کہ ولید نے اصباح کے ساتھ زیادتی کی ہے۔ لیکن اصباح کا بھی تو کچھ فرض بنتا تھا۔ اس وقت اسے ولید کے پاس ہونا چاہیے تھا۔"

"دیکھو... دلشاد! تمہیں پتا ہے اصباح بہت نازک احساسات کی مالک ہے۔ وہ بہت ناز و نعم میں پلی ہے۔ ولید کے رویے سے اسے شدید دھچکا لگا ہے۔ فی الحال تم اصباح کا ذکر نہ ہی چھیڑو تو اچھا ہے۔"

"صاف کہوں بھائی جان! آپ نہیں چاہتے اصباح، ولید کی خدمت کرے۔ کیونکہ آپ ولید کو اس لائق ہی نہیں جانتے کہ اصباح اس کی ناز برداریاں کرے۔"

(یہ تو میری غلط فہمی تھی کہ میں نے ولید کو اصباح کے لائق جان لیا تھا۔) وقار کی چبھتی نگاہیں دلشاد سے چھپی نہ رہ سکیں۔

"کاش! مجھے پہلے پتا ہوتا تو میں ہرگز... بھی... یہ رشتہ نہ جوڑتا۔"

وقار نے پچھتاوے سے مکا ہتھیلی پہ مارا۔ دلشاد سے برداشت نہ ہوا۔

"ایسی کون سی قیامت آگئی بھائی جان! لڑکیوں کو بہت کچھ سہنا پڑتا ہے۔ میری دل آویز کو لے لیں۔ کتنے ناز و نعم میں پلی تھی۔ مگر سسرال میں کیا کچھ نہیں سہہ رہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اسے یہیں بٹھالیں۔ آپ نے تو حد کردی۔ ابراہیم کیا کیا طعنے نہ دیں گے۔ آپ خود سوچیں۔ کس قدر شرمندگی کا سامنا ہے مجھے۔" دلشاد رونے لگیں۔ وہ جذباتی بلیک میلنگ سے بھائی کو قابو میں کرنا چاہ رہی تھیں۔

وقار سنجیدگی و متانت سے بولے۔

"پورے تین سال سے بیٹھی ہے دل آویز آپ کی چوکھٹ پر۔ کسی بھی بات سے بے خبر نہیں ہوں میں اور جب اس کے گھر کے حالات سدھر گئے تب ہی آپ نے اسے بھیجا۔ اصباح بھی آجائے گی۔ ہماری تو آپس کی ہی بات ہے۔ آپ اصباح کی فکر چھوڑیں۔ ولید کی عادتوں پہ توجہ دیں۔"

وقار خشک سے انداز میں کہہ کر اٹھ گئے تو دلشاد کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

کتنا ارمان تھا انہیں اصباح کو بیاہ کر لانے کا ولید تو تھا ہی برا، آوارہ اور غیر ذمہ دار۔ لیکن تھوڑا سا صبر کرلیتی تو کون سا عذاب آجاتا۔ آخر ہم بڑے بیٹھے ہی تھے۔ اصباح سے کئی درجہ بہتر تو حور ہے جس نے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر بات نہیں نکالی۔ کیا کچھ نہیں ہوا اس کے ساتھ۔ مگر اس کے قدم اس گھر سے باہر نہیں نکلے۔ حالانکہ اس کا بھی باپ زندہ ہے۔ اس کے والد بھی اسپتال میں ولید کی احوال پرسی کرنے آئے تھے۔ پھر شادی میں بھی شریک ہوئے ہیں... ان کے کسی بھی عمل سے کوئی رنجش ظاہر نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ حور نے انہیں اس گھر کی کوئی بات نہیں بتائی۔ اسے میرے طارق سے اتنی محبت ہے کہ وہ اس کے لیے زہر کا پیالہ بھی چپ چاپ پی جائے گی۔

دلشاد کو دل ہی دل میں اس کی محبت پہ رشک آیا تھا۔

جبکہ اصباح... اصباح نے ہماری محبت کو محسوس ہی نہیں کیا۔ کتنا چاہتی تھی میں اصباح کو... صرف اصباح کی وجہ سے طارق سے زیادہ ولید کی شادی دھوم دھام سے ہوئی۔ کیا یہ نمایاں تبدیلی بھائی جان اور بھابی کو نظر نہیں آئی۔ کیسے طعنہ دے گئے بھائی جان کہ میری بیٹی تین سال میری چوکھٹ پہ بیٹھی رہی ہے۔ آہ! غیروں نے طعنے نہ دیے پر اپنوں نے... روح لہولہان کردی۔ دلشاد پچھتاووں کا شکار ہو رہی تھیں تب ہی دل آویز اور دل نشین کمرے میں داخل ہوئیں۔ طارق بھی پیچھے آگیا۔

"ماما! ہم سوچ رہے تھے ہم اصباح سے ملنے چلے جائیں۔"

"کیوں؟؟" دلشاد کی یکدم تیوریاں چڑھ گئیں۔

"ماما! ایسے ہی۔" دل نشین نے بے نیازی سے کاندھے اچکائے۔

"کوئی نہیں جائے گا" اس سے ملنے اسے تو پروا نہ ہوئی کہ آکر شوہر کی خبر گیری کرے۔ کیا ہوا ہے اسے جو تم اسے پوچھنے جا رہی ہو۔" دلشاد کا رویہ دونوں بہنوں کے لیے حیران کن تھا۔

"یہ ٹھیک کہہ رہی ہیں ماما! انہیں ماموں کے گھر جانے دیں۔"

"دماغ خراب ہوگیا ہے طارق! تمہارا... میں نے وہاں بیٹا بیاہا ہے بیٹی نہیں۔ شوق سے رکھیں بھائی جان اپنی بیٹی کو۔ اب میں بھی بھی..."

"ماما پلیز۔" طارق نے احتجاج کیا، پھر جھنجلا کر بولا۔

"پلیز ماما... ! ہم نے ولید کا ناتا ماموں کے گھر نبھانے کے لیے جوڑا تھا۔ توڑنے کے لیے نہیں... جب تک ولید کی طبیعت ٹھیک نہیں ہو جاتی یہ لوگ ادھر آتی جاتی رہیں تو اچھا ہے۔ اس طرح اصباح کو احساس ہوگا کہ ہم اس کے ساتھ ہیں۔"

طارق کی بات پہ دلشاد بیخ پا ہو گئیں۔ "اصباح کو ہماری کون سی پروا ہے۔ ولید کی تو وہ شکل ہی نہیں دیکھنا چاہتی۔ میرا ہی بیٹا نالائق تھا جو مجھے سر جھکانا پڑ رہا ہے۔ ورنہ بھائی جان کی کتنی خواہش تھی میرے گھر رشتہ کرنے کی کیا میں جانتی نہیں۔"

"آپ اس طرح جذباتی ہوں گی تو ولید اور بھی بدظن ہو جائے گا۔" طارق ماں کو سمجھا رہا تھا۔ "ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں۔ آپس کی رشتہ داری میں تنازعہ ہوگا تو پورے خاندان میں بات پھیلے گی۔ آپ انہیں اصباح سے ملنے جانے دیں۔ ہو سکتا ہے ان لوگوں کے آنے جانے سے ماموں اور ممانی کے خیالات تبدیل ہو جائیں۔"

طارق نے بالکل صحیح مشورہ دیا تھا۔ لیکن دلشاد کے دل سے بھائی کا وہ رویہ نہیں مٹ رہا تھا۔ جس کی وجہ سے ولید اس حالت کا شکار ہوا تھا... انہوں نے ولید کو بے عزت کر کے گھر سے نکالا تھا۔ اگر ولید کو زیادہ نقصان پہنچ جاتا تو اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟

وہ طارق پہ بگڑ گئیں۔

www.pkdigest.com

"طارق! تم ہر ایک کی وکالت نہ کرو۔ مجھ میں بھی کم عقل ہے۔ میں خوب جانتی ہوں اپنے بھائی کو۔ دیکھ لوں گی۔"

طارق زچ سا ہو کر کمرے سے نکل گیا۔ باہر نکلا تو باپ سے ٹکراؤ ہو گیا۔

ابراہیم صاحب کے چہرے پہ عجیب سی مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنی اسٹڈی میں چلے گئے تو طارق بھی الجھتا ہوا سا ان کے پیچھے پیچھے آ گیا۔

"کیوں خوامخواہ اپنا وقت اور انرجی ضائع کر رہے ہو طارق!"

ابراہیم صاحب نے لاپروائی سے کتاب کھولی اور راکنگ چیئر سے ٹیک لگالی۔

"یہ سب کچھ تو ہونا اور ایسا ہوا۔ چلو ہو گیا۔ تمہاری ماں کی سمجھ میں سیاہ و سفید کا فرق تو آئے گا۔ کچھ ان کے بھائی صاحب سمجھا دیں گے۔ اور کچھ بیٹا۔۔۔ اور ہاں۔ بھتیجی میں بھی گن ہیں۔۔۔ ذرا اسے یہاں آ کر بسنے تو دو۔۔۔ حور کی قدر آجائے گی ان لوگوں کو۔" باپ کے خیالات پہ طارق گم صم سا ہو گیا۔

"حور العین میرا انتخاب تھی نا۔ اس لیے بری تھی۔ وہ سر کے بل بھی کھڑی ہو جاتی تو تاعمر بری ہی رہتی۔ اس لیے میں نے تمہاری ماں کو موقع دیا کہ وہ بھی اپنا انتخاب آزمائیں۔ دو ہی دن میں مزہ چکھ لیا ہے نا۔"

ابراہیم صاحب نے کتاب میز پہ ڈال دی اور پشت سے ٹیک لگا کر بولے۔

"میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اس مسئلہ کو تمہاری ماں ہی حل کریں گی اور تم طارق درمیان میں نہیں پڑو گے۔"

ان کا لہجہ حتمی تھا۔ طارق حیرانی سے باپ کو دیکھ رہا تھا۔

"کم آن طارق مطمئن رہو۔ اب میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔ حور اب کبھی کسی سازش کا شکار نہیں ہو گی۔"

ان کے الفاظ تھے یا حور کی گواہی کا پروانہ۔۔۔ طارق کے حواس گم ہونے لگے۔

"میں کبھی حور العین سے بدگمان نہیں ہوا۔۔۔ اب مجھے دکھ ہے حور اس سازش کا شکار ہوئی۔ صرف اپنی نادانی کی وجہ سے۔۔۔ خیر۔۔۔ یہ ایک بھیانک خواب تھا۔ جسے ہم بھلا چکے ہیں۔ اور تم بھی بھلانے کی کوشش کرو۔"

انہوں نے طارق کا کندھا تھپتھپایا تو طارق پہلی بار بولا تھا۔

"مگر اس بھیانک خواب کو وہ تو نہیں بھولتی۔"

"بھول جائے گی۔ وقت کے ساتھ ساتھ۔۔۔ تمہاری محبت اور توجہ۔ اسے یہ سب کچھ بھلا دے گی۔"

ابراہیم صاحب نے اطمینان سے بیٹے کو یقین دلایا۔۔۔ تو طارق۔۔۔ پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

"کیا سچائی آپ پہ بھی کھل گئی ہے؟" بیٹے کی بات پہ ابراہیم صاحب کے چہرے پہ پُر تاسف سی مسکراہٹ آئی اور معدوم ہو گئی۔

"کسی بھی سچائی اور گواہی کی ضرورت تمہیں ہو گی طارق! مگر مجھے نہیں۔۔۔ مجھے حور پہ مکمل بھروسا تھا۔ ہے اور رہے گا۔ اس کے باوجود میں نے خاموشی صرف اس لیے اختیار کی۔۔۔ کہ مجھے تمہاری ماں کے رویے نے گہرے رنج میں مبتلا کر دیا تھا۔۔۔ اگر میں حور کے کردار کی صفائی دیتا تو تمہارے اس کے درمیان شاید اختلافات نہ ہوتے۔ البتہ تمہاری ماں کی حور سے دشمنی بڑھ جاتی۔" وہ تھکے تھکے سے لہجے میں بولے تو طارق آہستگی سے بولا۔

"مگر حور کہتی ہے کہ ماما اس کی بے گناہی کا اعتراف کریں گی۔ وہ تب ہی اس گھناؤنے واقعے کو بھلا سکے گی۔۔۔ اب آپ ہی بتائیں، میں ماما کو کیسے ڈیفینڈ کروں۔"

طارق کی بات پہ ابراہیم گہری سوچ میں مبتلا ہو گئے۔

ان کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"آئے دن اخبارات ایسی خبروں سے بھرے پڑے رہتے ہیں نہ جانے والدین اور خصوصاً "مائیں اس قدر غافل کیوں ہیں۔ اپنی اولاد سے جب پانی سر سے گزر جاتا ہے تب واویلا مچانے لگتے ہیں۔ یہ دیکھیں یہ لڑکی... معمولی خاندان کی نہیں ہے۔ اب گھر بیٹھے بٹھائے تو گینگ ریپ نہیں ہو گیا اس کے ساتھ۔ لڑکی کے بڑے لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوں گے۔ تو یہ معاملہ اس سطح پہ پہنچا ہے۔ اخبار والوں کو موضوع مل جاتا ہے بیٹی کی آبرو تو واپس نہیں آسکتی۔"

مسز باسط نے غیر دلچسپی سے اخبار ایک طرف پھینک دیا۔ پھر گم صم بیٹھی دلشاد کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔

"کیا بات ہے مسز ابراہیم! آپ آج بہت چپ چپ سی لگ رہی ہیں۔"

دلشاد نے سرسری سی نگاہ مسز باسط پر ڈالی۔ پھر کہنے لگیں۔ "میں اپنے بیٹے کی وجہ سے ڈسٹرب ہوں۔"

"کیا ہوا اس کی طبیعت ابھی تک نہیں سنبھلی؟"

"طبیعت تو اس کی پہلے کی نسبت بہت بہتر ہے۔ لیکن..." دلشاد نے بات ہونٹوں میں ہی روک لی۔ وہ اپنے گھریلو افیئرز اپنی کولیگز سے ڈسکس نہیں کرتی تھیں۔ اسی وجہ سے کسی کو یہ بھی نہیں پتا تھا کہ ان کا بیٹا تو خود بے راہ روی کا شکار ہے۔ جس کی وجہ سے اس کی نوبیاہتا بیوی میکے میں بیٹھی ہے۔ اس مسئلے کا حل دلشاد کو کہیں بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ طارق اور ابراہیم کی دلچسپی بھی اس معاملے میں صفر تھی۔

تب ہی تنظیم کی دوسری خواتین کمرے میں آگئیں اور مسز باسط ان سے باتوں میں لگ گئیں۔ دلشاد الجھی ہوئی تھیں۔ ولید نے آج بات ہی ایسی کی تھی۔ جو ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھی۔

"یہ دیکھیں مسز ابراہیم! یہ ہے ہمارے سیمینار کا موضوع۔" انہوں نے دلشاد کے سامنے ایک فائل رکھی۔

"آزاد میڈیا کے دور میں فلاحی تنظیموں کے کردار، مظلوم خواتین کو کیش کرکے کچھ تنظیمیں خود کو اور میڈیا کو فائدہ پہنچا رہی ہیں۔ ان ہی حالات کی حوصلہ شکنی کے لیے ہماری تنظیم گرلز اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں میں ایسے موضوعات پر پروگرام منعقد کرائے گی۔ جس سے نوجوان نسل آگہی بھی حاصل کرے اور عبرت بھی۔ اپنے خیالات و افکار کے لحاظ سے یہ ملک کی واحد تنظیم ہوگی۔ جو بگڑنے سے قبل اس قوم کی بیٹیوں کو سنوارے گی۔ اور ان چہروں کی نشان دہی کرے گی جو نئی نسل کو برائی کی طرف لے جارہے ہیں۔ اور جن میں سرفہرست ہے کیبل، انٹرنیٹ اور موبائل فون۔" مسز باسط نے فائل بند کردی۔ اور بولیں۔ "آپ لوگ دیکھیے گا کتنی جلدی ہماری تنظیم ملک میں نمایاں مقام حاصل کرلی ہے۔ اور کوئی بعید نہیں یہ سیمینار اس قدر پسند کیے جائیں کہ ٹی وی چینل پر بھی ان کی کوریج ہونے لگے۔"

دلشاد بھی اس حکمت عملی پہ مسکرائی تھیں۔

مسز باسط اعلا تعلیم یافتہ اور باصلاحیت خاتون تھیں اور یہ تنظیم انہی کے سرپرستی میں چل رہی تھی۔ ان کی حکمت عملیوں نے تنظیم کی خواتین کو ہمہ وقت سرگرم عمل کردیا تھا۔

☼ ☼ ☼

یونیورسٹی میں سالانہ تقریبات منعقد کی جارہی تھیں۔ ملک کے معروف سنگرز گروپ کی آمد نے پوری یونیورسٹی میں کئی روز سے ہلچل مچا رکھی تھی۔

آج اس تقریب میں ہر ایک کی تیاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ دل نشین گھر سے تو قمیص شلوار ہی پہن کر آئی تھی... لیکن یہاں آکر اس نے ٹاپ اور جینز پہن لی تھی۔ جو وہ اپنے ہینڈ بیگ میں رکھ کر لائی تھی۔

برہنہ بازوؤں پہ لڑکیاں ٹیٹو بنوا رہی تھیں۔ وہ بھی اپنی دوستوں کے ہمراہ اس اسٹال پر آگئی تھی جہاں سب سے زیادہ رونق تھی۔ اس رونق میں دو آنکھیں اسے بڑی محویت سے تک رہی تھیں۔

یہ شکیل باجوہ تھا۔ وہ نظر انداز کرکے وہاں سے نکل گئی اور یہ بھول گئی شکیل باجوہ نے اسے قمیص شلوار میں داخل ہوتے دیکھا تھا۔ اس نے کپڑے کہاں چینج کیے اور اب وہ جائے گی تو اپنا لباس تبدیل کرکے جائے گی۔

شکیل نے اپنے ساتھیوں کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا۔ شکیل کا ایک ساتھی سائے کی طرح دل نشین کے گروپ کے ساتھ ساتھ تھا اور وہ صرف شکیل ہی نہیں دل نشین کا بھی تو دوست تھا۔

فنکشن کے اختتام پہ اس نے کپڑے ہر صورت میں بدلنا تھے اور وہ جگہ کون سی ہو سکتی تھی۔ یونیورسٹی کے باتھ روم۔ آڈیٹوریم ہال کا ڈریسنگ روم۔ یا کوئی بھی کلاس روم۔

☼ ☼ ☼

رات دیر سے سونے کی وجہ سے وہ دوپہر میں سو کر اٹھی تو گھر میں غیر معمولی چہل پہل تھی۔ عباد کے گھر والے یعنی اس کی والدہ اور بہنیں آئی ہوئی تھیں۔ تھوڑی دیر میں عباد کی دونوں بہنیں اس کے پاس آگئیں۔ وہ شرمندگی سے بستر سے اٹھ گئی۔ ان سے ملی اور منہ ہاتھ دھونے کی غرض سے واش روم میں جانے لگی تو اس کے موبائل کی بیل بجی تھی۔

فون جو اٹھایا تو مس کال تھی۔ مس کال کے فوراً بعد ہی اسے میسج ریسیو ہوا۔ اور میسج دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین سرک گئی۔ اور چھت سر پر آن پڑی۔ ٹاپ اور جینز میں اس کی تصویر موبائل اسکرین پر جگمگا رہی تھی۔ رات کا فنکشن اس کی آنکھوں کے سامنے آگیا۔ بہ وقت تمام خود کو سنبھالتے کپکپاتے وجود کے ہمراہ وہ واش روم میں گھس گئی۔ اور اس میسج کو ڈیلیٹ کردیا۔ فی الحال تو اسے بس یہی سوجھ سکا تھا۔ ابھی کچھ میسج ڈیلیٹ ہی کیا تھا کہ دوسری پھر اسکرین پہ چمکنے لگی۔ وہ تصویر تھی یا قیامت اس کے ہاتھ سے موبائل چھوٹا لیکن پاش پاش نہ ہوا۔

اس کی برہنہ تصویر اسکرین پہ جگمگا رہی تھی۔ دل نشین نے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ لیا اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

نجانے کتنی دیر وہ سکتے کی حالت میں رہتی کہ باہر سے دروازہ بجنے لگا۔ کوکب اور عمرانہ اس کی ہونے والی نندیں اسے باتھ روم میں دیر لگانے کو شرارت سمجھ رہی تھیں۔

"دل نشین! بھئی یہ کیسا مذاق ہے۔ ہمیں کمرے میں بٹھا کر تم واش روم میں جاکر بیٹھ گئیں۔ اگر تمہارا وہاں دل لگ رہا ہے تو ہم بھی آجاتے ہیں۔" وہ دونوں ہنس رہی تھیں اور دل نشین کی جان پہ بن رہی تھی۔

کئی روز ہوگئے تھے۔ پھر اسے نہ کوئی میسج اور نہ ہی کوئی مس کال، وہ بہت پریشان تھی۔ آخر یہ حرکت کون کرسکتا ہے؟ وہ چاہتے ہوئے بھی اس واقعہ کو بھلا نہیں پا رہی تھی۔ فنکشن کے بعد جب وہ پہلی بار یونیورسٹی گئی تو اسے لگا جیسے ساری آنکھیں اسے برہنہ دیکھ رہی ہیں۔ وہ ڈری ڈری نگاہوں سے چاروں جانب دیکھ رہی تھی کہ شکیل باجوہ اس کے سامنے آگیا۔

"ہائے دل نشین!" وہ اچھل پڑی۔ پھر خود کو سنبھال کر ایک طرف ہوگئی۔

"فنکشن والے روز تم بہت خوبصورت لگ رہی تھیں۔ پھر نہ جانے بعد میں تم نے کپڑے کیوں تبدیل کرلیے تھے۔" یہ کہہ شکیل نے قہقہہ لگایا اور اس کے سامنے سے چلا گیا۔ دل نشین جہاں کی تہاں کھڑی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"کہاں جارہے ہو ولید؟" اسے تیار ہو کر گھر سے نکلتا دیکھ کر دلشاد نے راستے میں روک لیا۔

"میں پہلے بھی بنا بتائے آتا جاتا تھا اور اب بھی آپ سے یہی گزارش کروں گا کہ میرا راستہ نہ روکا کریں۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے۔ تمہارا راستہ روکوں۔ میں تو

یہ جاننا چاہتی تھی کہیں تم اصباح کو لینے کو نہیں جا رہے؟"

"ایک بات سے آپ مطمئن ہو جائیں۔ میری زندگی میں اصباح کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ لیکن...!" یہ کہتے ہوئے وہ دلشاد کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

"لیکن۔۔۔ وقار احمد۔۔۔ میری حیثیت اور اہمیت کو چیلنج کر چکے ہیں۔ اور اب مجھے انہیں۔۔۔ جواب لوٹانا ہے۔" دلشاد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"تو تم بھائی جان کی طرف ہی جا رہے ہو؟"

"خدا کے واسطے ولید! میری عزت کا جنازہ مت نکالو۔ میں بھائی جان کی منت سماجت کر کے اصباح کو لے آؤں گی۔"

"میں بے وقوف نہیں ہوں ماما! اور آپ منت سماجت کیوں کریں گی۔ وقار احمد خود اپنی بیٹی کو چھوڑ کر جائیں گے۔" وہ بے رحمی سے مسکرایا تو دلشاد اس کے پاگل پن سے خوفزدہ ہو گئیں۔

"میں اپنے بھائی کی فطرت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ اگر تم نے ان سے بدتمیزی کی تو وہ اس معاملے کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیں گے۔"

"انا!" ولید ہنس پڑا۔ (اصل میں یہ جنگ انا کی ہی تو ہے) "آپ کیا سمجھتی ہیں۔۔۔ کیا اب انہوں نے اس معاملے کو انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ وہ کون ہوتے ہیں یہ بات کہنے والے۔ ولید سدھرے گا تو ان کی بیٹی ولید کے ساتھ زندگی گزارے گی ورنہ نہیں۔"

"ان کا مطالبہ ناجائز بھی نہیں ہے ولید! اگر تم نے یہ سب کچھ کرنا تھا۔ تو مجھے دھوکے میں کیوں رکھا۔ ایک طرف تم اصباح کی زندگی سے کھیل رہے ہو اور دوسری طرف تم نے میری عزت کا جنازہ نکال رکھا ہے۔"

"عزت۔۔۔" اس نے لفظ دانتوں میں چبایا۔

"عزت۔۔۔ صرف آپ کی ہی ہے۔۔۔ میری عزت نہیں تھی۔" ولید بھڑک گیا۔ "کس طرح آپ نے ایک مقدس اور حساس رشتے کو گندگی میں لپیٹا اور آج تک آپ کو اپنے جرم کا، اپنے گناہ کا احساس بھی نہیں ہوا۔ آپ تو اپنی زندگی میں مگن ہو گئیں۔ مگر آپ کو احساس ہے کہ میں دن رات کیسے جلا ہوں۔ اس الزام پہ میری غلطی کا ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ زیادہ دیر اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتیں ماما! رانی اور شیر خان نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے کہ آپ نے انہیں روپوش ہونے کا حکم دیا تھا۔"

دلشاد کے سر پر بم پھٹا تھا۔

"آپ کو حور العین سے نفرت تھی۔ مجھ سے تو نہیں۔"

دلشاد یکدم خجالت و خفت سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

"میں طارق نہیں ہوں ماما! جو یہ سب کچھ بھول جاؤں گا۔ نہ میرے اندر اتنا ظرف ہے۔ میری وقار احمد سے کوئی دشمنی نہیں۔۔۔ میں نے تو اصباح سے شادی ہی اس لیے کی تھی کہ آپ کو آپ کی غلطی کا احساس دلا سکوں۔"

وہ بے رحم انداز میں ماں کو جتا رہا تھا۔ پھر وہ ایک منٹ بھی دلشاد کے سامنے نہیں رکا اور وہاں سے باہر نکلتا چلا گیا۔ دلشاد کو لگا جیسے ان کے پورے وجود کا دم نکل گیا ہو۔ وہ بے جان ٹانگوں سے خود کو سنبھالتی وہیں صوفے پہ ڈھیر ہو گئیں۔ شرمندگی و ندامت کا پسینہ ان کی پیشانی پر چمک رہا تھا۔

ولید نے مجھ سے بہت بڑی چال چلی ہے۔ اگر اصباح درمیان میں نہ ہوتی تو یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا لیکن اب یہ کسی کی عزت کا خیال نہیں کرے گا۔

دلشاد کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ گئیں۔ تو گویا اس روز۔۔۔ ولید نے رانی اور شیر خان کا ذکر یونہی نہیں چھیڑا تھا۔ دلشاد نے ایک بار پھر پسینہ اپنے چہرے سے صاف کیا تھا۔

دل نشین یونیورسٹی نہیں جا رہی تھی۔ وہ دوہری کیفیت کا شکار تھی۔ آیا ماما کو بتائے یا چھپائے، چھپانے سے مسئلہ بڑھتا جا رہا تھا۔ اس نے کئی دن تک فون آف کیے رکھا، لیکن جب کھولا تو پھر یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور باقاعدہ دھمکیوں کے ساتھ اگر اس نے

فون یا سم بند کر دی تو وہ یہ تصاویر اس کے گھر والوں تک پہنچا دے گا۔ اس بات سے وہ اس قدر خوف زدہ ہو گئی تھی کہ اس کی راتوں کی نیندیں اور دن کا چین غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ اسے کوئی راستہ نہ سجھائی دیتا تھا۔ تب ہی دلشاد اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"مجھے ولید نے دن رات کی اذیت میں مبتلا کر رکھا ہے۔ مجال ہے جو کسی اور طرف دھیان بھی ہونے دے۔"

"باجی چاہ رہی تھیں تمہاری اور عباد کی ایک ملاقات ہو جائے۔"

"میری!" دل نشین کو تعجب ہوا۔

"ہاں۔ تمہاری اور عباد کی ملاقات ہونا بھی چاہیے، میں نے تمہارے بابا سے ذکر کیا تھا۔ انہیں تو بہت اچھی لگی۔ عباد کی ایسی سوچ۔۔۔ کہہ رہے تھے کوئی دن رکھ لیتے ہیں، عباد کو بھی ڈنر پر انوائیٹ کرتے ہیں۔ میں نے کہا پہلے میں دلشی سے پوچھوں گی۔ تم بتاؤ۔ تمہاری کیا رائے ہے؟"

"ہم۔۔۔ میری رائے؟" دل نشین کے احساسات عجیب سے ہو رہے تھے۔

"ہاں۔ دلشی! تمہاری رائے، کیونکہ زندگی تمہیں گزارنی ہے۔ ہم نے نہیں۔ عباد تمہاری رائے جاننا چاہتا ہے۔ پھر تم تو ایجوکیشن حاصل کر رہی ہو۔ وہ تمہارا کزن بھی ہے۔۔۔ تمہیں تو کسی بھی قسم کی گھبراہٹ نہیں ہونی چاہیے۔"

"مگر۔۔۔ ماما۔۔۔!" دل نشین کی گھٹن بڑھنے لگی۔

"ماما! فی الحال تو میں عباد سے نہیں مل سکتی۔"

"مگر۔۔۔ کیوں۔۔۔؟"

"پتا نہیں۔۔۔ فی الحال میں بہت ڈسٹرب ہوں۔ نہ جانے وہ میرے بارے میں کیا رائے قائم کرے۔"

دل نشین کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ دلشاد نے چونک کر دیکھا اس کا چہرہ مرجھا رہا تھا اور آنکھیں بھی سوج رہی تھیں۔

دلشاد یہی نتیجہ اخذ کر سکیں۔ شاید ایگزیم کی وجہ سے وہ آج کل ڈسٹرب ہے۔ "اس سے قبل تو تم نے بھی امتحانوں کو خود پہ سوار نہیں کیا۔ تمہارا حلیہ کیسا عجیب ہو رہا ہے۔"

دل نشین سوچنے لگی۔ اگر ماما نے زیادہ استفسار کیا تو انہیں ابھی بتا دے گی۔ لیکن حسبِ معمول دلشاد کا فون بج گیا۔ اور وہ بات کرتے کرتے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ شاید فون ان کی کسی کولیگ کا تھا۔ دل نشین بے چینی سے انگلیاں مروڑنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس کا سیل فون مسلسل بج رہا تھا۔ لیکن اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ اٹینڈ کر سکے۔ یہ وہی فون کال تھی جو اسے مسلسل پچھلے کئی روز سے بلیک میل کر رہی تھی۔ تھک ہار کر اس نے فون اٹینڈ کر لیا۔

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم راحیل کے گھر گئی تھیں۔"

دل نشین کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پھر بھی وہ ڈپٹ کر بولی۔

"تم کون ہوتے ہو میری جاسوسی کرنے والے؟"

"راحیل ہمارا ہی کارندہ ہے۔ اور یہ جو سب کچھ ہم تک پہنچا، صرف راحیل کی بدولت۔"

اس انکشاف نے دل نشین کے پیروں تلے زمین کھینچ لی۔

"وہ بھی بے چارہ کیا کرتا۔ خود جو پھنسا ہوا تھا۔" یہ کہہ کر شکیل باجوہ نے قہقہہ لگایا۔

کل وہ راحیل سے سارا معاملہ ڈسکس کر کے آئی تھی۔

راحیل نے اسے تسلی دی تھی۔ وہ اسے اس مصیبت سے نکالنے کی ہر ممکن کوشش کرے گا اور اس کا صرف یہی حل ہے کہ اس شخص سے ملنا ہو گا اور وہ بھی اب یہی شرط رکھ رہا تھا۔

"آخر تم چاہتے کیا ہو مجھ سے؟" وہ زچ ہو کر رو پڑی تھی۔

"صرف ایک ملاقات، ایک بہت خاص ملاقات، بہت تنہا اور ساری عمر یاد رہ جانے والی ملاقات۔"

دل نشین اتنی نا سمجھ نہیں تھی کہ اس بات کا مطلب نہ سمجھتی۔

"دیکھو۔۔۔ میں تم سے اکیلے میں نہیں مل سکتی۔ تم میری تصویریں واپس کر دو۔۔۔ تم جانتے ہو میری ماما۔۔۔ این جی او میں ہیں تمہیں پریس میڈیا میں لے آئیں گی۔۔۔ اور تمہارے عزائم دھرے کے دھرے رہ جائیں گے۔"

شکیل باجوہ ہنس پڑا۔ "بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہو گا میری فکر نہ کریں۔ محترمہ! کچھ اپنے بارے میں بھی سوچیں۔ کتنی شرمندگی ہوگی تمہاری مدر کو یہ جان کر۔ جس مشن پہ وہ کام کر رہی ہیں۔ وہ ان کے گھر میں ہی ناکام ہو گیا ہے۔ کیا حیثیت رہ جائے گی۔ اپنی کولیگز اور پریس کی نظروں میں ان کی اور پھر آپ۔ آپ تو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں رہیں گی۔ پتا ہے تمہارا ایک بھائی ہمارے جیسے شوق رکھتا ہے۔ اگر یہ تصویریں اڑ کر اس کے فون میں چلی گئیں۔ تو وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔"

"شٹ اپ!" کانپتی آواز سے چلائی۔ اس کی ٹانگیں بے جان ہو رہی تھیں۔ مگر شکیل باجوہ خاموش نہیں ہوا۔ اسے مسلسل ٹارچر کر رہا تھا۔

"اور تمہارا منگیتر جس کے نام کی تم انگوٹھی پہنے پھر رہی ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرے گا کہ تم سے انگوٹھی واپس لے لے گا۔ البتہ خاندان میں بات ضرور پھیل جائے گی۔"

قہقہہ لگا کر اس نے فون بند کر دیا۔ دل نشین سناٹے میں آ گئی۔

"طارق۔ طارق۔ بھائی!" اس کے کپکپاتے ہونٹوں سے نکلا اور آنسو آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ وہ بہت دیر تک روتی رہی۔ طارق کی نصیحتیں اور پابندیاں یاد آ رہی تھیں۔ پھر ماما۔ پاپا کا طارق کے ساتھ زیادتی کرنا اور طارق کا اس سے لاپروا ہو جانا اگر ایسا نہ ہوتا تو سب سے پہلے وہ طارق بھائی کا ہی دروازہ کھٹکھٹاتی۔ کیونکہ اس میں برداشت' دوراندیشی اور مصلحت سب سے زیادہ تھی۔۔۔ مگر اس نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے اپنے سے بڑے محسن کو خود سے دور کر دیا تھا۔ صرف آزادی کی خاطر اور آج وہی آزادی۔ اسے زہریلے سانپ کی مانند ڈس رہی تھی۔

"میں اپنی فیملی پہ اپنی عزت پہ آنچ نہیں آنے دوں گی۔ میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ چپ چاپ جان دے دوں گی۔" اسے اس کے علاوہ کوئی محفوظ راستہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اپنی ماں کے کمرے میں گئی۔ بیڈ کی سائیڈ کی دراز کھولی اور خواب آور گولیاں اٹھا لیں۔ ابھی اس نے دراز بھی بند نہیں کی تھی کہ دلشاد کمرے میں داخل ہوئیں۔ دل نشین حواس باختہ ہو کر مڑی۔

"تم اس وقت یہاں۔ کیا کر رہی ہوں؟" دلشاد نے حیرانی سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ دل نشین نے ہاتھ پیچھے کر لیے۔ وہ چونک گئیں۔ دل نشین کا چہرہ' آنکھیں اور حرکات غیر معمولی نہیں تھیں کیا بات ہے دلشی؟" وہ اس کی طرف بڑھیں۔

"پلیز ماما! وہیں رک جائیں۔" دل نشین رو رہی تھی۔ "میں اپنی جان دے دوں گی۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ اس کے عزائم پورے نہیں ہونے دوں گی۔ وہ مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے وہ یہ تصاویر میرے باپ' بھائیوں تک پہنچا دے گا۔ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے ماما! میں تو اسے جانتی تک نہیں۔" دل نشین ہسٹریائی انداز میں کہتے ہوئے شیشی سے ساری گولیاں ہتھیلی میں ڈالیں پھر منہ میں ڈال لیں۔ دلشاد حواس باختہ کھڑی تھیں۔ پھر جیسے ان کے حواس جاگے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پہ تھپڑ مارا اور اس کے بعد کئی تھپڑ۔ دل نشین کچھ گولیاں نگل چکی تھی اور کچھ دلشاد نے اگلوائیں۔

☼ ☼ ☼

اگر دل نشین وہ ساری ٹیبلیٹ کھا لیتی تو ممکن ہی نہیں تھا کہ بچ پاتی۔ پھر فوری طبی امداد نے اسے موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔

گھر میں ہر ایک سراپا سوال تھا۔ آخر دل نشین نے

خودکشی کرنے کی کوشش کیوں کی۔ دلشاد سکتے کی سی کیفیت میں مبتلا تھیں۔ وہ ہر آنکھ میں سوال تو دیکھ رہی تھیں۔ مگر کبھی زبان نہیں کھول سکتی تھیں۔

اس واقعہ نے دلشاد کو بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا۔

ابراہیم صاحب کو بیٹیوں سے بہت محبت تھی۔ وہ دل نشین کی اس حرکت کو بالکل نہیں سمجھ پائے تھے۔ دلشاد بیگم سے بارہا پوچھ چکے تھے مگر دلشاد کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

آج دلشاد کو اس ذلت کا سامنا تھا۔ جو انہوں نے حورالعین پہ تہمت اچھالی تھی۔ رات کروٹیں بدل بدل کر دلشاد کا جسم دکھ گیا۔ مگر آنکھوں میں نیند نہ آئی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔

درحقیقت آج ان کا دل اعتراف کر رہا تھا کہ وہ اچھی ماں ثابت نہیں ہوئیں۔ ساری اولاد میں طارق ان کا ہیرے جیسا بیٹا تھا۔ اگر وہ اس کی ایک خوشی کی خاطر اپنے نفرت کے جذبے پر قابو پالیتیں تو گھر کے حالات اتنے ہولناک نہ ہوتے اور آج جو کچھ ہو رہا تھا صرف ان کی ہٹ دھرمی کا نتیجہ تھا۔ وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگیں۔

"یہ حورالعین کا ہی تو صبر ہے۔ جو مجھ پہ پڑ رہا ہے۔" دلشاد کا دل گواہی دے رہا تھا۔ وہ بے چین ہو کر پھر بستر پہ آگئیں۔ دل نشین نے وہ تصاویر دل شاد کو دکھائی تھیں۔ اور ساری سچائی سے بھی آگاہ کر دیا تھا۔ اب انہیں اپنی غلطیوں کا احساس ہو رہا تھا۔ طارق نے توجہ دلائی تھی مگر انہوں نے طارق کو ہی برا بھلا کہہ کر چپ کرا دیا تھا۔ اسی وقت۔ دل نشین کا نوٹس لے لیا جاتا تو پانی سر سے نہ گزرتا۔

پوری رات آنکھوں میں کٹی تھی۔ صبح ہی صبح وہ دل نشین کے کمرے میں آگئیں۔ دل نشین سو رہی تھی۔ وہ کتنی کمزور لگ رہی تھی۔ دل آویز کی طرح۔ جس کے چہرے پہ خوشیوں کے سارے رنگ چھلکے ہی دکھائی دیتے تھے۔ دلشاد بیٹی کے سرہانے جا بیٹھیں۔

"اس طرح بلیک میل کرنے والے لوگ بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ مجھے اس مصیبت کا کوئی حل سجھائی نہیں دے رہا۔ ابراہیم، طارق یا عباد کو بتاؤں تو ان کی غیرت کیسے گوارا کرے گی۔"

انہیں مسز باسط کے الفاظ یاد آرہے تھے۔ "گھر بیٹھے بٹھائے تو گینگ ریپ نہیں ہو گیا۔ لڑکی کے برے لوگوں کے ساتھ تعلقات ہوں گے تو معاملہ یہاں تک پہنچا ہے۔ بعد میں پھر والدین واویلا مچاتے پھرتے ہیں۔"

"میں کس طرح اس واقعے کو اپنی کولیگ تک لے جا سکتی ہوں کتنی بدنامی ہوگی ابراہیم کی اور میری۔" دلشاد کا سر درد سے پھٹنے لگا تھا۔ آج وہ اپنی ہی نظروں میں خود ذلیل ہو گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

رات پھر ولید گھر نہیں آیا۔

"نجانے رات اس نے کیسے لوگوں کے ساتھ گزاری ہوگی۔ ایک بار ٹھوکر کھانے کے بعد انسان ان لوگوں کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے نقصان پہنچا رہے ہوں۔ لیکن جان بوجھ کر اب وہ انتقاماً" اپنی زندگی تباہ کر رہا ہے۔ اسے کہو گھر آجائے۔ میں نے اس سے ضروری بات کرنا ہے۔"

ستا ہوا چہرہ اور نم ناک آنکھیں۔ طارق نے فکرمندی سے ماں کی طرف دیکھا۔ اور اٹھ کر ان کے قدموں میں آکر بیٹھ گیا۔

"میں جانتا ہوں۔ ولید آپ کو بہت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ لیکن ایسا تو وہ ہمیشہ کرتا آیا ہے۔ آپ اتنا فکرمند کیوں ہو رہی ہیں۔ اسے اس کے حال پہ چھوڑ دیں۔"

وہ کتنی محبت سے دل جوئی کر رہا تھا۔ دلشاد کا دل بھر آیا۔

"تمہیں بھی تو مجھ سے گلہ ہوگا طارق؟"

دلشاد کا دل پھٹ گیا۔ وہ رونے لگیں۔ طارق پریشان ہو گیا۔ ماں کی پریشانی بے وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے

www.pkdigest.com

لگیں۔ دل نشین کی خودکشی کی کوشش کا عمل معمولی نہیں۔ لیکن جب بابا نے کہا کہ دل نشین شروع سے ہی اس رشتے کو پسند نہیں کرتی تھی۔ یہ تمہاری ماں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوا ہے تو وہ کچھ مطمئن سا ہو گیا تھا۔ لیکن اب اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ معاملہ کچھ اور ہے۔ لیکن فی الحال تو اسے دلشاد کو سنبھالنا تھا۔ جو زارو قطار رو رہی تھیں۔

"آپ خود کو سنبھالیں ماما! آخر کون سی چیز ہے جو آپ کو اتنا کمزور کر رہی ہے؟"

"حورالعین کہاں ہے۔ اسے بلاؤ طارق!" دلشاد خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھیں۔

طارق اٹھا اور پانی کا گلاس بھر لایا۔

"آپ پانی تو پئیں۔ حور گھر میں ہی ہے۔" وہ ماں کو پانی پلانے لگا۔ تو دلشاد نے ایک گھونٹ لے کر گلاس رکھ دیا۔ اور پھر کھڑی ہو گئیں۔ وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے باہر نکل آئیں۔ طارق ان کے ساتھ ساتھ تھا۔

"حور سے کوئی کام تھا آپ کو؟ میں اسے یہیں بلا لیتا ہوں۔"

طارق نے ماں کے کپکپاتے وجود کو اپنے بازوؤں کا سہارا دیا۔ تو دلشاد کچھ نہیں بولیں۔ چپ چاپ کمرے سے باہر نکل گئیں۔ لاؤنج میں ہی حورالعین نظر آگئی۔ دلشاد نے ندامت سے حور کی طرف دیکھا۔ اور پست لہجے میں بولی۔

"حورالعین! میری بات سنو۔"

آج تک دلشاد نے اسے اس طرح نہیں پکارا تھا۔ حور اپنی جگہ ٹھٹک گئی۔ پھر حیران ہوتی۔ ان کے نزدیک آگئی۔

دلشاد کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اور وہ بے چارگی و خفت سے اپنے لب کاٹ رہی تھیں۔ حور سراپا سوال بنی ان کے نزدیک آگئی تھی۔

"میں نے اس روز تمہارے ساتھ جو کچھ کیا۔ سراسر ظلم تھا۔ تہمت تھی۔ بہتان تھا۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا۔ حورالعین! مجھے معاف کر دو۔"

انہوں نے بے ساختہ دونوں ہاتھ حور کے سامنے جوڑ دیے۔ حور حق دق کھڑی رہ گئی۔ طارق نے یکدم ماں کے دونوں جڑے ہاتھ پکڑ لیے۔ دلشاد بری طرح کانپ رہی تھیں۔ اگر طارق ان کے پیچھے نہ ہوتا تو وہ شاید چکرا کر گر جاتیں۔

آج سے پہلے حورالعین کو دلشاد اتنی کمزور اتنی ٹوٹی ہوئی نہیں لگی تھیں۔

"مجھے معاف کر دو حور!" دلشاد کے لفظ تھے یا ایک بھاری پتھر۔ اس کے حواس سلب ہو گئے تھے اور سماعتیں ایک ہی لفظ کو بار بار دہرا رہی تھیں۔ "مجھے معاف کر دو حور۔ مجھے معاف کر دو۔"

حور پھٹی پھٹی آنکھوں سے دلشاد کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اس کی زبان گونگی ہو گئی تھی۔

"میں تمہیں صرف اس گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ رسوا کر کے۔ طارق کی نظروں میں ذلیل کر کے۔ لیکن آج میں خود ذلیل ہو گئی ہوں۔ میں ولید کی اور تمہاری مجرم ہوں، مجھے معاف کر دینا۔" یہ کہتے کہتے دلشاد، طارق کے بازوؤں میں ڈھیر ہو گئیں۔

ولید جو ابھی ابھی گھر میں داخل ہوا تھا۔ اسی صورت حال پہ دنگ رہ گیا۔ حور کے حلق سے چیخ سی نکلی تھی۔

"ماما! ماما!" اس نے طارق کے بازوؤں میں ڈولتی دلشاد کو سہارا دیا تھا۔

دوسرے ہی لمحے ولید دوڑتا ہوا آیا اور اس نے طارق کے ساتھ ساتھ اپنی ماں کو بھی گرنے سے بچا لیا۔

☼ ☼ ☼

"نجانے کس کی نظر لگ گئی ہے میرے گھر کو۔ ایک کے بعد ایک مصیبت دوڑے چلی آرہی ہے۔"

ابراہیم صاحب مضمحل سے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ ولید دلشاد کے بستر سے لگا بیٹھا تھا۔ وہ بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ ان کے چہرے پہ زردی کھنڈ رہی تھی۔ وہ اتنی ملول اور فکرمند صرف اس کی وجہ سے تھیں۔ وہ

وہ کھوئے کھوئے سے لہجے میں وضاحت کر رہی تھی۔

طارق اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔

اس سے قبل یہ معاملہ زیادہ پھیلتا۔ صبح سب سے پہلے اسے انسپکٹر ایاز سے مل کر اس بلیک میلنگ کی روک تھام کرنا تھی۔ جس نے پورے گھر کی عزت کو داؤ پہ لگا دیا تھا۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" حور' طارق کو گم صم پا کر پوچھنے لگی۔

طارق نے چپ چاپ کروٹ بدل لی۔ حور نے بھی لائٹ آف کر دی۔

☼ ☼ ☼

اس معاملے نے طارق کو ساری رات سونے نہیں دیا تھا۔ جب تک وہ انسپکٹر ایاز سے مل نہیں لیا۔ اس کی پریشانی دور نہ ہوئی۔ ایاز اس کا بچپن کا دوست بھی تھا جس کو سارا معاملہ بتانے کے بعد یہ بھی کہنے کی نوبت نہ آئی کہ یہ معاملہ جلد حل بھی ہو اور کسی پہ آشکار بھی نہ ہو۔ ایاز نے خود بخود ہی یقین دہانی کرا دی تھی کہ وہ اس معاملے کو بذات خود ہینڈل کرے گا۔

"سب سے پہلے تو اس نمبر کی انکوائری کرنا ہو گی جہاں سے یہ میسج آ رہے ہیں۔ پھر وہ سم بند کرانا پڑے گی۔ پھر وہاں سے ایڈریس لے کر اس بندے تک پہنچا جائے گا۔"

"بالفرض وہ سم کسی اور کے نام ہوئی تب؟" طارق نے خدشہ ظاہر کیا۔ انسپکٹر ایاز ہنس پڑا۔

"سو فیصد ایسا ہی ہوتا ہے' یہ کوئی پہلا کیس نہیں ہے۔ جو تم لے کر آئے ہو۔ آئے دن ہمیں تو ایسے معاملات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ بار بار سم بند کرا کر بھی بلیک میلنگ کا سلسلہ بند نہیں ہوتا۔ لیکن تم فکر نہیں کرو۔ مجرم تک پہنچنا ہمارے لیے مشکل نہیں ہے۔"

"مجھے اس کا سامنا نہیں کرنا۔" طارق نے بہت ضبط کیا تھا۔ "کیونکہ اتنا تو میں جانتا ہوں ایسے مجرموں کو کوئی سزا نہیں ملتی۔"

ندامت و شرمندگی سے طارق نے ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست کر لیے۔

"میں تو بس یہ چاہتا ہوں تم اپنے طور پر اس کے تمام ذرائع بند کرا دو۔ تاکہ وہ اس شر کو ہماری فیملی میں نہ پھیلا سکے۔ میں پہلے ہی اپنی بہن کا فون بند کرا چکا ہوں۔"

وہ شرمندگی سے بولا تو انسپکٹر ایاز نے اس کے کاندھے پہ تھپکی دی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ جیسا تم چاہتے ہو۔ ویسا ہی ہو گا۔"

☼ ☼ ☼

ڈاکٹر شگفتہ نے چند ٹیسٹ لکھ کر دیے تھے۔ جو فوری طور پر کرانا تھے۔ دل آویز کو نقاہت کی وجہ سے چکر آ رہے تھے۔ اول تو وہ کچھ کھاتی نہیں تھی۔ اور کھا بھی لیتی تو الٹیاں لگ جاتیں۔ دن بھر نڈھال بستر میں پڑی رہتی۔ کھڑی ہوتی تو یوں لگتا کہ ابھی گر جائے گی۔

رمیض رپورٹس لے آیا تھا۔ جس میں اس کے پریگننٹ ہونے کی تصدیق ہو گئی تھی۔ لیکن دل آویز میں ہیموگلوبین کی مقدار اتنی کم تھی کہ اسے کوئی بھی نقصان اٹھانا پڑ سکتا تھا۔

ڈاکٹر شگفتہ نے آرام اور خوراک کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا۔ اس خبر سے جہاں رمیض بہت خوش تھا۔ وہیں دل آویز بالکل گم صم ہو کر رہ گئی تھی۔

دل آویز اور اس کی ماں نے رمیض کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن آج رمیض سرخرو ہوا تھا۔ وہ دل آویز کو طعنہ دینے سے باز نہیں آیا تھا اس کی ماں نے اور اس نے اس کے متعلق کیسی کیسی افواہیں پھیلائی تھیں۔ رمیض چاہتا تھا کہ وہ یہ خبر دلشاد بیگم کو بھی جا کر دے تاکہ انہیں بھی اتنی ہی شرمندگی ہو۔ جتنا دل آویز کو ہو رہی تھی۔

دل آویز اس خبر پہ خوش نہیں تھی۔ کمزوری اور

...کے معاملے سے بے خبر تھا اس لیے خود
...الزام ٹھہرا رہا تھا۔ اس نے محبت سے ماں کے
...تھام لیے۔ تب ہی دلشاد کی آنکھ کھل
...ٹینشن کی وجہ سے ان کا بی پی شوٹ کر گیا تھا۔
...انہیں انجکشن دے کر گئے تھے۔ طارق ان کی
...لینے گیا ہوا تھا۔ دلشاد نے آنکھیں کھول کر
...ولید پہ نگاہ پڑی تو ان کی آنکھوں سے اشک
...ہو گئے۔ وہ وہی لفظ دہرانا چاہتی تھیں جو انہوں
...ے کہے تھے۔ لیکن ولید نے ان کے ہونٹوں
...رکھ دی۔
...آپ ٹھیک ہو جائیں۔ مجھے کچھ نہیں سننا۔" وہ
...کی طرح کہہ رہا تھا۔
...دل نشین کہاں ہے؟" ان کی بے چین نگاہیں بیٹی
...ڈھونڈ رہی تھیں۔
..."وہ تمہاری طبیعت کی وجہ سے بہت ڈپریس ہو گئی
...میں نے اسے اس کے کمرے میں بھیج دیا ہے۔
...ری طبیعت سنبھل جائے تو وہ یہیں آ جائے
..." ابراہیم صاحب آہستہ آہستہ کہہ رہے تھے۔
...اتنے میں حور نیم گرم دودھ کا گلاس لے آئی۔ اس
...آنکھوں میں اپنے لیے اپنائیت اور محبت کا رنگ
...ھا تو ان کا دل ایک بار پھر ندامت کے بوجھ تلے دب
...یا۔
"ماما! یہ دودھ پی لیں۔ طارق ابھی دوائیں لے کر
...رہے ہیں۔ پھر دوا لے لیجیے گا۔"
...وہ ایک ہاتھ کے سہارے سے ان کو اٹھانے لگی تو
...انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور نرمی سے اپنے
...سہارے پہ اٹھنے لگیں تو ولید نے انہیں سہارا دیا۔ وہ
...نیم دراز ہو کر بیٹھ گئیں۔
طارق کمرے میں داخل ہوا تو حور دودھ کا خالی گلاس
...لے کر کمرے سے باہر نکل رہی تھی۔ طارق چپ
...چاپ ماں کی طرف بڑھا۔ اور انہیں دوا دے کر لٹا دیا۔
...دلشاد نے آنکھیں موند لیں۔ طارق نے فکرمندی سے
...باپ کی طرف دیکھا وہ خود دل کے مریض تھے۔ اتنا دباؤ
...اور ڈپریشن ان کے لیے بھی صحیح نہیں تھا۔

"بابا۔ آپ بھی جا کر آرام کر لیں۔ ماما کے پاس ہم لوگ ہیں۔" ابراہیم صاحب تھکے تھکے قدموں سے اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اس کے بعد پھر طارق نے ولید کو بھی آرام کی غرض سے کمرے سے بھیج دیا۔ اب طارق اور دلشاد کمرے میں اکیلے تھے۔

☼ ☼ ☼

طارق رات دیر سے کمرے میں آیا تو حور فکرمندی سے جاگ رہی تھی۔ حور نے طارق کو اس سے قبل اتنا ڈسٹرب نہیں دیکھا تھا جتنا اب وہ دکھائی دے رہا تھا۔ ماں کے منہ سے سارے حالات سن کر وہ زمین میں گڑ گیا تھا۔ اگر اس کی جگہ ولید ہوتا تو گھر میں ایک نیا تماشا لگ جاتا۔ وہ دل نشین کو جان سے مار دیتا اور بابا۔

"کیا ہم ان سے چھپا سکیں گے یہ سب کچھ؟" دل پر ایک بوجھ سا لے کر وہ چپ چاپ بستر پہ لیٹ گیا تھا۔

"ماما نے ولید کے رویے کا بہت صدمہ لیا ہے۔ پھر دل نشین...؟"

طارق نے چونک کر حور کی طرف دیکھا۔

"کیا ہوا ہے دل نشین کو؟" وہ پہلے ہی بہن کے بارے میں فکرمند تھا۔ وہ اس راز کو بیوی سے بھی چھپا لینا چاہتا تھا۔ نجانے حور' دل نشین کے بارے میں کیا کہنے جا رہی تھی۔

"وہ بھی تو اس رشتے سے انکاری ہو گئی ہے مجھے لگتا ہے دل نشین کسی اور کو پسند کرتی ہے۔ اگر ایسی بات ہے تو...؟"

طارق نے تمسخرانہ سے انداز میں سر جھٹک دیا۔ حور اپنے قیاس پہ شرمندہ ہو گئی۔ پھر طارق کے نزدیک بیٹھ کر کہنے لگی۔

"آج ماما نے جو کچھ بھی کہا۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ حالانکہ ایک وقت تھا۔ میں ایسا ہی چاہتی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں جب ایسا ہوا تو مجھے اپنا آپ بہت چھوٹا لگا۔"

نقاہت کی وجہ سے اس میں چڑچڑاپن مزید بڑھ گیا تھا۔ اس نے فون پہ دل شاد کو یہ خبر سنائی تو وہ بہت خوش ہوئیں دلشاد کا رویہ' دل آویز کے لیے حیرت انگیز تھا۔ دلشاد پہلی بار دل آویز کے گھر ملنے آئی تھیں۔ وہ دل آویز کو خصوصی احتیاط کی تلقین کر رہی تھیں۔ لیکن دل آویز کو بچوں کے مسائل کا سوچ کر ہی ابکائیاں آرہی تھیں۔

دل آویز چاہتی تھی کہ خود بخود ایسا کچھ ہو جائے کہ وہ ماں بننے کے عمل سے نجات حاصل کر سکے۔

اور پھر ایک دن کسی بے احتیاطی کی وجہ سے اچانک دل آویز کی طبیعت خراب ہو گئی تو رمیض کو بہت تشویش ہوئی۔ وہ فوری طور پر دل آویز کو اسپتال لے گیا۔ اسپتال کا کوریڈور عبور کرتے ہوئے دل آویز کی نگاہ دو معذور بچوں پہ پڑی۔ جن میں سے ایک کی عمر تقریباً" چھ سال اور دوسرے کی عمر نو سال تھی۔ بچے ذہنی طور پر معذور تھے۔ جس کی وجہ سے ان کی حرکات و سکنات بھی عجیب و غریب تھیں۔ اور ہاتھ پاؤں بھی بالکل پتلے پتلے اور کمزور تھے البتہ ان بچوں کے سر اور منہ جسم کی نسبت بڑے تھے۔ ان بچوں کی ماں انہیں ویٹنگ روم میں لے کر بیٹھی تھی۔ دل آویز کی نگاہ ان بچوں پہ پڑی تو پلٹنا بھول گئی۔

بچوں کی ماں بڑے پیار سے کبھی اپنے ایک بچے کے منہ سے نکلتا لعاب صاف کرتی اور کبھی دوسرے بچے کی آنکھوں سے آتا پانی۔ وہ عورت مڈل کلاس سے لگتی تھی مگر اس کی پیشانی پہ نہ تو بل تھے اور نہ ہی الجھن۔ وہ بڑی مامتا سے اپنے دونوں بچوں کو لیے بیٹھی تھی۔

دل آویز کے دل کو یکدم کچھ ہوا تھا۔ نجانے وہ کیسی کیفیت تھی۔ وہ لوگ وہیں ویٹنگ روم میں بیٹھ گئے اور اپنی باری کا انتظار کرنے لگے۔ دل آویز سے رہا نہ گیا اور وہ عورت سے پوچھنے لگی۔

"کیا مرض ہے ان بچوں کو؟"

اس عورت نے بڑی عجیب نگاہوں سے دل آویز کی طرف دیکھا اور اپنا دوپٹہ اپنے بچوں کے اوپر ڈال لیا۔

دل آویز نے رمیض کی طرف دیکھا۔

"کوئی مرض نہیں ہے بچوں کو۔ یہ اللہ لوک ہیں۔"

وہ عورت سخت لہجے میں بولی تب ہی اس کا شوہر آگیا۔ اور دونوں میاں بیوی اپنے بچے لے کر وہاں سے نکل گئے۔

"ماں اسی چیز کا نام ہے۔" رمیض نے رشک سے اس عورت کی محبت کو سراہا تھا۔ دل آویز کو بھی بڑا اچنبھا ہوا تھا۔

ڈاکٹر شگفتہ نے چیک اپ کے بعد اپنا پین ہونٹوں پہ رکھ لیا۔ اور پر سوچ انداز میں کہنے لگیں۔

"مسز رمیض! آپ اتنی سی بھی احتیاط نہیں کر سکتیں۔ جانتی ہیں آپ کی یہ بے احتیاطیاں کیا نتائج پیدا کر سکتی ہیں؟ ابنارمل بچوں کا پیدا ہونا' والدین کے لیے کتنا تکلیف کا سبب ہوتا ہے؟"

دل آویز کی نگاہوں میں وہ عورت اور اس کے بچے آگئے۔ وہ یکدم کانپ کر رہ گئی۔

"ہمارے یہاں ایک کپل آتا ہے۔ ابھی آپ سے پہلے وہ لوگ اپنے بچوں کا چیک اپ کرا کر گئے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر شاید دکھ ہو۔ ان کے چار بچے ہیں اور چاروں ہی پیدائشی معذور ہیں۔ لیکن دونوں میاں بیوی اپنے بچوں کی بالکل اسی طرح دیکھ بھال اور توجہ رکھتے ہیں جیسے نارمل بچوں کی جاتی ہے۔ پتا نہیں اللہ نے انہیں کس آزمائش میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اور انہیں کیا درجات دینا چاہتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنی قوت برداشت ہر ایک میں نہیں ہوتی۔ اللہ اولاد دے تو مکمل صحت و تندرستی والی۔"

یہ کہہ کر ڈاکٹر شگفتہ نے پرچے پہ کچھ دوائیں لکھ کر انہیں تھمائیں اور کہا۔

"مسز رمیض! آپ اچھی خوراک لیں۔ اور مکمل بیڈ ریسٹ کریں اور ہر قسم کی ٹینشن سے خود کو آزاد کر لیں۔ میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ آپ کی کمزوریوں کا اثر بچے کی ذہنی یا جسمانی حالت پڑے۔ پہلے ہی آپ کا بچہ بہت کمزور ہے۔"

دل آویز یک دم سناٹے میں آگئی۔
"یہ میڈیسن انہیں باقاعدگی سے دیں۔ اگر ان کا پہلی بار ابارشن ہو گیا تو یہ پھر دوبارہ ماں نہیں بن پائیں گی۔"
یہ الفاظ تھے یا بم۔ رمیض کے تو ہوش اڑے ہی تھے دل آویز کے بھی ہوش ٹھکانے پہ آگئے۔

☼ ☼ ☼

دلشاد بیگم باقاعدگی سے بیٹی کی طرف جارہی تھیں۔ جس کی وجہ سے روزانہ ان کی ملاقات رمیض سے بھی ہونے لگی تھیں۔ رمیض کو اولاد کی ضرورت تھی' اسی وجہ سے اس نے دل آویز کے لیے دن بھر کے لیے ایک ملازمہ کا انتظام کر لیا تھا۔ رمیض کی بہن بھی دن میں دو تین چکر لگا لیتی تھی۔
رمیض' دل آویز کا بہت خیال رکھ رہا تھا۔ اس کی توجہ اور اپنائیت نے دلشاد کے دل میں نئی جگہ بنانا شروع کر دی تھی۔ اب دلشاد کا رویہ رمیض سے بہتر ہوتا جارہا تھا۔ جبکہ دل آویز خود دل سے چاہنے لگی تھی کہ وہ ماں بنے اور اس کا بچہ صحت مند اور نارمل پیدا ہو۔
اپنی زندگی پہ نگاہ ڈالتی تھی تو ان معذور بچوں سے خود کو کم نہیں پاتی تھی' جو دنیا سے بے گانہ صرف اور صرف ماں کے رحم و کرم تھے۔
رمیض کی توجہ اور مہربانیوں نے دل آویز کے دل میں بھی نئے غنچے کھلانا شروع کر دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

آج کی صبح کا آغاز بہت خوشگوار ہوا تھا۔ بہت دن کے بعد گھر میں چھایا سکوت اور اداسی چھٹی تھی۔ دلشاد اب مستقل گھر میں ہی تھیں۔ آج وہ معمول سے زیادہ امور خانہ داری میں دلچسپی لے رہی تھیں۔
رات ڈنر پہ عباد اور اس کے گھر والے آرہے تھے۔ وہ حور سے رات کے مینیو کے بارے میں مشورہ کر رہی تھیں۔ پھر انہوں نے دل آویز کو فون کیا کہ وہ گھر آجائے۔ ساتھ ہی انہوں نے داماد کو بھی رات ڈنر پہ مدعو کیا تھا۔ اس کے بعد وہ ولید کو تلاش کرنے لگیں' ولید جو گنگ کر کے واپس آیا تھا' وہ اس کے سر پہ پہنچ گئیں۔
"میں نے تم سے کہا تھا صبح جلدی تیار ہو جانا ہم نے اصباح کو لے کر آنا ہے۔"
ولید نے حیرت سے مڑ کر دیکھا۔ حالانکہ وہ جانتا تھا بڑوں کے درمیان بات چیت ہو چکی ہے۔ اور ماموں' اصباح کو بھیجنے کے لیے تیار ہیں پھر بھی ماں کو ستانے کی غرض سے بولا۔
"میں ماموں جان کو اپنی شرافت کا حلف نہیں دوں گا۔ اگر وہ ایسے ہی اپنی لاڈلی کو بھیجیں تو چلنے کو تیار ہوں۔" دلشاد کو ولید پہ غصہ آگیا۔ وہ کچھ کہنے کو تھیں کہ حور جو ناشتا لگوا رہی تھی۔ درمیان میں بول اٹھی۔
"خیر ہے ماما! ہم ماموں سے کہہ دیں گے۔ اصباح کو بھیج دیں۔ وہ خود ہی آکر اسے سدھار لے گی۔"
دلشاد نے مسکرا کر حور کی طرف دیکھا۔
"بھابھی! یہ غضب نہ کریں۔ کون دیکھے گا ولید بھائی اور اصباح بھابھی کے روز روز کے معرکے۔ ماما' پاپا کا کمرہ سب سے قریب ہے۔ دونوں ڈسٹرب ہو جائیں گے۔"
معیز نے ناشتے کی میز پہ بیٹھتے ہوئے کہا۔
"اس شیطان کو رکھنا کون چاہتا ہے اپنے قریب۔ اسے تو میں ہر حال میں اوپر پھینکوں گی۔ طارق اور حور العین کو اپنے قریب رکھوں گی۔"
"نہیں۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔ اتنے اچھے کمرے چھوڑ کر میں نہیں اوپر جانے والا۔"
وہ بھی بنا منہ دھلے ناشتا کی میز پہ آگیا اور دھمکی دی۔
"تمہیں اوپر جانا ہی پڑے گا۔" دلشاد نے ولید کا کان مروڑا۔ "تمہارا کچھ بھروسا نہیں۔ رات بے رات پھر لے کر نکل جاؤ گے۔"
ولید شرمندہ ہو گیا۔ دلشاد بھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئیں۔
"حور نے سارا گھر سنبھال رکھا ہے۔ سارا دن ایک پاؤں اوپر' ایک پاؤں نیچے۔ حور نیچے رہے گی تو اس کی

پریڈ بھی کم ہو گی۔ پھر یہ کہ دلنشین بھی چلی جائے گی۔ تو میں تم نکموں کا اچار ڈالوں گی۔ مجھے تو طارق اور حور کو ہی اپنے قریب رکھنا ہے۔"
اس قدر لاڈ پہ ابراہیم صاحب کو زوردار کھانسی ہوئی تھی۔ انہوں نے اخبار چہرے کے سامنے پھیلا لیا۔
"بھئی طارق! ان ساس بہوؤں کی ذرا نظر اتار دینا۔ کہیں ان کی محبت کو بیماری کی نظر نہ لگ جائے۔"
دلشاد نے خفگی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ حور جھینپ گئی' جلدی سے بولی۔
"سب ہی آگئے طارق نہیں اٹھے۔ میں بلا کر لاتی ہوں۔"
وہ کہہ کر مڑی تو ولید بے ساختہ بولا۔ "نظر اتروانے کے لیے۔"
معیز قہقہہ لگا کر ہنسا تو حور شرمندہ سی سیڑھیاں چڑھتی چلی گئی۔
وہ اتنی جلدی میں تھی کہ آخری سیڑھی پہ نیچے آتے طارق سے ٹکرا گئی طارق نہ تھامتا تو وہ واپس پلٹ سکتی تھی۔
"دھیان سے مسز! تعریف و مرتبہ آدمی کے ہوش گم کر دیتا ہے۔" وہ اسے بازوؤں میں لے کر محبت و وارفتگی سے دیکھ رہا تھا۔
حور نے شکوہ کناں نگاہوں سے طارق کو دیکھا۔ اور اترا کر بولی۔
"مرتبہ انسان کو یوں ہی نہیں ملتا۔"
طارق کے دل نے اس چیز کا اقرار کیا اس میں اس کے ایثار اور صبر کا بڑا عمل دخل تھا۔ تب ہی جیت اس کا مقدر بنی تھی۔
"تو پھر کس طرح ملتا ہے؟" وہ اسے ستانے کے موڈ میں تھا۔
"پتا نہیں۔" وہ اس کی گرفت میں یکدم پریشان ہو گئی۔
نیچے دلشاد' طارق اور آوازیں دے رہی تھیں۔ حور کو
"پہلے ماما کی نفرت چین نہیں لینے دے رہی تھی۔ اب محبت اکٹھا نہیں رہنے دے گی۔ لمحہ لمحہ آواز دیا کریں گی۔"
وہ کچھ بدمزہ سا ہوا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
"اور مزے کی بات یہ ہے کہ وہ ہمیں نیچے اپنے پہلو میں رکھیں گی۔" اس کی ہنسی پر طارق نے اسے گھور کر دیکھا۔
وہ مسکراتے ہوئے اس کے پیچھے پیچھے نیچے اتر آئی۔ جہاں دلشاد نگاہوں میں محبت لیے ان کی منتظر تھیں۔

www.pkdigest.com